PDF

حجاب کراچی

Hijab Digest May 2018

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشاللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد	زیب النساء فرحت آراء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آراء
نائب مدیرہ	سعید نثار
معاون مدیر	ندا رضوان احسان عبداللہ
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی

جلد	03
شمارہ	07
مئی	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: افرا خان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل: Infohijab@aanchal.com.pk
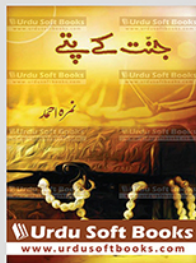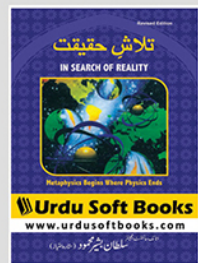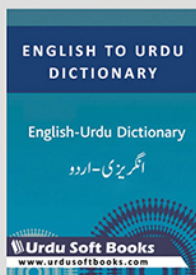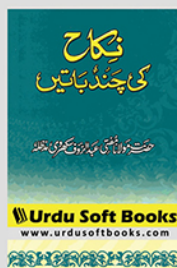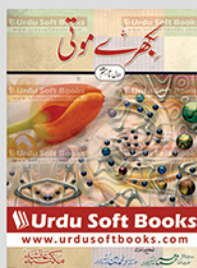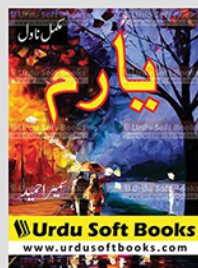
editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL
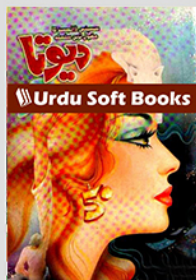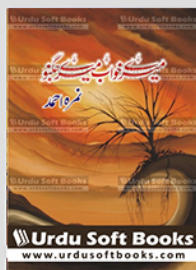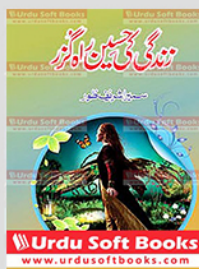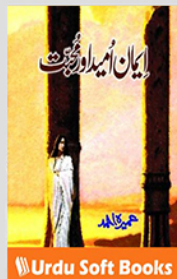
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مئی ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

تمام بہنوں کو شعبان مکرم مبارک ہو، رمضان کی آمد آمد ہے اس لیے یہ رمضان نمبر ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اور تمام اہلیانِ پاکستان کو ہمت وحوصلہ عطا فرمائے کہ ان مبارک ایام میں زیادہ سے زیادہ عبادتِ الٰہی کے ذریعہ اپنی اور تمام مسلمانانِ عالم کے لیے مغفرت وبخشش کا سامان کرسکیں، آمین۔ شعبان میں اور خصوصاً رمضان میں اللہ کی رحمت اپنے بھرپور جوش پر ہوتی ہے نداد ینے والا ندادیتا رہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا، ہے کوئی بخشش کا طلب گار، اللہ سبحان وتعالیٰ منتظر ہوتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے توبہ ومغفرت طلب کرے اور وہ معاف کردے، بس ہمیں اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں عباداتِ الٰہی کی پُرخلوص اور نیک نیتی سے توفیق عطا فرمائے کہ ہم جو ساری زندگی دنیا کمانے میں گزار رہے ہوتے ہیں ان ماہِ مبارک میں اپنی آخرت کی دائمی زندگی کا بندوبست بھی کریں، بس تمام بہنوں سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں اپنے محبوب ''حجاب'' اور ''آنچل'' کو بھی یاد رکھیں۔

اب آتے ہیں آپ کے ''حجاب'' کی سمت، بہنوں گزشتہ ماہ بھی ہم نے مہنگائی کا رونا رویا تھا تو وہ بلاضرورت ہرگز نہیں تھا۔ وطن عزیز کی معیشت چونکہ امریکی ڈالر سے جڑی ہوئی ہے اور امریکی ڈالر ہوا کے دوش پر اڑا جارہا ہے۔ وہ کاغذ جس پر آپ کے یہ محبوب، پسندیدہ ماہنامے شائع کیے جاتے ہیں گزشتہ مہینوں تک ستر اسی روپے فی کلو مل رہا تھا لیکن اچانک ایک دم سے اس کے نرخ بڑھ کر ایک سو دس روپے فی کلو ہوگیا ہے۔ ساتھ ہی دیگر متعلقہ شعبوں کا بھی یہی حال ہے، ڈاک خرچہ بڑھا دیا گیا ہے۔ پرچوں کی چھپائی اور جلد سازی کے نرخ بھی اس مہنگائی کی زد میں آچکے ہیں، اس لیے مجبوراً اور جرائد کی بقا کے لیے آپ کو معمولی سی زحمت دی جارہی ہے۔ آئندہ آنے والا شمارہ جون 2018ء مبلغ ستر روپے کا ہوگا۔ امید ہے کہ بہنیں اس میں ہمارا ساتھ دیں گی اور اپنے بھرپور تعاون سے نوازیں گی۔

اب آیئے چلتے ہیں آپ کے اس ماہ کے حجاب کی جانب۔

عرشیہ ہاشمی، اُم ایمان قاضی، نائلہ ندیم، نفیسہ سعید، نیلم شہزادی، عائشہ تنویر، صائمہ مشتاق، عائشہ ناز علی۔

دعاگو

قیصر آرا

حمد

حمد کرتا ہوں اے خدا تیری
گو کہ دشوار ہے ثنا تیری

تو حد فکر میں نہیں آتا
حمد کس طرح ہو ادا تیری

پتے پتے میں تیرا عالم ہے
ذرے ذرے میں ہے ادا تیری

اے خدا تو ہی رب عالم ہے
ہے سبھوں کے لیے عطا تیری

تو ہی تو ہر طرف نمایاں ہے
یاد کیونکر نہ ہو بھلا تیری

حضرت بہزاد لکھنوی

نعت

تو شاہ خوباں تو جان جاناں ہے چہرہ ام الکتاب تیرا
نہ بن سکی ہے نہ بن سکے گا مثال تیری جواب تیرا

تو سب سے اول تو سب سے آخر ملا ہے حسن دوام تجھ کو
ہے عمر لاکھوں برس کی تیری مگر ہے تازہ شباب تیرا

نظر میں اس کی ہے ہر حقیقت ہو مشک و عنبر یا بوئے جنت
ملا ہے جس کو ملا ہے جس نے پسینہ حسن گلاب تیرا

خدا کی غیرت نے ڈال رکھے ہیں تجھ پہ ستر ہزار پردے
جہاں میں بن جاتے طور لاکھوں جو اک بھی اٹھتا حجاب تیرا

ہے تو بھی صائم عجیب انساں جو خوف محشر سے ہے ہراساں
ارے تو ہے جن کی نعت پڑھتا وہی تو لیں گے حساب تیرا

جناب صائم چشتی

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

ماریہ حسن ماروی

میری طرف سے تمام حجاب اسٹاف اور پڑھنے والوں کو السلام علیکم پہلی دفعہ انٹری دی ہے پلیز مایوس نہ کیجیے گا جی تو میرا نام ماریہ حسن ماروی ہے میرا تعلق ایک خوب صورت گاؤں نور پور سے میری تاریخ پیدائش 15 جنوری 2002ء ہے ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑے بھائی مدثر شہزاد جو پی ایف میں ہوتے ہیں پھر باجی ارم پھر بھائی مبشر شہزاد جسے میں بھائی کبھی کبھی کہتی ہوں جب ابو ڈانٹتے ہیں کہ بھائی پکارا کرو اور سب سے آخری پیس میں ہوں میں دسویں کلاس میں پڑھتی ہوں اور میں انصاری فیملی سے تعلق رکھتی ہوں اور ایک بات تو میں بتانا ہی بھول گئی کہ میرے چھوٹے کزن شاہ میر نے میرا نک نیم باجی منور رکھا ہوا ہے اور اب سب مجھے باجی منور ہی پکارتے ہیں مجھے امی ابو سے بہت پیار ہے اللہ تعالیٰ میرے والدین کا سایہ تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ خامیاں اور خوبیاں میں نے اپنی بہن سے پوچھیں تو وہ کہتی ہے کہ تم کہنا نہیں مانتی کرتی تم وہی ہو جو تمہارا دل کرتا ہے اور مجھے غصہ بہت جلدی آتا ہے خوبیاں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتی ہوں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ حسینؓ اور میری پیاری ٹیچر ثمینہ رشید ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے مصنفین میں نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' صدف آصف اور نادیہ احمد پسند ہیں نازیہ آپی اور سمیرا آپی پلیز کیا مجھ سے دوستی کریں گی رنگوں میں مجھے گلابی اور آسمانی رنگ پسند ہے دوستیں بنانا مجھے بہت پسند ہے الفت' رافعہ' فریال' اریبہ اور لیلیٰ عرف لیلا میری فرینڈز ہیں اور اپنے اردگرد خیال رکھیں کہ کوئی آپ کی وجہ سے تکلیف یا پریشانی میں تو نہیں ہے اینڈ یہ آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کیجیے گا کہ میرا حفظ قرآن جلدی مکمل ہو' میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔ فی امان اللہ

مقدس مہر

السلام علیکم! بہارو پھول برساؤ ایک چاندی ریڈر اس محفل میں آئی ہے' کیسے ہو حجاب شکریہ اتنے زیادہ پھولوں کی برسات اف اتنا اچھا استقبال واؤ مزہ آ گیا ارے آپ سب لیڈیز' گرلز' کھڑی کیوں ہوگئیں بیٹھ جائیں۔ اف اتنا گھور کے کیوں دیکھا جا رہا ہے نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟ بھئی میں آسمان سے اتری کوئی حور ہوں اور نہ ہی کوئی پری وش میں تو بس ایک عام سی بندی ہوں آپ جیسی انسان (ہاں یہ اور بات کہ اکثر دیکھنے والوں نے مجھے حوروں کے مشابہ قرار دیا ہے بالکل سچ کہہ رہی ہوں آپ کو یقین نہیں تو جانے دیں اف میں کس بحث میں پڑ گئی سوری۔ اب اپنا تعارف ہو جائے جی تو ہمارا نام مقدس مہر ہے لیکن گھر میں سب پیار سے مانو کہتے ہیں 12 جنوری کو اس دنیا میں انٹری دی میرا تعلق ضلع حافظ آباد کی تحصیل پنڈی بھٹیاں کے گاؤں کوٹ بیلا سے ہے ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں

میری بڑی آپی شادی شدہ ہیں مطلب رانی باجی ان کے بعد میں ہوں مجھ سے چھوٹا صادی اس سے چھوٹی امینہ پھر سب سے چھوٹا سنی ہے۔ مارچ میں میٹرک کے پیپر دیے ہیں قارئین سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں کہ میں پاس ہوجاؤں' میری پیاری سی دوست سانیلا رانی تھی جو کہ میری ہم راز بھی تھی ان کی اچانک دسمبر 2014ء میں ڈیتھ ہوگئی تھی اور مجھے تنہا کر گئی میرا یہ شعر اپنی دوست سانیلا کے نام میری زندگی کا عظیم سانحہ میری دوست کی موت ہے۔

ہوا جب زرد پتوں کو جدا شاخوں سے کرتی ہے
تمہارا یوں بچھڑ جانا بہت ہی یاد آتا ہے

خوبی یہ ہے کہ حد سے زیادہ حساس ہوں مخلص بھی ہوں کبھی بھی کسی کا برا نہیں سوچا ہمدرد بہت ہوں خامی یہ کہ غصہ بہت زیادہ آتا ہے جب غصہ آتا ہے ہر ایک چیز سے نفرت ہوجاتی ہے میری پسندیدہ ہستی حضرت محمد ﷺ ہیں سب سے زیادہ پسند کی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے میری بھی پسندیدہ ہے نماز پڑھنے سے ہمیشہ سکون ملتا ہے کوشش کرتی ہوں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کروں ایکٹرز میں اجے دیوگن' شاہ رخ خان پسند ہیں بیسٹ سنگر عاطف اسلم اور سلو میوزک پسند کرتی ہوں سنجیدہ اور المیہ شاعری پسند ہے شاعروں میں موسٹ فیورٹ مرزا غالب' پروین شاکر' احمد فراز ہیں اپنے والدین کے بعد اپنے خوب صورت وطن پاکستان سے بے پناہ محبت ہے فیورٹ کلر پنک اینڈ بلیک ہے۔ رائٹرز میں نمرہ احمد' نازیہ کنول نازی پسند ہیں۔ کھیتوں میں گھومنا بہت پسند ہے میٹھا پسند نہیں بس چاکلیٹ اور آئس کریم پسند ہے نمکین چیزوں کی دیوانی ہوں لباس میں فراک پسند ہے میک اپ ذرا بھی پسند نہیں بارش کی دیوانی ہوں ہر موسم پسند ہے کافی سنجیدہ مزاج ہوں چاند کو دیکھنا اچھا لگتا ہے پودے لگانے کا بے حد شوق ہے میری خواہش ہے کہ پولیس میں جاؤں پر کوئی اور چاہتا ہے کہ میں مصنفہ بنوں ان سے مصنفہ بننے کا وعدہ بھی کر چکی ہوں قارئین سے گزارش ہے کہ میرے ابوجی کے لیے دعا کریں کہ وہ جلد صحت یاب ہوجائیں۔ سفید گلاب اور موتیا کے پھول پسند ہیں بچوں سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ سب سے گزارش ہے کہ پلیز دعاؤں میں یاد رکھنا تعارف کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ میرے پیارے ابو کو لمبی زندگی دے۔ اللہ حافظ۔

طاہرہ منور علی بھٹی

1998ء کی بات ہے بہار کا موسم اور مارچ کا مہینہ تھا' ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے' فصلیں لہلہا رہی تھیں پرندے چہچہا رہے تھے 29 تاریخ کو موسم صبح سے بہت پیارا تھا ہوائیں چل رہی تھیں' آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے' ایسے سہانے موسم میں ایک پیاری سی معصوم سی بچی نے ایک معزز گھرانے میں آنکھ کھولی۔ حجاب فرینڈز آپ کو پتا ہے کہ یہ بچی کون تھی نہیں پتا' چلو کوئی بات نہیں یار یہی بتانے کے لیے تو میں حجاب کی اس پر رونق محفل میں آئی ہوں تو حجاب فرینڈ یہ جو آپ کے سامنے کالی گہری آنکھوں' لمبی گھنی پلکوں' ستواں ناک' گلابی نرم و ملائم ہونٹ' لمبی مخروطی انگلیوں والے ہاتھ کی پشت پر چہرہ

ٹکائے نماز کی صورت دوپٹا لپیٹے ہوئے یہ جو معصوم سی پیاری سی (ہائے رے خوش فہمیاں) اسمارٹ سی لڑکی نظر آرہی ہے نہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں میں آپ کو بتا رہی تھی اپنے بارے میں باقی یہ خود ہی آپ کو بتائے گی میرا نام طاہرہ منور ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں پھر سائرہ منور' عثمان علی بھٹی' صبا منور اینڈ یہ میرا چھوٹا سالا ڈلا ناٹی برادر رحمان منور علی بھٹی ہے میرے ابو کا نام منور علی بھٹی ہے وہ بہت اچھے ہیں میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔ امی جی ایسے نہ دیکھیں آپ سے بھی بہت پیار کرتی ہوں مگر اظہار کرنا نہیں آتا ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے گھر ہر وقت مچھلی منڈی بنا رہتا ہے اب بات ہوجائے پسند و ناپسند کی میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ اور حضرت فاطمہؓ ہیں بارش سرد اور بہار کا موسم بہت پسند ہے بارش میں بھیگنا اچھا لگتا ہے بارش کے بعد مٹی کی سوندھی سوندھی خوش بو بہت اچھی لگتی ہے رات کا وقت اور ستاروں کے درمیان سجا چاند دیکھنا بہت پسند ہے حجاب سے رشتہ میری کلاس فیلو حسن شہزادی کے ذریعے جڑا ہم کلاس میں چار لڑکیاں حجاب پڑھتی ہیں میں حسن شہزادی' شہلا اور اس کی چھوٹی بہن مہوش رب نواز شامل تھی۔ پتا نہیں وہ اب بھی پڑھتی ہیں یا نہیں اور اگر پڑھتی ہے تو میری طرف سے السلام علیکم بلیک' پنک اور وائٹ کلر بہت پسند ہے۔ گلاب' چنبیلی اور موتیا کا پھول بہت پسند ہے وائٹ گلاب کی ادھ کھلی کلی بہت اچھی لگتی ہے پڑھنے کا بہت شوق ہے چاہے وہ شاعری کی بک ہو ناول یا پھر اسلامی کتب جو بھی ہاتھ میں آجائے اس کو ختم کیے بغیر سکون نہیں ملتا۔ وصی شاہ' نازیہ کنول نازی' محسن نقوی' فراز احمد فراز' راشد ترین اور علامہ اقبال کی شاعری بہت پسند ہے سیڈ پوئٹری اچھی لگتی ہے ٹیچرز میں ٹیچر شمیم' ٹیچر فرزانہ اور ٹیچر جمیلہ بہت اچھی لگتی ہیں ان کے پڑھانے کا انداز بہت پیارا تھا سنگرز میں عاطف اسلم' راحت فتح علی خان اور بلال سعید بہت پسند ہیں ڈائری لکھنے کا بہت شوق ہے مہندی بہت پسند ہے اس لیے ہر وقت لگائے رکھتی ہوں۔ رائٹرز میں مائی موسٹ فیورٹ نازیہ کنول نازی اور پھر سمیرا شریف طور' فاخرہ گل' صائمہ قریشی' نادیہ فاطمہ' سباس گل' سیدہ غزل زیدی' عظمیٰ شاہین' اقبال بانو' نمرہ احمد اور عمیرہ احمد شامل ہیں اب بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی۔

خود غرض' کینہ پرور' لالچی' دھوکے باز' جھوٹے' وعدہ خلاف اور بے حس لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے اس کے برعکس محبت کرنے والے' نرم دل' حساس لوگ بہت پسند ہیں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر کسی پر جلد اعتبار کرلیتی ہوں جس کی وجہ سے دھوکے بہت کھائے ویسے مجھے کسی نے کہا تھا۔ اگر کسی کو جاننا ہے تو اس پر صرف ایک بار اعتبار کر کے دیکھو اگر اعتبار سلامت رہا تو وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ حساس ہوں' نرم دل ہوں اگر کسی کے ساتھ نفرت ہوجائے تو زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھتی۔ دوستی کرنے کا بہت شوق ہے جہاں بھی جاتی ہوں دوست بنا کے ہی آتی ہوں اگر حجاب فرینڈ میں سے کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم عائشہ غزل' خوشی نورین' شکیلہ یونس' ضیاء فاطمہ' ثنا فاطمہ' ثمرانہ افضل' جمیلہ ریاض' عائشہ حفیظ' رابعہ صغیر میری دوستوں میں شامل ہیں بس بس گھورنا

بند کرو میں جا رہی ہوں سب حجاب میں اپنا تعارف بھیجتے ہیں میں نے سوچا میں بھی بھیجوں مگر کچھ ہٹ کے لگا نہ اب آپ بھی کچھ ہٹ کے بتانا ضرور انتظار کروں گی اللہ حافظ۔

خوش مزاجی بھی مشہور تھی ہماری
سادگی بھی بے مثال ہے
ہم شریر بھی انتہا کے تھے
اب سنجیدگی بھی بے مثال ہے

خالدہ شاہین

السلام علیکم !سب سے پہلے تو میری طرف سے حجاب کی ٹیم کو بہت سلام اور دعائیں میرا نام خالدہ شاہین ہے میرا تعلق ضلع سرگودھا کے شہر مڈھ رانجھا سے ہے ہم چھ بہن بھائی ہیں میرا نمبر دوسرا ہے تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے مڈل پاس اور میں شعبہ تدریس سے منسلک ہوں میں حجاب بہت شوق سے پڑھتی ہوں میری دوستیں روبینہ عصمت مصباح ہیں میرے گھر والوں کے بقول اسے کھانا نہ دو اور رسالہ دے دو میری پسندیدہ مصنفہ عشنا کوثر سردار ہیں پسندیدہ کہانیوں میں یہ چاہتیں یہ شدتیں نازیہ کنول نازی کا ناول پتھروں کی پلکوں پر میرا پسندیدہ ناول ہے پسندیدہ لباس میں شلوار قمیص بہت پسند ہے مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں سرخ کالا اور سفید پسند ہے۔شاعروں میں وصی شاہ محسن نقوی پروین شاکر علامہ اقبال پسند ہیں جیولری ہر قسم کی پسند ہے گفٹ لینا اور دینا پسند ہے خوبیاں اور خامیاں تو صرف ہم سے وابستہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں ویسے میرے خیال میں کوئی بھی انسان مکمل طور پر خوبیوں کا مرقع نہیں ہوتا ہر کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو خامیاں بھی ہوں گی اللہ تعالیٰ نے اسے کسی نہ کسی خوبی سے نوازا ہوگا اسی طرح مجھ میں بھی خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی ہیں غصہ بہت آتا ہے مگر جلد ہی اتر جاتا ہے گھر کا ہر کام کر لیتی ہوں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی دل کرتا ہے دکھی لوگوں کے دکھ سمیٹ لوں اور ان کی جھولیاں خوشیوں سے بھر دوں جی ایک اور بات میری شادی ہو چکی ہے میرا ایک کیوٹ سا بیٹا ہے میری بہت جلد یعنی چھوٹی سی عمر میں شادی ہوگئی تھی اسی لیے تعلیم زیادہ نہ حاصل کر سکی اب یہ حسرت اپنے بیٹے کو پڑھا کر پوری کروں گی میرے شوہر وفات پا چکے ہیں اس وقت جب ابھی آنی فرحت آرا کا غم ابھی تازہ تھا یعنی آنی فرحت آرا کی وفات کے کچھ دن بعد میرے شوہر کا انتقال ہوا یعنی اکیس جنوری دو ہزار گیارہ کو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنی فرحت آرا اور سب مسلمانوں کے ساتھ ساتھ میرے شوہر کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین ایک آخری بات پلیز اپنی نیت صاف رکھیں اور خوشیاں بانٹیں کوئی آپ کو دکھ دے تو بدلے میں اسے دکھ نہ دیں اللہ تعالیٰ سب سے بہتر انصاف کرنے والا ہے ڈیئر قارئین آپ کو بور نہیں کروں گی اپنا قیمتی وقت دینے کا شکریہ مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

قسط نمبر 30

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حورین کی بگڑتی طبیعت پر باسل اور خاور حیات دونوں ہی مضطرب نظر آتے ہیں اس کا اجنبی رویہ انہیں تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے ایسے میں ڈاکٹر بھی انہیں تسلی دینے کی کوشش میں ناکام نظر آتا ہے۔ جیکولین حالات کے آگے شکست تسلیم کر لیتی ہے اور جب ہی اپنی ذات پر چڑھے تمام خول ہٹا کر ابرام کو اعتماد میں لیتے اسے اپنے ماضی سے آگاہ کرتی ہے ابرام کو جان کر شدید حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باپ کا نام صالح علوی تھا۔ جیکولین ایڈم سے اپنی شادی کے متعلق بھی بتاتی ہے اور اپنے رویوں کی تلخی کے اصل حقائق سے بھی اسے آگاہ کرتی ہے ماریہ کے یوں گمشدہ ہونے پر جیکولین عجیب ٹوٹ پھوٹ کا شکار نظر آتی ہے ایسے میں ایڈم کی آمد اور ماریہ کے متعلق اس کی پوچھ گچھ جیکولین کو مزید انتشار میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایڈم ماریہ کی گمشدگی پر ششدر رہ جاتا ہے اور اس حوالے سے ابرام سے بھی استفسار کرتا ہے مگر وہ بھی اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے اس معاملے سے الگ ہو جاتا ہے۔ زرتاشہ فراز کے ہمراہ کراچی آ جاتی ہے اگرچہ وہ مہرو کو اس حالت میں چھوڑ آنے پر آمادہ نہیں ہوتی لیکن لالہ رخ کے سمجھانے پر اسے یہ قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ مہرو ہوش میں آنے پر بٹو کی موت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتی ہے اور داور حبیب کی دست درازی کا ذکر کرتے تمام واقعہ سب کو بتاتی ہے ایسے میں لالہ رخ کی پریشانی مزید بڑھ جاتی ہے لالہ رخ مہرو کے ہوش میں آنے کی اطلاع زرتاشہ کو دیتی ہے جس پر وہ بھی سکون کا سانس لیتی ہے۔ فراز کے واپس آنے پر ماریہ مطمئن ہو جاتی ہے جب ہی وہ اسے مختصراً بتا کر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتا ہے سونیا کامیش کے انکار پر شدید مشتعل ہو جاتی ہے اور ساحرہ کے سامنے ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے جس پر وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ زرمینہ اپنے گھریلو حالات پر کافی پریشان ہوتی ہے ایسے میں اچانک حمیرا بھابی کی رحلت کی خبر اسے مزید بے کل کر دیتی ہے زرتاشہ ان حالات میں اسے سنبھالتی صبر کی تاکید کرتی ہے۔ حورین باسل اور عنایہ کی منگنی جلد کرنا چاہتی ہے لیکن باسل دلی طور پر اس رشتے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا دوسری طرف احمر بھی تمام حالات سے بے خبر زرمینہ سے اپنی محبت کا اعتراف کر لیتا ہے جس پر زرمینہ اپنے شادی شدہ ہونے کی بات کرتے اسے شاکڈ کر دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆
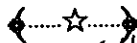
زرتاشہ کو ایسا لگا جیسے اس نے سننے میں کوئی غلطی کی ہو اس نے بے تحاشہ ہونق پن سے رخ موڑ کر پہلے زرمینہ کو دیکھا پھر احمر یزدانی کو جو انتہائی تحیر کے عالم میں انگارہ بنی زرمینہ کو تک رہا تھا کمرے میں یک لخت اس قدر گہری خاموشی چھا گئی تھی جیسے وہاں سرے سے کسی انسان کا وجود ہی نہ ہو پھر کچھ دیر بعد زرمینہ ہنوز شعلہ اگلتے لہجے میں گویا ہوئی۔

"مسٹر احمر اب مزید بھی کچھ سننے کی تمنا ہے آپ کو یا پھر اتنا ہی کافی ہے کہ میں کسی کی بیوی ہوں۔" زرتاشہ کا دل اس لمحے بے پناہ زور سے دھڑک کر یک دم ڈوب سا گیا اس نے بے اختیار اپنے منہ پر دایاں ہاتھ رکھا جب کہ احمر کی آنکھیں جیسے لہو چھلکانے کو ہوگئیں' اس نے اپنی بے تحاشا سرخ نگاہوں سے کرب واذیت بھری کیفیت میں زرینہ کو دیکھا' انہیں محسوس کر کے زرتاشہ کے اندر رنج والم کی لہریں امڈنے لگیں' اسے اس پل احمر یزدانی پر بے تحاشا ترس آیا' محبت کوئی ایسا جرم یا گناہ تو نہیں جس کی سزا کی تکلیف اس لمحے احمر کے چہرے اور آنکھوں سے عیاں تھی احمر نے فقط ایک نگاہ زرینہ کو دیکھا پھر انتہائی سرعت سے اس کے قریب سے نکلتے ہوئے زرینہ کا دل بھی اپنے ساتھ لے گیا احمر کی اس آخری نگاہ نے اس کے اندر سناٹے سے بکھیر دیے تھے' اس لمحے اسے اپنا وجود ایسی کھنڈر زدہ' آسیب حویلی کی مانند لگا جہاں صدیوں سے ویرانی اور خاموشی کا راج ہو' وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح وہیں صوفے پر گر گئی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھتی ہوئی بے پناہ تلخی سے بولی۔

"دیکھو تاشو...... آج میرے ہاتھ ہمیشہ کے لیے خالی ہوگئے' میرے پاس تو کچھ نہیں بچا نہ کوئی خواب' نہ جذبات واحساسات' نہ دل وروح اور نہ ہی محبت آج زرینہ بی بی سر بازار لٹ گئی تقدیر کا رہزن مجھ سے سب کچھ چھین کر لے گیا تاشو۔" کہتے ہوئے وہ خود فراموشی کی کیفیت میں چلی گئی تو زرتاشہ جو پہلے ہی اس صورت حال سے پریشان تھی زرینہ کا یہ حال دیکھ کر وہ متفکرانہ انداز میں اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"زری پلیز خود کو سنبھالو ہوش میں آؤ۔" زرینہ نے ایک نگاہ اٹھا کر زرتاشہ کو دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے اس سے لپٹ کر وہ بلک بلک کر رو دی۔

☆

مہرو ہاسپٹل کے بیڈ سے پشت ٹکائے تھکی تھکی سی بیٹھی تھی' بٹو کی موت پر وہ اپنے اندر امڈتے سمندر کو اپنی آنکھوں کے راستے بہا دینا چاہتی تھی مگر اس لمحے اس کا دل جس دکھ و تکلیف کی کیفیت سے گزر رہا تھا اس کا اظہار کرنا بھی محال تھا اسے بار بار وہ منظر یاد آ رہا تھا جب اس کے نحیف ونزار وجود نے داور حبیب جیسے ہٹے کٹے انسان کو دبوچا ہوا تھا وہی دلخراش اور کرب انگیز منظر جب پوری جزئیات سمیت اسے یاد آیا تو بے ساختہ اس کی سوجی آنکھیں ایک بار پھر برس اٹھیں جب کہ اس کے قریب بیٹھی لالہ رخ نے اسے انتہائی بے بس نگاہوں سے دیکھا مہرو کو ڈاکٹرز نے آج صبح ہی وارڈ میں شفٹ کر دیا تھا جس پر لالہ رخ اور امی نے شکر کا سانس لیا تھا۔

"مہرو میری جان آخر کب تک روؤ گی' دیکھو اگر تم اس طرح کرو گی ناں تو بٹو کی روح کو بہت تکلیف ہوگی کیا تم یہ چاہتی ہو کہ بٹو کو اذیت ہو؟" آخر میں لالہ رخ کا لہجہ سوالیہ ہوا تو آنسو بہاتی مہرو نے بے اختیار سر نفی میں ہلایا پھر گلوگیر لہجے میں بولی۔

صرف میری وجہ سے بٹو کیسی درندگی کا شکار ہو کر اذیت ناک موت مر گیا اس کے لیے میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔" اتنا کہہ کر وہ ایک بار پھر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر زاروقطار رونے لگی تو لالہ رخ کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں' کل شام ایس ایچ او نے آ کر مہرو سے بیان لے لیا تھا مہرو نے تمام واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا کہ کس طرح اس چوٹی پر بٹو کو داور حبیب نے یکے بعد دیگرے فائر کر کے قتل کیا تھا۔

"مس مہرو آپ اتنے خطرناک موسم میں اس چوٹی پر صبح سویرے کیا کرنے گئی تھیں؟" یہ سوال جو کب سے لالہ رخ اور امی کے ذہنوں میں کلبلا رہا تھا وہ اس لمحے ایس ایچ او صاحب نے کیا' جس پر مہرو نے ایک گہری سانس بھری پھر ہموار لہجے میں بولی۔

"میں بہت زیادہ ذہنی دباؤ کا شکار تھی شدید ڈپریشن کے عالم میں بناء کچھ سوچے سمجھے اس جانب نکل گئی کیونکہ میں اپنے اردگرد کے ماحول سے فرار چاہتی تھی مگر......" مہرو نے ایک اذیت کی لہر محسوس کرکے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے مس مہرینہ ہم داور حبیب کو آپ کے ساتھ دست درازی کرنے اور بٹو کے قتل کے جرم میں جلد ہی گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔" ایس ایچ او صاحب اپنے مخصوص لہجے میں کہتے وہاں سے چلے گئے۔

"لالہ مجھے یہ احساس اندر ہی اندر کسی تیز دھار آلے کی طرح کاٹ رہا ہے کہ بٹو صرف میری جان اور ناموس بچانے کی خاطر اس دنیا سے چلا گیا...... آہ میرا مظلوم دوست۔" آخر میں مہرو کہہ کر سسک پڑی جب ہی امی جو نماز ادا کرنے باہر گئی تھیں کمرے میں داخل ہوئیں مہرو کا جملہ ان کے کانوں میں بھی بخوبی پہنچا تھا وہ آہستہ سے چلتی ہوئی مہرو کے سرہانے آئیں پھر حلاوت آمیز لہجے میں بولیں۔

"بٹو اپنے رب کا بہت پسندیدہ تھا جب ہی اس نے اسے اپنے پاس بلا لیا مہرو بیٹا اللہ کی مرضی سمجھ کر بٹو کی جدائی قبول کرلو۔" مہرو نے ایک نگاہ انہیں دیکھا پھر ان کے سینے سے لگ کر ایک بار پھر رو دی۔

☆
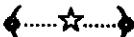
سمیر شاہ نے باسل کی بتائی ہوئی ساری بات کامیش شاہ کے سامنے رکھ دی تھی کامیش اس پل اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں پھنسائے اپنی ٹھوڑی اس پر رکھے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا سمیر شاہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا لیکن قصداً اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

سونیا فی الحال تو اپنے والدین کے گھر چلی گئی تھی اب وہاں اس کا قیام عارضی تھا یا پھر مستقل اس بابت سمیر اور کامیش دونوں ہی لاعلم تھے اس وقت دونوں باپ بیٹا سیٹنگ روم میں براجمان تھے جب کہ ساحرہ آفس گئی ہوئی تھی سمیر شاہ نے طبیعت خراب ہونے کے سبب چھٹی کرلی تھی جبکہ کامیش آج جلدی گھر آ گیا تھا۔ سمیر شاہ نے موقع دیکھ کر تمام بات اس کے گوش گزار کردی کامیش کافی سوچ بچار کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ڈیڈ جب عورت ذات اپنی نسوانیت اور پندار کو ایک طرف رکھ کر مقابلے کے لیے آ جاتی ہے تو خطرناک سے خطرناک ہتھیار بھی اس کے آگے ناکارہ ہوجاتا ہے وہ اپنی ناموس پر ضرب لگنے کا بدلہ لینے کے لیے مزید اپنی نسوانیت کو پیروں میں روند کر اپنی سطح اپنے مقام سے گرتی چلی جاتی ہے اپنے چھوٹے سے نقصان کا مداوا کرنے کے لیے وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتی ہے اور یہی سب کچھ سونیا نے بھی اپنے ساتھ کیا اس کے پندار کو فراز نے نہیں بلکہ اس نے خود چکنا چور کیا ہے۔" کامیش خاموش ہوا تو سمیر اسے بغور دیکھتے رہے اس پل کامیش کے چہرے پر گہری سوچ اور سنجیدگی کے اثرات رقم تھے وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"شادی کے اولین دنوں میں ہی میں یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ سونیا فراز کو پسند کرتی رہی ہے ڈیڈ سونیا تو اس میدان میں بہت کچی کھلاڑی ہے میں نے تو اپنے پروفیشن میں بہت شاطر اور مکار لڑکیاں دیکھی ہیں جس دن سونیا نے فراز کے کردار پر بے ہودہ الزام لگایا تھا میں تو اسی دن سونیا کی تمام حقیقت جان گیا تھا۔" سمیر شاہ جو پُرسکون انداز میں بیٹھے کامیش کی بات سن رہے تھے بے ساختہ بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کک...... کیا مطلب کامیش؟ کیا تمہیں فراز کی بے گناہی پر یقین تھا۔" وہ بے تحاشا حیران ہو کر بولے تو کامیش سہولت سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک دلکش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولا۔

"میرے ... آپ کا بیٹا ایک ... پولیس آفیسر ہے ... ابھی نہیں ہے کہ سونیا جیسی ... کا چھل د

فریب سمجھ نہ سکے۔" سمیر شاہ کے لیے یہ سب بے حد حیران کن تھا' وہ انتہائی تحیر کے عالم میں اسے دیکھتے رہے پھر بڑی مشکل سے اپنی اس کیفیت پر قابو پا کر بے اختیار بولے۔

"تو پھر کامیش تم نے اسی وقت کیوں نہیں سونیا کے ڈرامے کا پردہ چاک کیا' کیوں تم نے فراز کو اس گھر سے بدنامی اور رسوائی کا داغ ماتھے پر سجا کر جانے دیا۔" سمیر شاہ کے سوالات پر کامیش دھیرے سے مسکرایا پھر ہنوز لہجے میں بولا۔

"ڈیڈ میں نے آپ سے ابھی تھوڑی دیر پہلے کہا ناں کہ جب عورت مقابلے پر آ جاتی ہے تو دنیا کا ہر خطرناک ہتھیار اس کے آگے ناکارہ ہو جاتا ہے' سونیا بھی ایسا ہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اگر اس دن میں اس کی یہ چال ناکام بنا دیتا تو وہ یقیناً دوسرا قدم اٹھاتی جو اس سے کہیں زیادہ سنگین اور رسوا کن ہوتا' اس وقت بات گھر کی چار دیواری تک محدود رہی مگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس گھر کے ہر فرد کو اس سے کہیں زیادہ ناقابل تلافی نقصان پہنچاتی' میں ایسی عورتوں کی نفسیات کو اچھی طرح جانتا ہوں ڈیڈ' صرف سونیا کی انا کی تسکین کی خاطر میں نے اس دن کچھ نہیں کہا اور ایک بات اور کہ مجھے اپنے بھائی کی عزت اور پاک دامنی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے ڈیڈ۔" کامیش کے منہ سے یہ سب سن کر سمیر کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں' انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے اپنی زندگی بھر کی کمائی کو فخر سے دیکھا' ان کے اندر ڈھیروں اطمینان و سکون اترتا چلا گیا' اس پل کامیش کو دیکھ کر انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ زندگی نے انہیں خسارہ نہیں لوٹایا بلکہ ان کے صبر اور برداشت کا بہترین پھل کامیش اور فراز کی صورت میں عطا کیا ہے۔

"کامیش......! مائی سن آئی ایم پراؤڈ آف یو......آج تم نے مجھے دنیا کا سب سے امیر باپ بنا دیا' خوش رہو میرے بچے' ہمیشہ کامیاب رہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے فرط جذبات میں گھر کر کامیش کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆
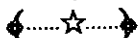
احمر کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند باسل کے سامنے لٹا پٹا بیٹھا تھا۔ شدت ضبط سے اس لمحے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ باسل بھی بوجھل دل لیے اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا جو باسل کو اس طوفان سے آگاہ کر کے خود بالکل خاموش ہو بیٹھا تھا' بہت دیر بعد باسل نے دھیرے سے اپنا دایاں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تو احمر نے بے پناہ چونک کر اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بے حد تلخی سے کہا۔

اب تو بس جان ہی دینے کی باری ہے محسن
میں کہاں تک ثابت کروں کہ وفا ہے مجھ میں

باسل نے اسے ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھا پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا۔

"تم نے وہ شعر نہیں سنا کہ......ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"ہوں ان ستاروں نے مجھے آگے چلنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے میرے دوست۔" وہ ہنوز لہجے میں بولا پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

"زرمینہ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا باسل......میرے تو جذبوں میں کوئی کھوٹ نہیں تھا' پھر مجھے کیوں کسی بھٹکے مسافر کی طرح منزل نہیں ملی۔"

"تم غلط ٹرین میں چڑھ گئے تھے میرے بھائی' یہ گاڑی جس راستے کی طرف جاتی تھی وہ تمہارا تھا ہی نہیں پھر تمہیں تمہاری منزل کیسے ملتی؟" باسل اسے سمجھانے والے انداز میں بولا تو احمر یزدانی نے بے پناہ خفگی سے اسے دیکھا۔

"باسل پلیز تم تو ایسی باتیں مت کرو......کیا یہ سب بے اختیاری کا عمل نہیں تھا' کیا یہ سب میں نے جان بوجھ کر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کیا ہے کیا میں نے محبت سے کہا تھا کہ آؤ میرے گلے کا ہار بن کر مجھے کانٹوں میں دھکیل دو؟" احمر نے ناراضگی سے رخ دوسری جانب پھیرا تو باسل بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"اچھا اب لڑاکا عورتوں کی طرح مجھے طعنہ دینا مت شروع کر دینا آؤ کہیں آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔" باسل اس وقت احمر کے روم میں بیٹھا تھا' وہ تو زرمینہ کے شادی شدہ ہونے کی اندوہناک خبر سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا مگر نجانے کیا تھا کہ بوجھ ہلکا ہونے کے بجائے مزید بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

☆
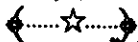
زرمینہ احمر یزدانی کے جانے کے بعد خاموش ہوگئی تھی جب کہ زرتاشہ تو جیسے ایک شاکڈ کی کیفیت میں تھی پھر بے حد خاموشی سے زرمینہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تو پیچھے پیچھے وہ بھی اندر آ گئی' اس نے قصداً زرمینہ سے کوئی بھی بات نہیں کی' زرمینہ بھی جیسے زرتاشہ سے یکسر انجان ہوگئی تھی' صبح دونوں تیار ہو کر یونیورسٹی چلی گئی تھیں' واپسی پر دونوں اپنی اپنی سوچوں میں غرق ہاسٹل کا راستہ طے کر رہی تھیں جب ہی زرمینہ کی مضمحل سی آواز زرتاشہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

"مجھے پتہ ہے تاشو تم مجھ سے بہت ناراض ہو۔" زرتاشہ جو اپنی جون میں آگے بڑھ رہی تھی یک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں مجھ سے ناراض ہونا بھی چاہیے تاشو آخر میں نے تم سے اتنی بڑی بات جو چھپائی۔" وہ مزید گویا ہوئی اور پھر ایک گھنے درخت کے نیچے اطمینان سے بیٹھ گئی۔ زرتاشہ نے چند ثانیے اپنی جگہ کھڑے ہو کر کچھ سوچا پھر تیزی سے اس کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کیا ہے زری' مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا' یہ اچانک تم کسی کی منکوحہ کیسے بن گئیں' کب اور کس سے تمہاری شادی ہوئی؟ زری میں تو تمہاری باتیں سن کر سچ مچ میں چکرا گئی ہوں۔" زرمینہ نے لائٹ اینڈ ڈارک پنک کلر کے کنٹراسٹ کے سوٹ میں الجھی ہوئی سی زرتاشہ کو دیکھا پھر بے پناہ تلخی سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تاشو تمہاری سہیلی کو چار سال پہلے کسی کے ساتھ منتھی کر دیا تھا' میرے تایا کے بیٹے سے میرا نکاح ہوا اور میرے بھائی کی شادی میری تایا کی بیٹی سے ہوئی۔"

"اسی بھابی سے جس کا ابھی کچھ دن پہلے انتقال ہوا ہے؟" زرتاشہ نے بے ساختہ سوال کیا تو زرمینہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں وہ وہی تھیں جانتی ہو زرتاشہ وہ عورت نہیں تھیں وہ تو جوگن بن گئی تھیں اپنی محبت کی نعش کو دیکھ کر اسی لمحے وہ بھی زندہ لاش بن گئی تھیں واہ کیا عشق نبھایا حمیرا بھابی نے محبت کرنا تو کوئی ان سے سیکھے۔" آخر میں وہ بے حد تلخ لہجے میں بولی تو زرتاشہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھے گئی پھر قدرے جھنجلا کر بولی۔

"زری مجھے تو تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی۔ کیا تم سیدھے طریقے سے مجھے کچھ بتاؤ گی۔"

"سیدھا تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے تاشو ہماری زندگیاں تو بھنور میں پھنسی بس الجھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔" وہ ہنوز لہجے میں بولی پھر قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

"حمیرا بھابی میری تایا زاد بہن ہونے کے ساتھ ساتھ میری آئیڈیل بھی تھیں' ان کی ہرنی جیسی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' کتابی چہرہ' خوب صورت تیکھے نقوش اور متناسب سراپے پر گھنے سیاہ بال وہ بے تحاشا حسین تھی تاشو کسی ریاست کی شہزادی کی طرح میں ہر وقت ان سے چپکی رہتی تھی' وہ بھی میرا بے پناہ خیال رکھتی تھیں۔" زرمینہ مسکرا بھی رہی تھی۔ "پھر ایک دن کیا ہوا؟" یک دم زرمینہ کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ "انہیں ایک آسیب نے دبوچ لیا وہ

بری طرح ان کی جان کو چمٹ گیا' کسی خون آشام بلا کی طرح انہیں اندر سے چاٹ گیا تاشو۔"
"آسیب......!" زرتاشہ بھی سے فقط اتنا بولی۔
"ہاں تاشو آسیب' محبت کا آسیب' محبت آسیب ہی تو ہے' جو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی' جیتے جی مار ڈالتی ہے۔" زرمینہ یک دم سسک اٹھی۔
"نہیں زری محبت تو اللہ کا خوب صورت عطیہ ہے' یہ تو نصیب والوں کے حصے میں آتی ہے۔" زرتاشہ نے بے اختیار یہ جملہ ادا کیا اور پھر خود ہی حیران رہ گئی بھلا وہ محبت کی بابت کیا جانتی ہے۔
"نہیں تاشو...... ہم جیسی لڑکیوں کے لیے محبت سزا ہے' ایک عذاب مسلسل ہے' نا ختم ہونے والی وہ آگ ہے جو ہر لمحہ دھیرے دھیرے ہمیں جلاتی اور سلگاتی ہے' نہ زندہ رہنے کے قابل چھوڑتی ہے نہ مرنے دیتی ہے' حمیرا بھابی نے بھی یہ سب جانتے ہوئے اس عذاب کو بڑی خوشی سے اپنے دامن میں بھرلیا اور پھر ان کی محبت روایتوں کی بھینٹ چڑھ گئی' ریحان بھائی ہماری برادری کے نہیں تھے اور پھر ہمارے خاندان میں تو مردوں تک کو محبت کرنے کی اجازت نہیں ہے جبکہ حمیرا بھابی نے ایک لڑکی ہو کر یہ جسارت کرڈالی تھی اور جب کھیتوں سے گزرتے ہوئے ایک اندھی گولی ریحان بھائی کے سر پر لگی تو سب کو یہ بات بخوبی سمجھ میں آ گئی کہ محبت کا انجام کیا ہے؟ حمیرا بھابی جو میرے بھائی کی منگ بھی تھیں' اسی شام ان کا نکاح میرے بھائی سے پڑھا دیا گیا اور حمیرا بھابی کے ذہن نے ہمیشہ کے لیے دنیا سے ناطہ توڑ دیا' انتہائی صدمے کی کیفیت نے ان کا ذہنی توازن خراب کردیا۔"
"اوہ...... میرے اللہ۔ یہ سب کب اور کیسے ہوگیا؟" زرتاشہ نے صدمے کے زیر اثر پوچھا۔
"آج سے سترہ سال پہلے۔"
"کیا......؟" زرتاشہ تو سمجھی تھی کہ چند ہی سال ہوئے ہوں گے' وہ بے حد شاکڈ کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھ کر بولی۔ "کک...... کیا...... مطلب زری سترہ سال پہلے تمہارے بھائی کی شادی ہوئی تھی؟ مگر وہ تو بہت ینگ ہیں اور...... اور اس وقت حمیرا بھابی کی کیا عمر تھی؟" زرتاشہ بری طرح چکرا گئی تھی جب ہی درخت سے پشت لگائے بیٹھی زرمینہ سکون سے بولی۔
"انیس سال۔"
"اور بھائی کی عمر......" وہ ہکلائی۔
"آٹھ سال۔" زرتاشہ نے بے حد ہونق ہو کر اسے دیکھا پھر انتہائی دھڑکتے دل سے سرگوشی کی۔
"تمہارے شوہر کی عمر کتنی ہے؟" نجانے کیوں بھیانک خیال اس کے دل و دماغ میں بڑی تیزی سے چھایا تھا۔
"گیارہ سال۔" اور اس لمحے زرتاشہ کو لگا جیسے کائنات اس کی نگاہوں کے آگے گھومنے لگی ہے' اس نے انتہائی ششدر ہو کر اسے دیکھا پھر بے اختیار اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا' بہت دیر تک وہ کچھ بولنے کے لائق ہی نہیں رہی جبکہ زرمینہ بھی نجانے کن سوچوں میں غلطاں تھی۔

......☆......

فراز شاہ اپنے پاس موجود ڈپلیکیٹ چابی سے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر آیا...... یہ وقت چونکہ ماریہ کے آرام کا ہوتا تھا لہٰذا ڈور بیل بجا کر فراز نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا' اندر داخل ہوتے ہی اسے کسی تبدیلی کا احساس ہوا' سارا گھر شیشے کی مانند چمک رہا تھا جبکہ تھوڑی بہت سیٹنگ میں بھی ردوبدل کی گئی تھی۔ فراز نے پورے اپارٹمنٹ پر ایک توصیفی نگاہ ڈالی پھر سہولت سے اپنے کمرے کی جانب آ گیا' ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کمرا بالکل صاف ستھرا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا۔ فراز فین آن کر کے اپنے جوتے اتار کر انتہائی ریلیکس انداز میں بستر پر لیٹ گیا' ابھی اسے لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ یک لخت اس کے باتھ روم کا دروازہ کھلا اور ماریہ اپنے آپ میں مگن تولیہ اپنے بالوں پر رگڑتی ہوئی باہر آئی' فراز جو بڑے مزے سے بستر پر دراز تھا ماریہ کو انتہائی غیر متوقع طور پر باتھ روم سے نکلتے دیکھ کر تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ماریہ نے جونہی نگاہ اٹھا کر دیکھا بالکل سامنے فراز شاہ کو موجود پا کر بری طرح سٹپٹا گئی۔ فراز شاہ نے اس پل ماریہ کی گھبراہٹ کو بڑی دلچسپی سے دیکھا' پھر بڑی دلکشی سے بولا۔

''تم......'' فراز نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اپنے گیلے بالوں کو ایک ہاتھ سے سمیٹتی ماریہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے' پھر بنا کچھ کہے اس نے بڑی تیزی سے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ فراز نے اس کی پشت کی جانب بے اختیار دیکھا' شہد آگیں گھنے لمبے بال اسے پیچھے سے پوری طرح ڈھانپے ہوئے تھے۔ آج پہلی بار اس نے ماریہ کے بالوں کو دیکھا تھا ورنہ تو وہ ہر وقت انہیں اسکارف میں چھپائے رکھتی تھی' اپنے کمرے میں آ کر ماریہ اپنے بیڈ پر دھپ سے گری اور گہری سانسیں لینے لگی۔ اس کے واش روم کے شاور میں پانی نہیں آ رہا تھا اور یہ بات وہ نجانے فراز سے کیوں نہ کہہ پائی تھی۔

☆

دونوں دوست اس وقت مے نوشی کرتے ہوئے سخت بے زار ہو رہے تھے' اپنی مطلوبہ چیز ابھی تک ان کی دسترس سے دور تھی' اسی بات کی جھنجلاہٹ وہ اس لمحے نکال رہے تھے۔

''ہونہہ وہ سالی تو چوہے کے بل کی طرح یونیورسٹی کے اندر گھسی بیٹھی ہے' آخر اسے کیسے باہر نکالیں' یہ دونوں لڑکیاں تو کہیں شاپنگ مالز وغیرہ میں بھی آتی جاتی نہیں ہیں۔'' ان میں سے ایک لڑکا بے حد بدتمیزی سے بولا جب ہی دوسرے نے کہا۔

''ہونہہ چھوٹے شہر کی لڑکیاں ہیں باہر کی دنیا سے ڈرتی ہیں' میں تو کہتا ہوں کہ اس کو یونیورسٹی سے ہی اٹھوا لو آخر تمہارے ذرائع کس دن کام آئیں گے' بلکہ اگر وہ زرینہ بھی درمیان میں آئے تو اسے بھی اٹھا لو ایک کے ساتھ ایک فری مل جائے گی۔'' آخر میں وہ کمینگی سے ہنسا' جب ہی پہلے والا لڑکا بولا۔

''میرے پاس ذرائع تو بہت ہیں مگر ابھی الیکشن قریب ہیں' اور میرا باپ فی الحال کوئی بھی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا' قسمت بھی جیسے اس لڑکی کا ساتھ دے رہی ہے۔'' اس کے لب و لہجے میں اس پل زرتاشہ کے لیے تنفر ہی تنفر تھا۔

''مجھے تو ہر وقت زرتاشہ ہی نظر آتی ہے' بس ایک بار وہ میرے ہاتھ آ جائے تو......'' دوسرے لڑکے نے جملہ قصداً ادھورا چھوڑا پھر گلاس میں باقی بچا محلول ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔

''ارے تو تو کیا میں خود بھی اس کے لیے بہت بے قرار ہو گیا ہوں' کام میں تمہارے لیے کرنا چاہتا تھا مگر یہاں تو اپنا دل اس ہرنی پر آ گیا۔''

''اچھا تو پھر کیا تم اس سے شادی کرو گے؟'' اس دوسرے لڑکے نے جیسے اس کا مذاق اڑایا۔

''شادی......'' وہ چونک کر بولا پھر اپنے دوست کو شرارت سے دیکھا اور قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔

☆
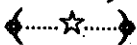
فراز شاہ آفس آیا تو فوراً سمیر شاہ نے اسے اپنے روم میں بلوا لیا' انہوں نے اپنی اور کامیش کی تمام تر گفتگو اس کے گوش گزار کر دی' اسے یہ بھی بتا دیا کہ کامیش تو اولین دن سے فراز کو بے قصور سمجھتا ہے مگر صرف سونیا کے سنگین وار سے

بچانے کے لیے وہ فراز کو یہاں سے بھیجنے پر خاموش تھا اور ابھی تک مصلحتاً چپ ہے تاکہ فراز شاہ مزید کوئی اور نقصان اٹھا نہ سکے' یہ سب سن کر فراز کی آنکھیں ممنونیت سے بھر گئیں' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ڈیڈ کیا واقعی اسے میری بے گناہی پر یقین تھا' وہ مجھے خائن اور بدکردار نہیں سمجھتا؟''

''آف کورس میرے بیٹے...... کامیش کو تمہاری باتوں پر ہمیشہ بھروسہ تھا' اس وقت حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔'' سمیر شاہ مسکراتے ہوئے بولے کہ اسی اثناء میں انٹرکام بج اٹھا۔ انہوں نے اسے پک کیا تو ان کی سیکرٹری نے کامیش شاہ کے آنے کا عندیہ دیا۔

''اوکے...... اسے اندر بھیج دو۔'' سمیر نے ہی کامیش کو اپنے آفس بلایا تھا تاکہ دونوں بھائی مل کر آپس میں اپنے گلے شکوے دور کرلیں' جونہی کامیش اندر داخل ہوا فراز نے رخ موڑ کر پیچھے دیکھا پھر کامیش پر نگاہ پڑتے ہی وہ تیزی سے اٹھا۔

''آئی ایم ویری ویری سوری برادر...... میری وجہ سے تم بہت ہرٹ ہوئے ہو مگر پلیز میرا یقین کرو میرے بھائی اس وقت میں......'' کامیش بڑی محبت سے اسے مخاطب کرکے بولا مگر فراز نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی تیزی سے کہا۔

''کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے کامیش...... میرے لیے تو بس اتنا کافی ہے کہ میرا پیارا چھوٹا بھائی مجھے غلط نہیں سمجھتا' اسے میری بے گناہی پر یقین ہے بس اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔'' جواباً کامیش نے فراز کو بڑی محبت سے دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے' جبکہ سمیر شاہ نے اس منظر کو بے پناہ مسرت آمیز نگاہوں سے دیکھا' پھر تینوں باپ بیٹوں نے کافی پینے کے ساتھ ڈھیروں باتیں کیں' جب ہی سمیر شاہ کے ذہن میں ایک خیال آیا تو وہ کامیش سے استفسار کرتے ہوئے بولے۔

''کامیش بیٹا جب آپ کو فراز کی سچائی کا علم تھا تو آپ نے فراز اور مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔'' کامیش نے سمیر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''ڈیڈ وہ وقت مجھے کچھ مناسب نہیں لگا تھا' پھر میں خود بھی بہت سی الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا' میں نے سوچا صحیح موقع آنے پر آپ دونوں کو بتادوں گا۔'' جواباً فراز سمجھنے والے انداز میں مسکرا کر سر ہلا گیا تھا۔

☆

زرینہ رات کے اس پہر گہری نیند سو رہی تھی مگر زرتاشہ کی آنکھوں سے اس پل نیند بالکل مفقود تھی' آج دوپہر زرینہ کے منہ سے اتنے ڈھیر سارے انکشافات سن کر اس کی نیند اور سکون جیسے بالکل ہی رخصت ہوگیا تھا' کتنا درد کتنی اذیت تھی اس پل زرینہ کی آواز میں' جب بے حد بکھرے لہجے میں اس نے بتایا تھا۔

''تاشو تایا کے بیٹے سالک سے جب میرا نکاح ہوا تھا تو وہ صرف سات برس کا تھا' صدیوں سے قائم بوسیدہ روایتوں کا طوق میرے گلے میں بھی ڈال دیا گیا جس طرح بھائی' حمیرا بھابی اور آنی کچھ نہیں کرسکے' میں بھی کچھ نہیں بول سکی' حالانکہ میرا دل چیخ چیخ کر رو رہا تھا دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا میرے بھی کچھ خواب تھے' آرزوئیں تھیں مگر ہم لوگوں کو بھلا خواب دیکھنے کی اجازت ہی کہاں تھی' جنہیں ہم زندہ رکھنے کی بات کرتے تاشو...... تایا نے حمیرا بھابی کا بہت علاج کروایا اب مگر محبت کے روگ کا کوئی علاج بھی ہوسکتا ہے؟ بھائی نے جب شعور کی منزل پر قدم رکھا تو تایا نے بھابی کو ان کے ساتھ رخصت کردیا' بھائی ایک نیم پاگل عورت کو خود سے منتظر ہوتا دیکھ کر بھونچکاں سے رہ گئے' مگر زبان سے ایک لفظ بھی بولنے کی جسارت نہیں کی' میرے کم عمر بھائی نے ایک پختہ عمر کی ذہنی بیمار عورت کا ہر طرح سے

خیال رکھنے کی کوشش کی مگر ان کا مرض انہیں آہستہ آہستہ گھن کی طرح کھاتا رہا تھا۔" جب ہی زرتاشہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بے حد دلگرفتگی سے کہا تھا۔

"زری میری دوست خود کو سنبھالو۔" زرمینہ پھر بہت دیر بعد دوبارہ گویا ہوئی تھی۔

"بھائی کی تھوڑی سی غفلت پر بھابی نے چھری اپنی کلائی پر پھیر لی تھی جس پر تایا اور تائی غصے میں بھابی کو اپنے ساتھ لے گئے تھے' وہ تقریباً ایک سال سے اپنے والدین کے گھر پر تھیں اور اس دن اسی دیوانگی کے عالم میں وہ چھت سے گر گئیں اور دنیا کے اس قید خانے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہوگئیں۔" وہ تمام روداد سنا کر خاموش ہوگئی تھی جب ہی بہت دیر بعد زرتاشہ نے بے قرار ہوکر اس سے استفسار کیا تھا۔

"اور زری تمہارا کیا ہوگا کیا تم بھی یونہی چپ چاپ اس گیارہ سالہ بچے کے ساتھ رخصت ہو جاؤ گی۔" جواباً زرمینہ نے جن خاموش لبوں اور بولتی نگاہوں سے زرتاشہ کو دیکھا تھا اس کی نظروں سے وہ لرز گئی تھی۔ زرتاشا انتہائی بے چین سی ہوکر اس لمحے اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی اور بے ساختہ گردن موڑ کر زرمینہ کی طرف دیکھا جس کا چہرہ مدھم سی لیمپ کی سنہری روشنی میں بے حد معصوم لگ رہا تھا' وہ چند ثانیے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی' پھر خود سے بولی۔

"نہیں زری تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے' زندگی کی خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے' میری بہن میں تمہارے اوپر یہ ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی زری..... یا اللہ میں اپنی سہیلی کے لیے ایسا کیا کروں کہ وہ ان اندھی روایتوں کی سولی پر چڑھنے سے بچ جائے۔" خود سے کہتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال در آیا تو وہ زور سے اچھل پڑی۔

"احمریز دانی..... کیا احمر زرمینہ کو نجات دلا سکتا ہے؟" اس نے حیران ہوکر خود سے ہی سوال کیا؟

☆
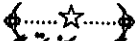
مہرو کے بیان کو مدنظر رکھ کر پولیس ملک دلاور کے گھر جا پہنچی تھی مگر داور حبیب وہاں موجود نہیں تھا ملک دلاور کے استفسار پر جب ایس ایچ او نے مہرو کا لگایا پُرسنگین الزام بتایا تو ملک دلاور ششدر سا کھڑا انسپکٹر صاحب کی شکل دیکھتا رہ گیا' ملک دلاور کی نیک نامی اور شرافت پوری وادی میں پھیلی ہوئی تھی' وہاں رہنے والے تمام لوگ ملک دلاور کی دل سے عزت و توقیر کیا کرتے تھے' مہرو کے الزامات سن کر اسے اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی' یہ خبر پوری وادی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ مہرو پولیس والوں کو زندہ سلامت مل گئی ہے اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا ہے کہ داور حبیب نے بٹو کی جان لینے کے ساتھ مہرو پر دست درازی کرنے کی بھی کوشش کی تھی پولیس ملک دلاور سے داور کے تمام دوستوں کا پتہ معلوم کرکے وہاں سے جا چکی تھی جبکہ ملک دلاور حبیب ہارے ہوئے جواری کی مانند اب تک شاکڈ کی حالت میں بیٹھا تھا اسے آج تک اپنے بیٹے کے کرتوتوں کا ذرا بھی علم نہیں ہوسکا تھا' وادی کے لوگ بڑی عجیب نظروں سے ملک دلاور کو دیکھ رہے تھے جس کے بیٹے نے آج اس کا سر ندامت و شرمندگی سے جھکا دیا تھا' مہرو اس وقت دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی جبکہ امی اس کے قریب کرسی پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غلطاں تھیں' لالہ رخ جب ڈاکٹر سے مہرو کی کنڈیشن کے حوالے سے بات کرکے واپس کمرے میں آئی تو امی کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر استفہامیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"امی کیا بات ہے آپ مجھے کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں سب ٹھیک تو ہے ناں؟" امی نے لالہ رخ کو چونک کر دیکھا جو براؤن رنگ کے سادے سے شلوار قمیص میں کالی رنگ کی چادر اوڑھے بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھیں پھر انہوں نے گردن موڑتے ہوئے مہرو کو دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔

"لالہ میں مہرو کے بارے میں سوچ رہی ہوں وادی میں تو اب تک اس بات کی سب کو خبر ہوچکی ہوگی کہ مہرو کے

ساتھ کیا سانحہ رونما ہوا ہے‘ تم جانتی ہوناں بیٹا عورت کی عزت آبگینے سے بھی زیادہ نازک اور حساس ہوتی ہے وہاں لوگ یقیناً مہرو کے متعلق بہت الٹی سیدھی باتیں بنارہے ہوں گے اب اگر ہم واپس وہاں جائیں گے تو وہ لوگ مہرو کا جینا دوبھر کردیں گے۔“ امی کی بات سن کر لالہ رخ نے بے حد الجھ کر ماں کو دیکھا پھر کچھ دیر سوچ کر وہ بھی متفکرانہ لہجے میں بولی۔

”یہ بات تو آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں امی مرد چاہے کتنا ہی سنگین جرم کر ڈالے مگر اس کی سزا بھی بے قصور عورت کو ہی ملتی ہے‘ وادی کے لوگ تو اپنے لفظوں کی سنگ باری سے مہرو کو لہولہان کر ڈالیں گے۔“ لالہ رخ اسی اثناء میں امی کے قریب بیٹھ چکی تھی‘ پھر قدرے توقف کے بعد وہ پُرسوچ لہجے میں بولی۔

”مگر امی ہم اپنے گھر نہیں جائیں گے تو پھر کہاں جائیں گے‘ وادی میں میری جاب ہے‘ ہمارا گھر ہے اور پھر ابا بھی تو وہاں ہیں۔“ آخری جملہ دکھ کے پردے میں لپٹا ہوا تھا‘ امی نے اسے بغور دیکھا پھر گہرا سانس بھر کر بولیں۔

”تمہاری بات ٹھیک ہے لالہ مگر میں مہرو کو ایسے لوگوں کے بیچ لے جانے کے حق میں نہیں ہوں جو اپنی تحقیرانہ نگاہوں اور طنزیہ جملوں سے اس کا کلیجہ چھلنی کردیں ویسے بھی مہرو اتنے بڑے حادثے سے گزر کر بمشکل زندہ بچی ہے۔“

”تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے امی‘ کیا ہم کسی اور شہر جاکر بس جائیں۔“ لالہ رخ سنجیدگی سے استفہامیہ لہجے میں بولی تو امی نے سر ہلا کر کہا۔

”ہاں لالہ میں سوچ رہی ہوں کہ ہم کراچی چلے جائیں تاکہ مہرو لوگوں کی نگاہوں اور زبانوں سے محفوظ رہے۔“ لالہ رخ نے امی کی بات پر انہیں بے پناہ چونک کر دیکھا۔

☆
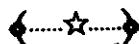
مسٹر ایڈم خاموشی سے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے کچھ سوچ بھی رہے تھے‘ جب ہی ابرام اپنی چابی سے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا‘ مسٹر ایڈم اس پل اپنے دھیان سے چونک کر اسے دیکھنے لگے‘ ابرام انہیں ہیلو کہہ کر اپنے کمرے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ عقب سے مسٹر ایڈم کی آواز پر وہ بے اختیار اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

”مسٹر ابرام کیا آپ مجھے دس منٹ دے سکتے ہیں؟“ ابرام دھیرے سے پلٹا پھر ان کے مقابل رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے مسٹر ایڈم۔“ ان دونوں کا آپس میں تعلق بہت عجیب سا تھا‘ وہ دونوں ہمیشہ ہی ناپ تول کر بڑے محتاط انداز میں بات کیا کرتے تھے۔ مسٹر ایڈم نے خالی مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھا پھر کچھ لمحے ابرام کا چہرہ بغور دیکھنے کے بعد گویا ہوئے۔

”آج جیکولین کے پاس مسٹر پال آئے تھے۔“ یک لخت ابرام انہیں الجھ کر دیکھنے لگا پھر بڑے اضطراری لہجے میں بولا۔

”کیا کہہ رہے تھے وہ مام سے؟ کیا انہیں ماریہ کا پتہ چل گیا کہ وہ کہاں ہے؟“ مسٹر ایڈم نے ایک پل ابرام کے متفکرانہ چہرے کی طرف دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

”ماریہ کا تو فی الحال پتہ نہیں چلا البتہ جیسکا کی ڈیتھ کی خبر نے آپ کی مام کو کافی اپ سیٹ کردیا ہے۔“ ابرام بے ساختہ ایک بوجھل سا سانس بھر کر رہ گیا۔

”مسٹر پال کسی ضروری کام کے لیے کچھ دنوں کے لیے جرمنی جارہے ہیں میں چاہتا ہوں مسٹر ابرام کہ......“

سرپال کے جرمنی جانے کی خبر ابرام کے لیے خاص تھی مگر مسٹر ایڈم مزید کیا کہنا چاہتے تھے وہ اسے معلوم نہیں تھا لہٰذا پوری توجہ سے وہ انہیں دیکھنے لگا جو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

”میں سن رہا ہوں مسٹر ایڈم بولیے کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ۔“

”آپ میری ایک بار ماریہ سے بات کروا دیجیے۔“ ابرام نے بے حد حیرت سے اس بے حس اور خود غرض باپ کو دیکھا جس نے آج تک اپنی بیٹی کی کبھی پروا نہیں کی تھی۔

”اوہ تو آپ کو لگتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ ماریہ کہاں ہے؟ میرے خیال میں مسٹر ایڈم ماریہ اس دنیا میں رہے یا نہ رہے آپ کو تو فرق نہیں پڑنا چاہیے بس آپ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیے کہ ماریہ اب ہمیشہ کے لیے ہماری زندگیوں سے جا چکی ہے۔“ پھر ابرام تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

......☆......
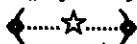
زرمینہ نے اسے انتہائی اچنبھے سے دیکھا جو اتنی انہونی بات کر کے اب اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زرمینہ نے ایک بار پھر اسے بغور دیکھا اور دوسرے ہی پل وہ اس کا کندھا اپنے ہاتھ سے ہلاتے ہوئے بولی۔

”میڈم زرتاشہ یہ بات آپ کسی خواب کے زیر اثر کہہ رہی ہیں یا پھر آپ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔“ آخر جملہ اس نے دانت پیس کر ادا کیا جس پر زرتاشہ جھنجلا کر بولی۔

”افوہ زری میں یہ بات اپنے پورے ہوش وحواس میں کہہ رہی ہوں۔“ زرمینہ نے اسے لمحہ بھر کو دیکھا پھر یک دم ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی زرتاشہ نے اسے انتہائی بے مزہ ہو کر دیکھا جو اب اپنی ہنسی کے دوران اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بول رہی تھی۔

”ارے واہ بھئی...... واہ ہماری ڈرپوک سہمی ہوئی تاشو بی بی اب اچانک رضیہ سلطانہ اور پھولن دیوی بننے کا ارادہ رکھتی ہیں ہاہاہا۔“ زرتاشہ خجل سی ہو کر اسے ڈانٹتے ہوئے گویا ہوئی۔

”زری کی بچی بکواس بند کرواپنی میں بالکل سیریس ہو کر یہ بات کہہ رہی ہوں آخر تم کیوں اپنی زندگی کو اس نابالغ بچے کے ساتھ شادی کر کے داؤ پر لگانے چلی ہو؟“ زوردار شور سے ہنستی زرمینہ یک دم خاموش ہوئی پھر بڑی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد مہری سے بولی۔

”تم مجھے دوسری حمیرا بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”اللہ نہ کرے زری۔“ زرتاشہ بے ساختہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”تم کبھی بھی دوسری حمیرا نہیں بنوگی زری زندگی پر تمہارا جو حق ہے وہ تمہیں ضرور ملے گا میری پیاری بہنا تمہیں تمہاری تمام خوشیاں ملیں گی۔“

”اچھا تو کیا وہ حق تم مجھے دلاؤ گی؟“ زرمینہ کے لہجے میں اس پل طنز کے ساتھ تمسخر بھی تھا۔

”میں......“ زرتاشہ خود سے بولی پھر قدرے توقف کے بعد کچھ سوچ کر بولی۔ ”ہم سب مل کر...... تمہارے لیے کوشش کریں گے میں لالہ مہرو فراز بھائی اور......“ اتنا کہہ کر یک دم اس نے اپنی زبان کو بریک لگائے زرمینہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”اور کون؟“ زرتاشہ نے فوراً سے پیشتر خود کو سنبھال کر کہا۔

”اور ہم سب......“ شکر تھا کہ اس کی زبان سے احمر یزدانی کا نام نہیں پھسلا تھا، زرمینہ نے ایک لمحے کے لیے زرتاشہ کو دیکھا پھر تھکن آمیز لہجے میں بولی۔

”تم بہت بھولی ہو تاشو [illegible] سے میری جان [illegible] جس کسی سے [illegible]

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ٹکرانے کی کوشش کی وہ خود ہی پاش پاش ہوگیا تاشو۔“ زرتاشہ نے اسے انتہائی دکھ سے دیکھا تھا۔

☆
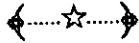
اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے
کون ہوگا جو مجھے اس کی طرح یاد کرے
اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں
روز ایک موت نئے طرز کی ایجاد کرے
اس کی مٹھی میں بہت روز رہا میرا وجود
میرے ساحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے

عنایہ کچھ ہی دنوں بعد باسل حیات سے کمیٹڈ ہونے والی تھی‘ وہ ایک صاف دل کی سچی اور کھری لڑکی تھی۔ عنایہ کے والد عنایہ کا رشتہ باسل کے ساتھ طے ہوجانے پر بہت خوش اور مطمئن تھے کیونکہ باسل حیات ہینڈسم پرسنیلٹی کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب بزنس مین کا اکلوتا چشم و چراغ بھی تھا‘ جس کا فیوچر بھی بہت برائٹ تھا‘ عنایہ کو باسل حیات کے اندر انفرادیت نظر آئی تھی‘ جب ہی وہ خود باسل کی طرف دوستی کی غرض سے آگے بڑھی تھی حالانکہ وہ یہ بات پہلے ہی بھانپ گئی تھی کہ باسل اس کے ساتھ دوستی کرنے پر آمادہ نہیں مگر پھر بھی اس کی جانب بڑھتی چلی گئی‘ گو کہ اس کے دل کے تار کسی اور سے جڑے ہوئے تھے‘ جنہیں لاکھ کوششوں کے بعد بھی وہ توڑ نہیں سکی تھی‘ باسل ایک مکمل انسان تھا وہ اس کا ہاتھ تھام کر زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی تھی مگر نجانے کیوں اس کے دل کی بھرپور آمادگی نہیں تھی‘ وہ رشتوں میں جھوٹ و فریب کی قائل نہیں تھی جب ہی اس نے باسل کو آج انوائیٹ کیا تھا۔ عنایہ اور باسل کینڈل لائٹ ڈنر کے دوران اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے جب ہی وہ اپنا کھانا ختم کرتے ہوئے نیپکن سے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں کو صاف کرتے ہوئے یک دم سنجیدگی سے باسل کی جانب دیکھ کر بولی۔

”باسل مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی اسی وجہ سے میں نے تمہیں آج یہاں بلایا ہے۔“ سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے ہوئے باسل نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ عنایہ دانش بلیک رنگ کے چست پاجامے اور شارٹ پرپل رنگ کی کرتی میں گلے میں اسکارف ڈالے عام دنوں سے مختلف دکھائی دی‘ اس پل ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے حلیے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہو ورنہ تو وہ ہمیشہ کافی توجہ سے تیار ہوتی تھی‘ بالوں کی حسب معمول اونچی سی پونی بنائے اس وقت اس کی آنکھوں کی مخصوص چمک اور شوخی بھی بالکل مفقود تھی‘ وہ عنایہ کے اس انداز کو صاف محسوس کرگیا تھا مگر قصداً خاموش رہا تھا‘ اس لمحے عنایہ ٹیبل پر رکھے انتہائی دلکش اور منفرد سے کینڈل اسٹینڈ پر رکھی موم بتیوں کی لوؤں کو تھر کتا دیکھ رہی تھی جو آہستہ آہستہ موم کو پگھلائے دے رہی تھیں۔

”ان کینڈلز کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو عنایہ؟“ باسل کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا تو عنایہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر جیسے سینے میں دبی سانس بحال کرتے ہوئے بے پناہ سنجیدگی بھرے لہجے میں بولی۔

”بس یہی دیکھ رہی ہوں باسل کہ جس طرح یہ آگ کا شعلہ آہستہ آہستہ اس موم کو پگھلا رہا ہے بالکل اسی طرح دل کے درد و غم انسان کو پگھلا کر اسے مردہ کردیتے۔“ عنایہ کی بات پر باسل نے اسے کافی اچھنبے سے دیکھا پھر تھوڑا سا ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے عنایہ‘ اتنی بھاری بھرکم باتیں تم جیسی نازک اندام لڑکی کے منہ سے سن کر مجھے تو چکر آنے لگے ہیں۔“ جب ہی عنایہ اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے گویا ہوئی۔

''باسل تمہیں یاد ہے میں نے تم سے ایک بار پوچھا تھا کہ کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے۔'' باسل کا مسکراتا چہرہ یک دم تاریک سا پڑ گیا' اس نے بے ساختہ عنایہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''میں نے تمہیں اپنے دل کا بتایا تھا ناں باسل...... وہ سچ میں میرا دل تھا' جب مجھ سے بچھڑا تو میرے وجود سے بھی دھڑکن لے کر چلتا بنا میں نے اس بے وفا ستم گر کو بھلانے کی بہت کوشش کی مگر......'' وہ کچھ پل کے لیے ٹھہری پھر ایک اذیت محسوس کر کے دوبارہ گویا ہوئی۔ ''مگر اس کی یادیں میرا پیچھا چھوڑتی ہی نہیں۔'' باسل بے پناہ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا' محبت نے اپنے ریشمی جال میں کس طرح سے ان سب کو اپنا قیدی بنالیا تھا باسل یہ سب محض سوچ کر رہ گیا پھر چند ثانیے بعد وہ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کون تھا وہ......؟''

''وہ پاپا سے ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں ملا تھا' میری اس سے ملاقات کسی بزنس ڈنر میں ہی ہوئی تھی' وہ بظاہر چھ فٹ کا اونچا اور مضبوط مرد اندر سے انتہائی کمزور اور مجبور تھا۔'' آخری جملہ عنایہ نے بے حد استہزائیہ انداز میں ادا کیا' پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ ''خاندانی رسموں و رواجوں میں جکڑا ایک لاچار انسان...... شاہ دل نے جب مجھے یہ حقیقت بتائی کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور اپنے خاندان کی روایات کے خلاف وہ علم بغاوت بلند نہیں کر سکتا' اس وقت تک میں اس کی محبت میں کافی آگے نکل گئی تھی۔'' کہتے ہوئے عنایہ یک دم خاموش ہوگئی' پھر باسل کی جانب دیکھتے ہوئے خود اعتمادی سے بولی۔ ''پھر میں نے اسے چھوڑ دیا' اس سے ہر ناطہ توڑ لیا' ایک کمزور اور بے بس شخص کی آرزو میرے دل نے کبھی نہیں کی تھی باسل مگر......!'' وہ یک لخت ٹھہری پھر گہری سانس بھر کر بولی۔ ''مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میں اس جفا کار کی یادوں کو اپنے دل سے نکال نہیں سکی۔'' باسل کو عنایہ کی صاف گوئی بہت پسند آئی' دوسری لڑکیوں کی طرح اس نے اپنے جذبات کو پوشیدہ رکھ کر کم سے کم اس سے منافقت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' اس لمحے دونوں بالکل خاموش بیٹھے اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں غلطاں تھے پھر کافی دیر بعد باسل دھیرے سے فقط اتنا ہی بولا۔

''اب......'' عنایہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر مضمحل سے انداز میں اس سے سوال کرتے ہوئے بولی۔

''کیا تم اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہو گے؟''

''کیا تم مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو؟'' وہ دو بدو بولا' عنایہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی پھر کچھ دیر بعد گہری سنجیدگی سے اپنا پرس ٹیبل پر سے اٹھاتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے کافی دیر ہوگئی ہے۔'' باسل نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر ویٹر کو اشارہ کر کے بل لانے کی غرض سے اپنے پاس بلایا۔

☆
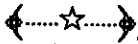
جیکولین کی طبیعت اب کافی حد تک سنبھل گئی تھی' اس نے پھر سے اپنی ذات پر گہری سنجیدگی اور سرد مہری کا خول چڑھا لیا تھا' اسے ایڈم کی آمد بھی بالکل پسند نہیں آئی تھی' ابرام دیکھ رہا تھا کہ مسٹر ایڈم حیلے بہانے سے جیکولین کو مخاطب کرنے کی کوشش کرتے مگر جیکولین انہیں یکسر نظر انداز کر دیتی تھی کل سے وہ دوبارہ اپنے کام پر جانے کے لیے تیار تھی جب ہی ابرام کھانے کی ٹیبل پر جیکولین سے سہولت سے بولا۔

''مام ابھی تو آپ بیماری سے اٹھی ہیں کچھ دن اور آرام کر لیتیں۔'' ابرام کی بات پر جیکولین نے لحظہ بھر اسے دیکھا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

''نہیں ابرام اب میں بہت بہتر ہوں اور کام تو میں مرتے وقت تک کرتی رہوں گی' اگر میں نے کام چھوڑ دیا تو

شاید میری سانسیں بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں۔" ابرام محض ماں کی صورت دیکھ کر رہ گیا' جیکولین نے سرپال سے بھی ملاقات کی اور اسے واضح لفظوں میں یہ باور کرادیا تھا کہ اب ان لوگوں کا ماریہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے بندوں کے ذریعے ہمارے ایارٹمنٹ کی جاسوسی کرنا چھوڑ دے اور فون ٹیپ کرنا بھی بند کردے وگرنہ وہ ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے گی' جیکولین کو جھتے سے اکھڑتا دیکھ کر سرپال ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے جیکولین تم جیسا چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا ہم صرف اس خیال سے تمہارے گھر کی نگرانی کررہے تھے کہ ماریہ تم لوگوں سے رابطہ کرے تو ہمیں فوراً معلوم ہوجائے ورنہ تمہاری نیت پر ہمیں کوئی شک نہیں' تم یقیناً ہمارا ہی ساتھ دو گی۔" سرپال شستہ انگریزی میں بولے تھے۔

☆

لالہ رخ نے وادی میں چاچا نواز الدین کو فون کرکے وہاں کے حالات کی بابت معلوم کرنا چاہا مگر چاچا نواز نے اسے جو کچھ بتایا وہ اس کے پیروں تلے زمین نکالنے کے مترادف ثابت ہوا' وہ بری طرح پریشان ہوگئی' انہوں نے بتایا کہ وادی میں سب ہی مہرو کی ذات کو معتوب ٹھہرا رہے ہیں' انہیں غالباً داور حبیب جیسے درندے سے زیادہ مہرو کا کردار مشکوک لگ رہا ہے' جو یوں صبح بارش میں تنہا نجانے کس نیت سے چوٹی پر پہنچی تھی' جب کہ بٹو کی ماں بھی مہرو کو ہی کوس رہی ہے' جس کی وجہ سے بٹو کی جان گئی اور تو اور تھوڑی بہت کسر جو باقی رہ گئی تھی وہ وہاں اچانک مومن جان کے پہنچنے سے پوری ہوگئی تھی' تمام واقعہ سننے کے بعد بجائے مہرو کے لیے ہمدردی اور فکر پیدا ہونے کے اس نے دل بھر کر اس کے خلاف زہر اگلا تھا' اس نے ساری وادی کو بتادیا تھا کہ مہرو اس کی اولاد ہی نہیں ہے نجانے کس کے گناہ کا بھگتان ہے جسے اس کی بانجھ بیوی نے اپنے سینے سے لگالیا تھا' یہ حقیقت جان کر سب ہی بے حد حیران ہوئے تھے اور مہرو کی ذات کو اور زیادہ رگیدڈالا تھا' یہاں کے لوگ اس حقیقت سے اس وجہ سے لاعلم تھے کیونکہ مہرو اور لالہ رخ کے والدین پہلے مری کے ابتدائی علاقے میں جنوبی نشیب کی طرف نئی آبادی میں مقیم تھے پھر پندرہ سال پہلے وہ لوگ یہ علاقہ چھوڑ کر مری کی آخری حدود پر آباد بالائی جانب موجود اس گاؤں میں آبسے تھے اور یہیں کے ہوکر رہ گئے تھے یہ سب سن کر تو لالہ رخ کافی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکی' جب ہی دوسری طرف گہری خاموشی محسوس کرکے چاچا نواز بولے۔

"لالہ دھی تو سن رہی ہے ناں۔" اس لمحے چاچا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ بے اختیار چونکی' پھر سرعت سے خود کو سنبھال کر متفکرانہ لہجے میں بولی۔

"مگر چاچا اب ہم لوگ جائیں گے کہاں......؟ مہرو ان شاء اللہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوجائے گی تو ہم واپس اپنی وادی میں تو آئیں گے ناں۔" امی کے تمام واہمے و خدشات اس وقت حقیقت کا روپ دھارے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"دھیے تیرا کہنا بھی ٹھیک ہے یہاں تم لوگوں کا گھربار ہے مگر......" وہ تھوڑا ہچکچائے پھر سہولت سے کہنے لگے۔ "لالہ دھی میں تو تجھے یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ تو اپنی ماں اور مہرو کو واپس یہاں لائے پتر زبان کا وار اتنا کاٹ دار ہوتا ہے کہ اس کا گھاؤ بھرے نہیں بھرتا' یہاں کے لوگ مہرو دھی کے ساتھ ساتھ تم لوگوں کا جینا بھی دوبھر کردیں گے۔"

"مگر ہم تین عورتیں بھلا اکیلی کہاں جائیں چاچا اور پھر میرے ابا بھی تو وہاں پر ہیں۔" آخر میں اس کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔ چاچا نواز جیسے خداترس اور نرم دل انسان کی آنکھوں میں نمی چھلک اٹھی تھی۔

"تیرا یہ چاچا بڑا لاچار ہے دھیے' میں تم لوگوں کے لیے فقط دعا ہی کرسکتا ہوں رب سوہنا تم لوگوں کا بھلا کرے۔" لالہ رخ نے چند ثانیے کے لیے کچھ سوچا پھر دوسرے ہی لمحے اس کے اندر سے وہی مضبوط اور بہادر لالہ رخ باہر نکل آئی

جس نے ہر مشکل وقت کا سامنا بڑے ڈٹ کر کیا تھا۔

"ٹھیک ہے چاچا ہم وہاں واپس نہیں آئیں گے البتہ میں ایک بار تو ضرور آؤں گی اچھا چاچا آپ ایک کام کر دیں گے؟"

"ہاں ہاں بول دھیے کیا کام ہے؟" وہ جلدی سے بولے۔

"چاچا ابا کی وہ چھوٹی سی دکان اور ہمارے مکان کو بیچنے کا بندوبست کر دیں اگر آپ کوئی خریدار ڈھونڈ دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔" جب ہی چاچا نواز ہنوز تیزی سے گویا ہوئے۔

"کیوں نہیں دھیے وہ بھائی قادر کا پوتا ہے ناطلحہ وہ اسی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے میں آج ہی یہ بات اس کے کان میں ڈالتا ہوں۔" پھر لالہ رخ نے اللہ حافظ کہہ کر لائن منقطع کر دی تھی۔

◆......☆......◆
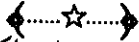
زرتاشہ ایک بار پھر زرمینہ سے بحث کر رہی تھی مگر اس کا حاصل پہلے کی طرح صفر ہی رہا تھا زرمینہ تو جیسے کانوں میں روئی ڈال کر بیٹھی تھی اور ناول پڑھنے میں مصروف رہی۔ زرتاشہ نے انتہائی کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھا پھر چند ثانیے بعد تپ کر بولی۔

"زری میں دیواروں سے نہیں تم سے بات کر رہی ہوں۔" زری نے زرتاشہ کی جانب اس لمحے کوئی توجہ نہیں دی وہ ہنوز ناول میں مگن بیٹھی رہی جب ہی وہ بے پناہ غصے میں اس کے قریب جا کر کھڑی ہوئی اور ناول اس کے ہاتھوں سے چھین کر بستر پر پٹخ دیا۔

"اوفو کیا ہے تاشو اتنا مزے دار سین چل رہا تھا۔" پھر اسے قدرے چونک کر دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ "یہ تم کیوں سلطان راہی کی طرح میرے سر پر کھڑی مجھے گھور رہی ہو؟" زرتاشہ نے کچھ دیر اسے اسی پوزیشن میں کھڑے ہو کر دیکھا پھر ایک گہرا سانس بھر کر دھپ سے اپنے بستر پر بیٹھ کر ہارے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

"زری تم نے میری کوئی بھی بات نہ سننے کی گویا قسم کھالی ہے ناں۔" زرمینہ نے اسے رخ موڑ کر دیکھا پھر بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"تم مجھے انتہائی مشکلات میں دھکیلنے کا سامان کر رہی ہو تاشو۔" جب ہی وہ جوش سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"احمر یزدانی مشکلات سے مقابلہ خود کر لے گا زری بس ایک بار تم ہاں تو کہو۔" زرمینہ نے انتہائی ششدر ہو کر اسے دیکھا۔

"ت......تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو تاشو؟ یہ سب کچھ شاید تمہیں کوئی تھرل لگ رہا ہو مگر یہ صرف موت کا کھیل ہے صرف اور صرف تباہی و بربادی ہے سمجھیں۔" زرمینہ کی بات پر زرتاشہ کا دل بھی جیسے کانپ اٹھا تھا مگر دوسرے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر خود اعتمادی سے بولی۔

"زری اللہ بھی انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں تم ہمت تو کرو۔" جواباً زرمینہ نے باقاعدہ اپنا سر پیٹ لیا۔

"او خدایا میں اس عقل کی دشمن لڑکی کا کیا کروں؟" اس لمحے زرمینہ کے لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔

◆......☆......◆
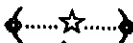
باسل نے عنایہ کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو احمر یزدانی کے سامنے رکھ دی جسے سن کر وہ کسی گہری سوچ میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

غلطاں ہوگیا' آج اتفاق سے عدیل یونیورسٹی نہیں آیا تھا وہ دونوں کلاس لے کر فری پیریڈ میں کینٹین چلے آئے تھے جب ہی احمر نے اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس کرکے اس سے استفسار کیا تو باسل نے اسے سب کچھ بتا دیا' احمر اور باسل کے درمیان وقت کے ساتھ ساتھ دوستی گہری ہوتی چلی گئی تھی' باسل جو پہلے کوئی بھی بات کسی سے شیئر نہیں کرتا تھا اب وہ احمر سے ہر بات کرنے لگا تھا اور اس میں ہاتھ احمر کی اپنائیت اور خلوص کا تھا وہ بہت دیر بعد ہنکارہ بھر کر بولا۔

''اس نقطے پر تو تم دونوں کی کنڈیشن بالکل ایک جیسی ہے باسل' اس کے دل میں بھی کوئی اور ہے اور تمہاری چاہت اور تمنا بھی وہ نہیں۔'' جس پر باسل فوراً ناراضی سے بولا۔

''وہ میری چاہت اور تمنا نہیں ہے۔''

''اچھا صرف محبت ہے۔'' احمر نے بمشکل اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ دبا کر پوچھا تو باسل انتہائی جزبز ہوکر بولا۔

''احمر میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم عورتوں کی طرح مجھے طعنے دینا شروع کردو۔'' جواباً احمر نے زوردار قہقہہ لگایا پھر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''ارے میرے دوست ہم جس سے محبت کرتے ہیں ناں ہمارا دل اسی کی چاہت کی تمنا کرتا ہے' صرف وہی ہمیں دنیا کی ہر شے سے پیارا ہوجاتا ہے۔'' باسل حیات نے اسے کافی بے زاری سے دیکھا تو احمر یزدانی یک دم زور سے ہنس دیا پھر دوسرے ہی لمحے خود پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے استفہامیہ انداز میں گویا ہوا۔

''اچھا اب مجھے اس بات کا جواب پوری ایمان داری سے دو کہ کیا تم عنایہ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' باسل کا سر بے اختیار نفی میں ہلا تو احمر ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''باسل جن رشتوں کو جوڑنے میں ہمارے دل کی آمادگی اور چاہت نہیں ہوتی جانتے ہو ان کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ ایک ناگوار بوجھ کی طرح ہمارے سروں پر مسلط ہوجاتے ہیں جنہیں نہ ہم آسانی سے اٹھا کر زمین پر پھینک سکتے ہیں نہ ہی ساتھ لے کر چل سکتے ہیں۔'' باسل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا احمر چند لمحے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''باسل شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں' میرے یار ساری زندگی کا سودا ہے' صرف اپنی مام کی پسند کی خاطر تم خود کو یوں قربان مت کرو۔''

''احمر تم تو جانتے ہو کہ آج کل مام کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ میری اور عنایہ کی منگنی کو لے کر بہت ایکسائیٹڈ ہیں اور پھر ڈاکٹر نے بھی انہیں اسٹریس سے دور رکھنے کا کہا ہے ایسی کنڈیشن میں کیسے یہ بات کروں یار۔'' باسل بالآخر اپنی مجبوری بتاتے ہوئے انتہائی لاچاری سے بولا تو احمر اس کی بات سن کر کچھ سوچنے لگا پھر کچھ ہی دیر بعد خوشی سے بولا۔

''اس پرابلم کا حل مل گیا میرے دوست...... اگر عنایہ کو تم اعتماد میں لے لو تو وہ کسی بات کا بہانہ بنا کر آنٹی کو فی الحال یہ منگنی ملتوی کرنے پر راضی کرسکتی ہے۔'' احمر کی بات میں وزن تو تھا مگر باسل کچھ تذبذب کا شکار رہا۔

''مگر احمر کیا عنایہ میرے کہنے سے یہ سب کرنے پر رضا مند ہوجائے گی؟''

''وہ بھلا کیوں نہیں راضی ہوگی اسے بھی تو کسی اور شخص سے محبت ہے۔'' احمر تیزی سے بولا۔

''ہاں مگر......''

''اُفوہ باسل اب اگر مگر کچھ نہیں تم عنایہ سے بات تو کرو مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا کرنے پر مان جائے گی۔'' احمر اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی درمیان میں قطع کرتے ہوئے بولا تو باسل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆

فراز ماریہ کو قریبی شاپنگ مال میں لے آیا اور اس نے کپڑے جوتے اور دیگر ضرورت کی چیزوں کی خریداری اسے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کروائی تھی ماریہ بڑی دلچسپی سے وہاں کی شاپس اور لوگوں کو دیکھ رہی تھی جب ہی وہ بڑے پُرجوش لہجے میں بولی۔
"فراز یہاں کے لوگ لندن سے کتنے مختلف ہیں۔" فراز اس کی بات پر بے ساختہ ہنسا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔
"کیوں یہاں کے لوگوں کے سروں پر سینگ ہیں کیا؟" فراز کی بات پر ماریہ جھینپ سی گئی۔
"مم...... میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" فراز ہنوز مسکراتے ہوئے ایک بک شاپ کی جانب بڑھا تو ماریہ نے بھی اس کی تقلید کی ایک شیلف کے پاس آ کر وہ وہاں سے کتاب اٹھاتے ہوئے ماریہ سے مخاطب ہوا۔
"تمہیں کوئی بکس دیکھنی ہے تو پلیز تم بھی کوئی سلیکٹ کرلو۔" ماریہ نے فراز کی بات پر محض سر ہلایا اور ایک دوسرے شیلف کی جانب متوجہ ہوگئی جب کہ اس شیلف کے دوسری طرف کھڑا باسل فراز کی آواز پر یک دم چونکا پھر دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ پھیل گئی وہ بڑا ایکسائٹڈ ہو کر دوسری جانب آیا تو سامنے ہی فراز شاہ اسے نظر آ گیا۔
"فراز بھائی آپ یہاں؟" یک دم باسل کی آواز پر فراز نے بے اختیار نگاہیں اٹھائیں تو باسل کو وہاں موجود پا کر وہ تھوڑا اسٹپٹایا پھر دوسرے ہی لمحے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔
"یہ تو بہت زبردست سرپرائز ہوگیا میں تو آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔" باسل اس سے الگ ہوتے ہوئے بڑی خوشی سے بولا کہ ماریہ جو باسل کی آواز پر اس جانب متوجہ ہوئی تھی اب بڑی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"میں بھی تم سے ملنے آنے والا تھا مگر کچھ مصروفیات میں الجھ گیا تھا۔" فراز بھی خوش دلی سے بولا جب ہی مزید کچھ کہتے ہوئے باسل کی نگاہ ماریہ ایڈم پر جا ٹکی ڈارک بلو جینز پررسٹ اینڈ آف وائٹ کنٹراسٹ کی کرتی پر ڈارک بلو ہی اسکارف اوڑھے وہ لڑکی اپنے تین نقوش میں اسے کافی منفرد اور اٹریکٹو سی لگی فراز نے ایک نظر باسل کو دیکھا پھر ماریہ کی جانب رخ موڑ کر ماریہ سے مخاطب ہو کر بولا۔
"ماریہ پلیز میٹ مائی لونگ برادر اینڈ کزن باسل حیات اور باسل یہ میری فرینڈ ماریہ۔" لفظ "فرینڈ" پر ماریہ نے کافی چونک کر فراز شاہ کو دیکھا باسل اب اس سے علیک سلیک کر رہا تھا پھر وہ فراز سے جلد ہی ملنے کا وعدہ لے کر وہاں سے چلا گیا تو فراز بھی دیگر بکس کی جانب متوجہ ہوگیا مگر نجانے کیوں ماریہ کا دل بوجھل سا ہوگیا تھا۔

......☆......

مہرو کی طبیعت تیزی سے روبہ صحت تھی فراز مسلسل لالہ رخ سے فون پر رابطے میں تھا اس نے کئی بار مہرو سے بھی بات کی تھی مہرو کی کنڈیشن اب اطمینان بخش تھی لالہ رخ کا ذہن مسلسل اسی نقطے پر اٹکا ہوا تھا کہ مہرو کو یہاں سے ڈسچارج کروانے کے بعد وہ امی اور مہرو کو کہاں لے کر جائے گی؟ اس بابت اس نے فراز شاہ کو کچھ نہیں بتایا تھا وہ دل ہی دل میں فراز کی احسان مند تھی اس نے پہلے ہی ان لوگوں کے لیے بہت کچھ کیا تھا مہرو کے علاج کا تمام خرچا اسی نے اٹھایا تھا اس کے علاوہ جس طرح اس نے ہر مشکل گھڑی میں ان لوگوں کا ساتھ دیا تھا وہ لالہ رخ کو اس کا مقروض بنا گیا تھا اب وہ مزید اس کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی مگر اس وقت جو مشکل سینہ تان کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی وہ پھر اس سے یہی تقاضہ کر رہی تھی کہ وہ فراز شاہ کی مدد ایک بار پھر سے حاصل کرے اس نے سوچ بچار کے بعد چاچا نواز کی تمام تر گفتگو امی کے گوش گزار کردی تھی وہ بھی یہ سب سن کر پریشان ہوگئی تھیں۔
"مجھے ان باتوں کا پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا لالہ وہاں لوگ یقیناً مہرو کے حوالے سے ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں بنا رہے ہوں گے مگر تم پریشان مت ہو ہم یہاں سے کراچی جائیں گے۔" امی آخر میں بڑی خود اعتمادی سے بولیں تو لالہ رخ نے بڑی حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کراچی......! مگر امی وہ تو بہت بڑا شہر ہے وہاں رہنا اتنا آسان تھوڑی ہے اور پھر کراچی تو ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے میں تو صرف دو یا تین بار ہی تاشو کی خاطر وہاں گئی ہوں کسی شہر میں رہنے کے لیے وہاں کی کچھ تو معلومات ہونی چاہیے ناں۔'' لالہ رخ کی بات پر امی نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولیں۔

''وہ شہر تمہارے لیے اجنبی ہوگا بیٹا مگر تمہاری ماں کے لیے نہیں ہے۔'' لالہ رخ نے بے پناہ چونک کر اس پل اپنی ماں کو دیکھا۔

''کیا مطلب امی؟ میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔'' اس پل لالہ رخ کے لہجے میں واضح الجھن تھی۔

''تم اس وقت میری اس بات پر دھیان مت دو لالہ بس مری واپس جا کر مکان اور دکان بیچ دو اور جو رقم ملے وہ وہاں سے لے آؤ اور ہاں گھر میں کچھ ضروری سامان بھی ہے لالہ تمہارے ابا کی کچھ نشانیاں۔'' آخر میں ان کا لہجہ نمی میں ڈوب گیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر بولیں۔

''ہو سکے تو گھر کا باقی سامان بھی بیچ دینا' لالہ اب وہ شہر ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے۔'' لالہ رخ بڑے دکھ سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆
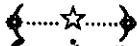
اور پھر دن ایک دوسرے کے تعاقب میں آگے پیچھے یونہی بھاگتے دوڑتے گزرتے چلے گئے۔ آٹھ ماہ کا عرصہ سرعت سے گزرتا چلا گیا لالہ رخ نے مری جا کر اپنا آبائی مکان اور دکان فروخت کر دی' اس ضمن میں چاچا نواز اور طلحہ نے لالہ رخ کی بہت مدد کی تھی' البتہ لوگوں نے کرید کرید کر مہرو کی بابت کافی کچھ پوچھنے کی کوشش کی مگر لالہ رخ نے ان سب کو نظر انداز کر کے اپنے کام سے کام رکھا' جواباً وہ لوگ بدمزہ سے ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے تھے' وادی چھوڑتے وقت لالہ رخ کا دل بے تحاشہ گریہ وزاری کر رہا تھا' یہاں اس کے بچپن کی سنہری روپہلی یادیں ہر جانب پھیلی ہوئی تھیں' فراز شاہ کو جب ان سب باتوں کا علم ہوا تو وہ لالہ رخ اور امی پر بہت خفا ہوا کہ انہوں نے یہ سب اسے پہلے کیوں نہیں بتایا' بہرکیف پھر اسی نے اپنی کوششوں سے لالہ رخ کو ایک مناسب فلیٹ گلستان جوہر کے علاقے میں کرائے پر دلوا دیا' مہرو کو ڈسچارج کروا کر وہ لوگ اسی فلیٹ میں آ گئی تھیں' البتہ زرتاشہ زرینہ کی تنہائی کے خیال سے اس کے ساتھ ہاسٹل میں ہی مقیم تھی۔ داور حبیب فی الحال روپوش تھا' پولیس کے مطابق وہ ملک سے فرار ہو چکا تھا' اسی بدولت وہ ان کے ہتھے نہیں چڑھ سکا تھا' فراز شاہ نے ایک پرائیویٹ کالج میں ماریہ کا ایڈمیشن کروا دیا' جس کے پرنسپل سمیر شاہ کے واقف کار تھے' سمیر شاہ اس کالج کو بہت ہینڈسم ڈونیشن بھی دیتے تھے' اسی بدولت انہوں نے فراز شاہ کی سفارش پر ماریہ کو بنا اس کی تعلیمی اسناد کے اپنے کالج میں ایڈمیشن دے دیا تھا البتہ فراز نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد ہی ماریہ کے ڈاکومینٹس انہیں فراہم کر دے گا' ماریہ اب پڑھائی میں کافی مصروف ہو گئی تھی۔ سونیا کامیش کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی تھی مگر اب بھی وہ کامیش کے نکاح میں تھی کیونکہ ساحرہ نے کامیش کو یہ بات سختی سے باور کرا دی تھی کہ اگر وہ سونیا کو طلاق دے گا تو وہ اس کا مرا ہوا منہ دیکھے گا' کامیش ماں کی جذباتیت دیکھ کر فی الحال خاموش ہو گیا تھا۔ باسل حیات نے عنایہ کو یہ بات سمجھا دی تھی کہ وہ شاید ایک دوسرے کے لیے اچھے لائف پارٹنر ثابت نہ ہوں اور عنایہ نے بھی اس بات کا اقرار کیا تھا' باسل کے کہنے پر اس نے حورین کو بڑی خوب صورتی سے ٹال دیا تھا اور کچھ ماہ کے لیے دبئی اپنی خالہ کے پاس چلی گئی تھی' البتہ حورین کی طبیعت اب کافی خراب رہنے لگی تھی' خاور حیات نے ایک دوسرے انتہائی نامور سائیکاٹرسٹ کو ہائر کیا مگر صورت حال میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا' اب تو حورین بھی اپنی بیماری کی بابت کافی کچھ جان گئی تھی' وہ خاور حیات کے ساتھ چپ چاپ تعاون کر رہی تھی' باقاعدگی کے ساتھ وہ

اس کے ہمراہ ڈاکٹر کے پاس بھی جاتی اور میڈیسنز بھی لیتی تھی جب کہ باسل حیات اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں خون کے آنسو روتا تھا مگر اپنی جگہ وہ انتہائی بے بس تھا نجانے اس کی ماں کو کس کی نظر بد یوں تیزی سے کھاتی چلی جارہی تھی۔

☆
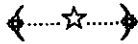
جیکولین اور ابرام اپنی مخصوص روٹین پر چل رہے تھے البتہ مسٹر ایڈم اس بار کافی لمبے عرصے گھر پر ہی مقیم رہے ورنہ تو وہ گھر پر محض چند دن گزار کر سالوں کے لیے غائب ہوجاتے تھے ماریہ کا معاملہ فی الحال کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا' سر پال کسی ضروری کام کے سلسلے میں جرمنی گئے ہوئے تھے اور اب تک نہیں لوٹے تھے۔ میک نے بھی بہت ٹائم سے گھر پر چکر نہیں لگایا تھا۔ ابرام کو اپنے اردگرد ماحول کچھ پُرامن محسوس ہوا تھا' اس نے ہمیشہ کی طرح ذہن میں ازبر کیا ہوا افراز شاہ کا نمبر دوبارہ دہرایا اور مطمئن ہوکر آنکھیں موندھ لی تھیں۔

☆
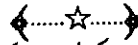
باسل آج کل اپنے سمسٹرز دے کر فارغ تھا' حورین کی طبیعت چونکہ روز بہ روز گر رہی تھی لہٰذا خاور حیات بے پناہ پریشان تھا' اسے ایک اہم بزنس ڈیل کے سلسلے میں سنگاپور جانا تھا مگر وہ کسی طور پر بھی حورین کو چند دنوں کے لیے بھی چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا' کافی سوچ بچار کے بعد باسل حیات خاور سے بولا۔

''ڈیڈ ایسا کرتے ہیں آپ کی جگہ میں سنگاپور چلا جاتا ہوں میں ویسے بھی بالکل فری ہوں۔'' باسل کی بات پر خاور نے اسے چونک کر دیکھا۔

''تم......! مگر تمہیں تو اس کا کوئی تجربہ نہیں اور پھر یہ ڈیل بھی بہت خاص ہے اور تمہیں تو بزنس کے معاملات تک کا علم نہیں۔'' باسل نے خاور حیات کو مسکرا کر دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

''ڈیڈ آپ نے اپنے بیٹے کو کیا اتنا نکما اور کند ذہن سمجھا ہوا ہے معلومات حاصل کرنا کون سا بڑا کام ہے آپ مسٹر عدنان سے کہہ دیں وہ مجھے بریف کردیں اور کچھ باتیں آپ مجھے بتادیں ان فیکٹ ڈیڈ اب میں سوچ رہا ہوں کہ باقاعدہ آپ کا بزنس جوائن کرلوں۔'' خاور نے اپنے بیٹے کو خوش گوار حیرت سے دیکھا پھر بڑے مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

''او...... وائی ناٹ مائی سن' میری تو یہ آرزو ہے کہ آپ میرا بزنس ٹیک اوور کریں' ٹھیک ہے میں مسٹر عدنان سے کہہ دوں گا کہ اس ڈیل کے حوالے سے تمام انفارمیشن وہ آپ کو دے دیں اور ہاں مجھے اپنے بیٹے کی ذہانت پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے انڈرسٹینڈ۔'' جواباً باسل نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔

☆
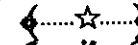
آج بہت عرصے بعد دونوں دوست ساحل سمندر کی اسی مخصوص جگہ پر آن بیٹھے تھے' جب جوانی کے بے فکری اور سنہرے دنوں میں وہ تینوں یہاں آکر بیٹھا کرتے تھے' آج بھی سورج پچیس سال پہلے کی طرح اپنی نارنجی شعاعیں آسمان پر پھیلائے دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد ڈوبنے کی تیاریوں میں منہمک تھا' سمیر شاہ بغور سورج کے اس گولے کو دیکھتے ہوئے جیسے پچیس سال پیچھے چلا گیا تھا اس پل احتشام کا خیال اسے بڑے پُرزور انداز میں آیا تھا۔

''سمیر یار وہ بھی کیا دن تھے جب ہم اکثر کالج سے کلاسز چھوڑ کر یہاں آکر براجمان ہوجاتے تھے۔'' خاور حیات بھی ماضی کی گلیوں میں گھوم رہا تھا۔

''ہوں وقت کتنا تیزی سے گزر گیا ناں خاور؟'' سمیر شاہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''ہاں میرے دوست وقت تو کسی کے لیے نہیں ٹھہرتا البتہ اپنے انمٹ نشانات وہ ہمیشہ کے لیے ہماری زندگیوں میں رقم کر جاتا ہے۔'' خاور دھیرے سے بولا۔

''نجانے احتشام کہاں ہوگا؟ کس طرح کی زندگی جی رہا ہوگا' ماضی کا کوئی صفحہ اس کی نظروں کے سامنے آ کر اس کے ضمیر کو جھنجوڑتا بھی ہوگا یا نہیں۔'' سمیر اپنی جون میں بولتا چلا گیا جب کہ احتشام کا نام سن کر خاور حیات کے حلق میں کڑواہٹ سی پھیل گئی اس نے بڑی ناگواری سے اس لمحے سمیر شاہ کو دیکھا۔

''یہ احتشام کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے سمیر' تمہیں اچھی طرح معلوم ہے ناں کہ آئی ہیٹ ہم' مجھے اس کا نام سننا بھی پسند نہیں۔'' سمیر نے چونک کر خاور حیات کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات واضح طور پر موجود تھے' سمیر نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر سر جھٹک کر موضوع بدلنے کی غرض سے خوش گواری سے بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ گھر میں سب ٹھیک ہے ناں...... کبھی حورین بھابی کو لے کر میری طرف آؤ ناں بہت ٹائم ہوگیا ہے ان سے ملاقات ہوئے ایسا کرو کل ڈنر پر ہی لے آؤ۔'' سمیر کی بات پر خاور حیات کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرا گیا اس نے حورین کی بیماری سب سے چھپا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے دیرینہ دوست سمیر شاہ کو بھی لاعلم رکھا تھا مگر اب وہ اپنے دل کا بوجھ اس کے سامنے ہلکا کرنا چاہتا تھا' جب ہی انتہائی مضمحل لہجے میں بولا۔

''سمیر حورین ٹھیک نہیں ہے یار۔'' سمیر جو اطراف کے ماحول میں یونہی نگاہیں دوڑا رہا تھا یک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب خاور...... حورین بھابی کو کیا ہوا؟'' اس لمحے سمیر کے لہجے میں بے پناہ تشویش و تفکرات کے رنگ پنہاں تھے' جواباً خاور نے ایک ہنکارہ بھرا اور پھر اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

''میں نے بڑے سے بڑے نامور سائیکاٹرسٹ کو دکھایا یہاں تک کہ باہر سے آئے ڈاکٹرز سے بھی کنسلٹ کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا یار۔'' خاور آخر میں انتہائی مایوسی بھرے لہجے میں بولا تو سمیر شاہ نے چند ثانیے کے لیے اسے بغور دیکھا جو اس لمحے انتہائی شکستہ اور پژمردہ دکھائی دے رہا تھا' دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ سمیر شاہ اپنی گمبھیر آواز میں بولا۔

''مجھے حیرت ہے خاور تم حورین کا مرض جاننے کے لیے نگر نگر سرگرداں رہے جب کہ تمہارا دل اس کی بیماری کی وجہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔'' سمیر کے انداز میں واضح طنز خاور حیات کو الجھا گیا۔

''کیا مطلب......'' خاور نے گم صم سے انداز میں سمیر شاہ کو دیکھا اور اس کی آنکھوں کی چبھن اور لہجہ کا کٹیلا پن خاور حیات کو واضح طور پر دکھائی دیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

ف سے فیس بک ف سے فضول

عرشیہ ہاشمی

"فیلنگ اوسم، پکنک پارٹی، مری ایوبیہ میں۔" ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے پوسٹ کی۔ پوسٹ فیس بک پر لگ چکی تھی، وہ موبائل فون ہاتھ میں تھامے پوسٹ پر متوقع کمنٹس کا انتظار کررہی تھی کہ اماں یک دم سے سر پر آن پہنچیں۔

"کمبخت، تو پھر سے موبائل کے ساتھ چپک گئی، ارے آگ لگے اس موئے موبیل کو، جس کی وجہ سے چائے پکنے میں بھی دو دو گھنٹے لگ رہے ہیں۔" اماں نے اس کی کمر پر ایک دھموکا جڑتے ہوئے اسے بے بھاؤ کی سنائیں۔

"اماں کیا ہے، جوان لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی آپ کو۔" دعا نے ہاتھوں سے اپنے بال سر پر جماتے ہوئے چڑ کر کہا تو اماں اسے گھورتی ہوئی باہر زینت آپا کے پاس چلی گئیں۔

"یہ زینت خالہ بھی ناں، قسم سے جب تک چائے نہیں ملے گی انہیں، جگہ نہیں چھوڑیں گی اپنی۔ اٹھ دعا بیٹا زینت آنٹی کے لیے چائے پکا ہی ڈال۔" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے موبائل کو پیڑھی پر رکھا اور دیگچی میں چائے کے لیے پانی بھرنے لگی۔

☆......☆☆......☆

"شمسہ...... او شمسہ۔" صحن کی دیوار کے ساتھ پلاسٹک کی کرسی پر کھڑی وہ پڑوسن کے گھر میں جھانکتے ہوئے اپنی سہیلی کو آوازیں دے رہی تھی۔

"کیا ہے دعا، کیا آفت آن پڑی جو بغیر سانس لیے آوازیں دیئے جارہی ہو؟" شمسہ نے برآمدے سے جھانکتے ہوئے پوچھا تو دعا اس کا چہرہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"یہ کیسا لیپ لگا رکھا ہے منہ پر؟" اس نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"ملتانی مٹی کا لیپ ہے، آج ہی تو ڈاکٹر خرم نے بتایا تھا شو میں۔" شمسہ نے اسے تفصیلاً جواب دیا۔

"ہاہاہاہاہا، تم جتنا بھی لیپا پوتی کرلو یہ کالی دیگچی جیسا منہ چٹا ہونے سے رہا۔" دعا نے تمسخر سے کہا تو شمسہ کو برا لگ گیا۔

"کام کی بات کرو، کس لیے آوازیں دے رہی تھی۔"

"پوچھنا یہ تھا کہ تم کہاں غائب ہو آج کل؟"

"کیا مطلب ہے دعا، تمہیں میں نظر نہیں آرہی؟ ہائے کہیں کوئی طلسمی ماسک تو نہیں آگیا میرے پاس۔" وہ دونوں ہاتھوں کو کانوں پر رکھتے ہوئے آنکھیں پھاڑ کر کہنے لگی۔

"کاش کوئی ایسا ماسک مل جاتا مجھے اور میں سارا تیرے بوتھی پر مل دیتی۔" دعا نے اس کی تھرڈ کلاس اداکاری پر جلتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

"اور خود پر بھی تھوڑا مل لینا۔ تمہاری اس کوؤں والی عادت سے میں بھی بہت بیزار ہوں۔" ادھار رکھنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں تھی، سو جھٹ سے جواب دیا۔

"میں فیس بک کی بات کررہی ہوں ڈفر، میرا اسٹیٹس کیوں لائیک نہیں کیا؟" اب وہ اصل مدعا پر آئی۔

"کیا ہے ناں، ابھی وہی کرکے آئی ہوں اور تم بھی میرا اسٹیٹس لائیک کردینا اور کمنٹ بھی۔" وہ ہاتھ کی مدد سے ملتانی مٹی رگڑ رگڑ کر اتارتے ہوئے بولی۔

"اچھا...... اچھا ٹھیک ہے اچھی طرح سے منہ دھونا۔" وہ کہتے دوسری طرف غائب ہوگئی۔

☆......☆☆......☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رات کو بستر پر لیٹتے ہی اس نے فیس بک پر لاگ ان کیا' حسب توقع اس کی پوسٹ پر کمنٹس کا انبار تھا کسی نے اسے بیسٹ وشز بھیجیں تو کسی نے اسے ''ہاؤ لکی'' کا کمنٹ بھیجا۔ ایک نے تو حد کردی' 'آپ مری کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہیں' میں بھی آج کل مری میں ہوں مل لیتے ہیں' اب اس بات کا وہ بھلا کیا جواب دیتی' کسی ہوٹل کا نام تک تو وہ جانتی نہیں تھی' ٹھہرنا تو دور کی بات تھی کچھ سوچنے کے بعد اس نے وہ کمنٹ لائیک کیا اور ریپلائی میں لکھنے لگی۔

''میں اجنبی لوگوں سے نہیں ملا کرتی' جس گلی جانا نہیں اس کا پتا کیا پوچھنا۔'' اس نے ریپلائی کیا لیکن جواب اس کی توقع کے برخلاف آیا تو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''دفع دور بڑی آئی دعا' دعا کے بھیس میں دغا ہو دھوکا ہو فیک آئی ڈی ہے تمہاری دفع ہو مر جاؤ۔''

دعا کو بڑا غصہ آیا' لیکن یہاں اپنے دل کی بھڑاس اگر نکالتی تو اس کا بنا بنایا امیج خراب ہو جاتا۔ سو' بابا کی لاڈلی' کو محض بلاک کرنے پر ہی اتفاق کیا۔

نیوز فیڈ میں اگلی پوسٹ شمسہ کی تھی۔

''ہیونگ ہربل فیشل۔'' دعا نے بھنویں اچکاتے ہوئے اس کا اسٹیٹس پڑھا اور لوکیشن دیکھ کر تو اس کے چہرے پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''عائشہ عمر...... پارلر۔''

''ہنہ کبھی دیکھا ہے عائشہ عمر کا پارلر؟ کبھی محلے کے پارلر تک نہیں گئی اور عائشہ کے پارلر میں پہنچ گئی میڈم۔'' اس نے دل ہی دل میں اس پر طنز کرتے ہوئے ریپلائی کرنے کا سوچا۔

''کب گئی آپ عائشہ کے پارلر مس چاہت؟''

اس نے جھٹ سے کمنٹ کردیا۔ ''ہاہاہا...... اب آئے گا مزہ'' جب اس ڈفر کا پول کھلے گا۔ وہ دل ہی

www.urdusoftbooks.com

دل میں اس کی ہونے والی ''انسلٹ'' کا سوچ کر نہایت کمینگی سے مسکرادی۔
اگلے ہی پل نوٹیفکیشن کی ٹون وائبریٹ ہوئی تو اس نے جھٹ سے کلک کیا' اس کے کمنٹ کے ریپلائی میں چاہت کا ریپلائی آچکا تھا۔
''جب آپ مری میں تھی مس دعا' قسم سے اگر آپ گھر پر ہوتی تو میں ضرور آپ کو بھی ساتھ لے جاتی۔'' اس نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تو واقعی اس کی بولتی ہی بند ہوگئی تھی۔
اور پھر وہ فیس بک کی سیر کرتے ہوئے ہی نیند کی وادیوں میں پہنچ گئی۔ کئی دنوں سے اس کا یہی معمول تھا۔ اسے یاد بھی نہ رہا کہ کتنے دن وہ سونے کی دعا اور آیت الکرسی پڑھے بغیر سو جاتی ہے۔ جب صبح اٹھتی اور موبائل اپنے سرہانے تلے نہ پاکر' ادھر ادھر ڈھونڈتی تو اسے یاد آتا کہ رات وہ فیس بک پر ہی دوسروں کو کمنٹس کرتے سوگئی تھی۔ تب اسے بڑا افسوس ہوتا' اسے بہت برا لگتا کہ وہ اللہ کی یاد پر دن کا اختتام کرنے کی بجائے اس انگریز برگر کی بسائی ہوئی نقلی دنیا میں لوفری کرتے گزار دیتی ہے۔ روز صبح دل میں پکا عہد کرتی کہ رات کو فیس بک آن نہیں کرے گی' لیکن شام ہوتے ہی اپنے عہد کی دھجیاں اڑا دیتی' جب اس کا چسکا اسے بار بار اپنی طرف کھینچتا۔
رفتہ رفتہ دن بھر کی پانچ نمازوں کا وقت بھی فیس بک میں گزرنے لگا' اس نے دو ہزار سے زیادہ فرینڈز بنا لیے' کئی پیجز کی اونر اور ایڈمن بھی بن گئی' بہت سے گروپس کی شان وشوکت اس کی وجہ سے بڑھ گئی۔ وہ فیس بک کی فیورٹ ممبر بننے کے ساتھ بہت مشہور ہوگئی۔ روزانہ آنکھ کھلتے ہی پیجز اور گروپس میں مارننگ پوسٹ کی ذمہ داری نبھاتی اور دن بھر گپ شپ میں اسے ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا اور تو اور اماں کے پاس فراغت سے بیٹھے نہ جانے کتنے دن بیت گئے تھے۔ آخرکار اس دن اماں نے اسے ٹوک ہی دیا۔
''دعا' رکھ دے اس موئے موبائل کو' کیا دیتی ہے یہ فیس بک تجھے کہ ہر وقت اسی میں سر گھسائے رہتی ہے۔ دل گھبرا گیا میرا تو' نہ کوئی پوچھتا ہے نہ کوئی بات کرتا ہے' ابا تو تمہارے صبح کے گئے رات کو گھر میں داخل ہوتے ہیں' لے دے کہ تم رہ گئی جو اس موبائل کو پیاری ہوگئی۔'' دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اپنا موبائل فون اٹھائے کمرے میں جارہی تھی جب صحن میں نیم کے درخت تلے چارپائی بچھائے لیٹی اماں نے اسے ٹوکا۔ پہلے اس نے سوچا کہ اماں تو یونہی ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں لیکن پھر کچھ خیال آنے پر اماں کے پاس چلی آئی۔
''اماں کیوں گھبرا گیا آپ کا دل بھلا؟ یہ اتنی بڑی گڑیا آپ کا دل بہلانے کو کافی نہیں تو اور گڑیا کا انتظام کرلیں ناں۔'' اپنے تئیں اس نے مذاق سے کہتے ہوئے اماں کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی تو اماں کو اس کی بے ہودہ بات سن کر اور بھی غصہ آگیا۔
''ٹھہر جا' اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہے سب کیا دھرا اس موبائل کا ہے' آنے دے ابا کو آج تیرا موبائل نہ لیا تو نام بدل دینا۔'' اماں کی ہر تان آکر اس کے موبائل پر ٹوٹتی تھی۔ وہ تنگ آگئی تھی بار بار اس ذکر پر۔ اس نے قدرے خفگی سے اماں کی طرف دیکھا اور موبائل آف کرکے اماں کے سرہانے رکھ دیا۔
''یہ لیں اماں موبائل سے دشمنی تھی ناں آپ کو' لیں بند کرکے رکھ دیا میں نے' اب بتائیں اور کوئی حکم؟''
''حکم کیسا میری بچی' ذرا میرے پاس بھی بیٹھا کرو' باہر کی تازہ ہوا میں سانس لیا کرو کبھی کبھار شمسہ کی طرف گئے کتنا عرصہ ہوگیا ناں۔''
''اماں شمسہ نہیں آتی تو میں کیوں جاؤں اس کی

طرف۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''ایک بات کا جواب تو دو ذرا مجھے کہ اگر تمہارے ابا نے موبائل لے لیا تم سے' تو تمہارا دن کیسے گزرے گا بھلا؟'' اماں نے بیڈ پر لیٹے ہوئے اس سے پوچھا تو وہ اماں کا منہ تکتی رہ گئی۔

''یہ کیسا سوال ہے اماں' ظاہر ہے کہ بالکل ایسا ہی گزرے گا جیسا پچھلا آدھا گھنٹہ گزرا ہے' آپ کی جھڑکیاں سنتے سنتے۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے بلا سوچے سمجھے جواب دیا۔

''تمہارے دماغ میں کبھی سیدھی بات آ سکتی ہے کہ نہیں بی بی؟'' اماں کو اس پر بہت غصہ آیا' جو وہ سمجھانا چاہ رہی تھیں وہ دعا نہیں سمجھ رہی تھی۔

''دعا ایک وقت تھا تم پانچ وقت نماز ادا کرتی تھی اور جس دن قضا ہو جاتی نماز تو تمہیں اللہ سوہنے کی ناراضی اور غضب سے ڈر لگتا تھا اور اب کوئی ایک دن گنواؤ مجھے جس میں تم نے پورے پانچ وقت نماز ادا کی ہو؟ اللہ سوہنا جب اس دن پوچھے گا۔ 'زندگی کس کام میں گزاری؟' تو کیا جواب دو گی؟ موبائل میں سر کھپائے گزار دی؟ جوانی میں عبادت گزار بندہ اللہ سوہنے کو بڑا محبوب ہے اور تم اپنی جوانی' اپنی ساری طاقت اس موبائل میں لگ کر کیوں ضائع کر رہی ہو؟ آخر ایسا کیا ملتا ہے فیس بک سے کہ تم اپنی زندگی' اپنے رشتے' اپنی قیمتی سانسیں اللہ کی ناشکری اور نافرمانی میں گزارنے لگی ہو؟'' اماں نے اس کی نظروں کے سامنے سب حالات کا خاکہ کھینچ دیا جو شاید اسے ابھی تک نظر نہ آیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی' اماں کی ایک ایک بات صحیح تھی' وہ واقعی اپنی جوانی' اپنی زندگی کو فضول سے کام میں ضائع کر رہی تھی۔ اماں کے سر میں روز کنگھی کرنا اس کا معمول تھا' اس نے بے ساختہ اماں کے الجھے بالوں کی طرف دیکھا' شاید دو تین روز سے اماں نے کنگھی نہیں کی تھی۔ اماں سے گپ شپ کیے کتنے دن گزر گئے تھے' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں' وہ ہی تو تھی اماں کا سہارا اور اس کے ہوتے ہوئے اماں یوں اکیلی رہنے لگیں تھیں' اسے بے اختیار اپنی گزشتہ روش پر افسوس ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہونے لگیں تو اندر جا کر تیل کی بوتل اور کنگھی اٹھا لائی اور اماں کو بٹھا کر ان کے بالوں کو سنوارنے لگ گئی۔

☆......☆☆......☆

اس کا صبح سویرے اٹھ کر نمازِ فجر ادا کرنا اماں کے لیے غیر متوقع تو تھا' لیکن خوشی کا سبب بھی تھا۔ اماں کا دل سکون سے بھر گیا۔ خود دعا بھی نماز ادا کرنے کے بعد پُرسکون ہو گئی تھی۔ فیس بک کا نشہ چھوڑنے کے لیے اس نے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کر لیا۔ روزانہ فجر کے بعد سورہ یٰسین پڑھتی۔ اس نے آخری پارے کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ گھر کے کام کاج میں اماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔ شمسہ کو لے کر خالہ صفورا کے پاس جا کر سلائی کڑھائی کے کورس میں داخلہ لے لیا۔ چونکہ وہ خالصتاً گھریلو لڑکی تھی اور اسے فیس بک کی کوئی ضرورت نہ تھی تو اس نے اپنی زندگی سے اس فضول بک کو نکال باہر کیا جس کی وجہ سے وہ اصل زندگی' اصل رشتوں اور اپنی ذمہ داریوں سے دور ہو گئی تھی۔ اس کا دل بدل گیا تھا' وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگی تھی کہ سوہنے نے اس کے دل کو واپس اپنی طرف موڑ لیا تھا اب زندگی بہت پُرسکون تھی۔

چاند کو ہمراہ کریں

ام ایمان قاضی

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز جیسے جیسے قریب آ رہی تھی ویسے ویسے ان دونوں کے ہنسنے کی آوازیں اس کی سماعتوں کو بے چین کرنے لگیں۔

''کاش میں کچھ دیر قبل یہاں سے چلا گیا ہوتا۔'' پہلی سوچ نے بے ساختہ شعور کے دروازوں پر دستک دی۔ وہ دونوں بے حد قریب آ چکے تھے۔ ذورین نے سر کچھ اور جھکایا۔

''سکندر...... تمہیں نہیں لگتا کہ اس بار یہ ٹاپ کرنے والا ہے۔'' وہ منت مراد علی شاہ تھی۔

''ہاں بھئی...... میں نے تو ابھی سے انتظامات کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ آخر کو میڈیا والے آئیں گے۔ جناب کے انٹرویو کے لیے۔'' سکندر کا لہجہ از حد تحقیر اور استہزائیہ لیے ہوئے تھا۔ ذورین کے اندر اشتعال کی شدید لہر انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔

''اللہ فرماتا ہے کہ جب تمہارے اوپر کوئی ظلم ہو تو میرے انتقام پر راضی ہو جاؤ کیونکہ میرا انتقام تیرے انتقام سے بہتر ہوگا۔'' اپنی ماں کی بات یاد آتے ہی اس نے خود کو بے حد پرسکون محسوس کیا۔

''اے ذورین...... اٹھ کے ادھر آ یہ میرے جوتے مٹی سے اٹ گئے ہیں صاف کر ذرا' کتابیں ہاتھ میں لے کر تو اپنی اوقات بھول بیٹھا ہے۔ یاد رکھا کر اپنی حیثیت' وہ بھی دن میں کئی بار مجھے یاد کروانی پڑتی ہے۔ تو' تو حویلی میں رہ کر خود کو ہمارے برابر ہی جاننے لگ جاتا ہے یہ تو اچھی بات نہیں ہے ناں...... تیرے باپ نے بھی ایسا ہی کیا تھا انجام یاد ہے ناں اس کا۔'' سکندر شاہ یقیناً اسے اشتعال دلانا چاہ رہا تھا' مگر ذورین نے بھی خود سے عہد کیا تھا اور اپنی ماں سے کہ حویلی والوں کی فضول باتوں اور طعنوں تشنوں میں پڑ کر وہ اپنی ماں کے خواب چکنا چور نہیں ہونے دے گا۔

''دنیا والوں کی باتیں سن کر تھک کر مت بیٹھ جاؤ بلکہ ان باتوں کا ایک پل بنا کر اس پر سے گزر کر منزل کو پالو۔'' ایک اور سنہری بات نے اس کا دامن تھاما اور اسی کے سہارے وہ آرام سے چلتا ہوا آیا اور سکندر شاہ کے گندے جوتے اپنے رومال سے صاف کیے۔ ایسے ہر موقع پر وہ اپنے ارتکاز کا سرا باہر سے توڑ کر اپنے اندر کی طرف کر لیتا تھا۔ جہاں علم کا اجالا تھا صبر کی روشنی تھی اور ماں کی دعاؤں کا سہارا تھا۔ پہلے پہل اسے بہت اذیت ہوتی تھی۔ دل کرتا تھا سامنے والے کا منہ توڑ دے مگر پھر ماں نے ایک بار نہیں بار بار سمجھایا تھا کہ ''نماز صبر اور علم ان تین کنجیوں کا دامن تھام کے سب کچھ اس مالک کے حوالے کر دو جو سب سے زیادہ بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔'' وہ غصہ کرتا تھا لڑتا تھا ان سے کہ حویلی کے لوگ ایسے نہیں ہیں جوان ہتھیاروں سے زیر ہو جائیں ان جیسے لوگوں سے اپنا حق چھین وصول کرنا پڑتا ہے۔

''مگر میں حویلی والوں کی طرح نہ ظالم ہوں نہ مضبوط میرے پاس میرا واحد سہارا تم ہو ذورین اور ایک اللہ کا سہارا ہے جو مجھے مضبوطی اور استحکام بخشتا ہے۔ وہ ان کا بھی اللہ ہے جیسے میرا اور تمہارا۔ وہ ہماری بھی سنے گا۔ بس اس کے بہترین فیصلے کا انتظار کرو۔ وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔ اس نے اس وقت بھی تمہیں بچا لیا تھا جب ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور ہاتھوں میں ہتھیار آتش اگلنے کو تیار تھے وہ میری دعائیں میری التجائیں یا ان کا رحم نہیں تھا۔ وہ میرے مالک کا مجھ پر کرم تھا۔ جس نے تمہیں مجھے بخش دیا تھا۔ اس پر یقین رکھو۔ مجھ ماں پر یقین ہے ناں تمہیں بچے۔ وہ تو ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔'' وہ دن رات اس کے جوان گرم خون میں انتقام کی سلگتی آگ کو اپنے صبر سے ٹھنڈا کرتی تھیں۔ وہ دونوں اپنے الفاظ اور لہجے کی تمام تر نفرت اس پر انڈیل کر وہاں

سے جا چکے تھے۔ ذورین نے اپنی کتابیں جھاڑ کر اٹھائیں اور وہاں سے اٹھ آیا کہ جانوروں کو چارہ پانی سے لے کر دودھ نکالنے کی تمام ذمہ داری عرصہ دراز سے اس کے سپرد تھی

❁❁❁❁

ارم سے خاقان شاہ کی شادی اس محبت کا نتیجہ تھی جوان جیسے امیر زادے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے عموماً کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ایسی تو نہ جانے کتنی ان کی زندگی میں آئیں اور چلی بھی گئیں تھیں کہ ان کو اپنے نفس کی تسکین چاہیے ہوتی تھی اور دوسرے فریقین کو دولت مگر ارم ان عورتوں میں سے ہرگز نہیں تھیں۔ اس کا تعلق کسی اچھی جگہ سے تو نہیں تھا مگر خون یقیناً کسی شریف خاندان کا تھا۔ جو اس نے محبت اور دولت کی بجائے عزت کو ترجیح دی تھی۔ خاقان شاہ نے تھوڑے سے پس وپیش کے بعد ان کی نام نہاد ماں کو اس کی پوری قیمت ادا کی اور نکاح کر کے شہر میں ایک چھوٹا سا گھر لے دیا تھا مگر اس نکاح کے ساتھ اس کی کچھ شرائط بھی تھیں کیونکہ اس کے گاؤں میں ایک خاندانی بیوی اور بچے موجود ہیں۔ اس لیے اسے شادی کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف ارم کی خواہش کا نتیجہ تھی تو یہ شادی تا عمر خفیہ ہی رہے گی۔ دوسرے ان کے خاندان میں کسی بھی غیر خاندان کی عورت سے نہ تو شادی کی جاتی ہے نہ ہی اولاد پیدا کی جاتی ہے۔ بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس بچے کو خاندان والے کبھی قبول ہی نہیں کرتے۔ ارم جو پہلے پہل صرف عزت کی خواہش مند تھی اور اس غلیظ ماحول سے نکلنا چاہتی تھی جہاں عزت زندگی گزارنے کی آخری ترجیحات میں بھی کہیں نہ تھی۔ خاقان شاہ کی ہر بات کو مان کر خوشی سے اپنی ایک نئی زندگی بسانے کو چلی آئی تھی۔

❁❁❁❁

"شاباش میرے شیر...... شاباش۔" ذورین نے ازلان کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ فرط جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہی حالت خدیجہ کی تھی۔ وہ بار بار دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتی تھیں۔ ازلان نے میڈیکل کا انٹری ٹیسٹ اعزازی نمبروں سے پاس کر لیا تھا۔

"اماں کہیں ماموں یہ نہ کہیں کہ بس اب اتنی ہی تعلیم کافی ہے۔ گھر پر رہ کر بھائی کے ساتھ زمینوں کا کام سنبھالو۔ پانچ سال پہلے انہوں نے بھائی کے ساتھ بھی تو ایسا ہی کیا تھا۔ یہ لوگ کب کسی کو خود سے آگے بڑھتا دیکھ سکتے ہیں۔ خصوصاً ہمیں کہ تعلیم ہمیں اتنا شعور نہ دے دے کہ اپنا حق مانگنے کھڑے ہو جائیں۔ نہیں جانتے کہ تعلیم نے زندگی اور حالات کو بدلنے کا ہنر ہمیں شعور میں آنے کے بعد دیا ہے۔ ان کے رویے اور سلوک نے تو ہمیں بہت پہلے ہر چیز سے آگاہی دے دی تھی۔" ازلان اپنی اتنی بڑی کامیابی پر بھی خوشی سے زیادہ خوف زدہ تھا۔ خدیجہ بیگم نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور ذورین کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ماں بیٹا ہی تو عرصہ سے ایسے حالات میں ایک دوسرے کی ڈھال بنتے آ رہے تھے۔

"نہیں ازلان...... ہر بار قربانی ہم نہیں دیں گے۔ ویسے بھی میں بڑا تھا تو ان کا پورا دھیان میری طرف تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ تمہاری مزید تعلیم کے سلسلے میں رکاوٹ بنیں گے اور اگر بنیں گے تب بھی ہر مسئلہ اور رکاوٹ جھیلنے کے لیے تمہارا بھائی ہے ناں تم بس اب آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تمہیں ڈاکٹر بنے دیکھنا میری اور اماں کی سب سے بڑی خواہش ہے۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا پورے جذب سے بولا۔

آج سے پانچ سال پہلے کا وہ وقت اس کے چہرے پر وہ تمام محرومیاں سمیٹ لایا تھا جب اسے بورڈ میں ایف ایس سی ٹاپ کرنے کے بعد ارباز شاہ نے بلا بھیجا تھا۔ سکندر شاہ کو ایف ایس سی کے بعد باہر بھجوانے والے وہ جاگیردار اس کی مزید تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے قلم اور کتاب لے کر ہل اور رہٹ پکڑا دیا تھا کہ وہ مزاروں کی اولاد ہے۔ صدیوں سے مٹی جیسی اوقات رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی بھی مٹی کی طرح اور مٹی کو ہی سنوارنے میں خرچ ہونی چاہیے۔ ان کا بھلا قلم

اور کتاب سے کیا تعلق۔ مزید یہ کہ اگر کتاب سے اتنی ہی محبت ہے تو وہ زمینوں کا تمام کام سنبھالنے کے ساتھ ساتھ منشی سے حساب کتاب بھی سیکھتا رہے تاکہ اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوتی رہے اور یہ تو ان لوگوں کا وطیرہ تھا کہ ان کی ہر کامیابی پر وہ ان کو ان کی اوقات یاددلانا ضروری خیال کرتے تھے کہ وہ کون ہیں' کس کی اولاد ہیں...... اور وہ مزارعے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ان شاہوں کی خدمت کرتے ہوئے ہی مرنا چاہیے۔

❁❁❁❁

"ادھر آؤ منت...... تمہارے بابا اور تایا نے تمہیں کھلی چھوٹ دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ایسے منہ اٹھا کر لور لور پھرتی رہو یاد رکھو کہ ہمارے ہاں کی لڑکیاں کبھی بغیر چادر کے باہر نہیں گئیں اور تم ایک دوپٹے میں گھوڑوں پر چڑھی پھرتی ہو۔ کتنی بار سمجھایا ہے کہ شکار' گھڑ سواری' نیزہ بازی سمیت اس قسم کے سارے شوق ہمارے ہاں ایک مرد کی شان اور حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں...... مگر ایک لڑکی کا اس طرح کے کاموں میں حصہ لینا یہ عیب کی بات ہے۔ جب تک تم شہر میں رہیں تب تک ہم نے بھی کوئی روک ٹوک نہیں رکھی کہ چلو جیسا دیس ویسا بھیس' مگر یہاں تم جانتی ہو تمہارا اس طرح سکندر کے ساتھ ہر جگہ جانا کتنی باتوں اور افواہوں کو جنم دے سکتا ہے۔"

"سو واٹ اماں...... مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں اور ویسے بھی کس کی جرأت ہے کہ منت مراد علی شاہ کے بارے میں کچھ کہہ سکے۔ بابا جان کو نہیں جانتے یا مجھے نہیں جانتے۔" وہ لانگ شوز چڑھاتی ہوئی مگن سی بولی۔ رابعہ بی بی طویل سانس لے کر رہ گئیں۔

"پھر بھی منت کوئی بات نہ بھی کرے بچے...... تم خود سوچو تمہاری ہونے والی ساس تمہاری تائی بھی ہیں اور خالہ بھی۔ وہ مجھ سے بڑھ کر تمہیں چاہتی ہیں مگر اپنی بہو کے لیے ہر عورت نے ایک خاکہ تراش رکھا ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری اس روش سے ان کے دل میں کوئی ذرا سا بال بھی آئے۔"

"ارے اماں تائی کی تو مجھ میں جان ہے۔ وہ تو مینا کہتی ہیں مجھے اپنے گھر کی۔ ابھی بھی جب میں نے سکندر کے ساتھ شکار پر جانے کا بتایا تو انہوں نے مجھے گلے سے لگا کر میرا ماتھا چوما اور باقاعدہ دعا دی۔ ایک آپ ہیں جنہوں نے کبھی اکلوتی بیٹی کے لاڈ نہیں اٹھائے۔ بس ہر وقت کچھ نہ کچھ سمجھاتی ہی رہتی ہیں۔ مجھے تو تائی کی بجائے آپ اپنی ساس لگتی ہیں۔" پاؤچ اٹھا کر اس میں سیل فون کی موجودگی چیک کرتی وہ بڑبڑاتی باہر نکل گئی۔

"جھلی نہ ہو تو بھلا ایک ماں سے زیادہ کون اپنے بچوں کا سگا ہو سکتا ہے۔" نذیراں کو آواز دیتیں وہ باہر چلی گئیں۔

❀❀❀❀

ویسے اتنا ایٹی ٹیوڈ ہے کس بات کا تمہیں؟ ہاں ایک شکل ہی ذرا بہتر ہے۔ باقی نہ دولت نہ بیک گراؤنڈ نہ تعلیم نہ ہی خاندان۔" گھوڑے کے ارد گرد ٹہلتے ہوئے وہ دوسرے گھوڑے کی ناز برداری میں مصروف ذورین سے مخاطب تھی۔ جس کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ اسے اور سکندر کو آگ ہی لگا دیتا تھا۔ اگرچہ اس نے اپنے کام میں کبھی کوتاہی نہ کی تھی نہ کبھی کسی سے بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔ ہاں غیر ضروری خوشامد اور چاپلوسی جو حویلی کے لوگ اپنے ارد گرد دیکھنے کے عادی تھے۔ اس سے اجتناب برتتا تھا۔ بڑوں سے لے کر حویلی کے چھوٹوں تک کے لیے اس کا ایک ہی انداز تھا۔ چپ چاپ حکم بجا لانا اور اگر سامنا ہو جاتا تو زبانی سلام کر کے وہاں سے ہٹ جاتا۔ اسے نہ تو باقی لوگوں کی طرح شاہوں کے آگے جھک جھک کر روزی روٹی کے لیے گڑگڑانا منظور تھا نہ ہی ان کی خوشنودی کے لیے ان کے سامنے سر جھکا کر ہاتھ باندھے کھڑے رہنا۔ کیونکہ ایک بات پر تو اس کا یقین پختہ تھا کہ درخت سے پتہ ٹوٹ کر نیچے گرنے سے لے کر انسان کی روزی، صحت اور زندگی ہر ایک کام کی ڈور اسی مالک و مختار کے ہاتھ میں ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔ یہی بے نیازی سکندر شاہ کو بھڑکا دیتی وہ جان بوجھ کر اس سے بہت سے ایسے کام بھی لے جاتا تھا جو ذورین کی فطرت اور عزت نفس کے منافی ہوتے اور کچھ عرصہ سے منت مراد علی شاہ بھی اس کام میں سکندر شاہ کے پیش پیش تھی۔

"بی بی...... میں نے تو اپنے مالک کا ہمیشہ خود کو ایک انسان اور پھر ایک مسلمان بنانے پر شکر ادا کیا ہے۔ باقی یہ خاندان نسب اور ذات پات تو اس نے ہماری پہچان کا ذریعہ بنائی ہیں۔ کچھ لوگوں نے اسے اپنی ذات کا فخر اور دوسرے کی ذات کی کمتری کا ذریعہ بنا لیا ہے وہ ان کا ظرف ہے۔ جہاں تک فخر کی بات ہے تو صرف اتنی بات مجھے پتہ ہے کہ تکبر صرف ایک ذات پر ہی جچتا ہے کہ یہ اس کی صفت ہے۔ ہم انسانوں کی کیا اوقات کہ ایسا کچھ کر سکیں۔"

"تم باتیں خوب بنا لیتے ہو یہ بتاؤ بھائی کو ڈاکٹر بنا کر تم سمجھتے ہو ہمارے مقابل آ کر کھڑے ہو جاؤ گے جب کہ جانتے بھی ہو ایسا قیامت تک ممکن نہیں۔" سکندر کا انتظار کرتے ہوئے جب بور ہو گئی تو تفریح کا ایک شاندار موقع اس اکڑے مزارعے کی صورت نظر آیا تھا۔ وہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتی۔

"نہیں بی بی...... آپ کے مقابل آ کر کیا کرنا ہے ہم نے لیکن زندگی کی خوشیاں، کامیابیاں اور ترجیحات جتنی آپ کے لیے ضروری ہیں ہمارے لیے بھی ویسے ہی ہیں۔ جو آپ کا اور میرا رب ہے وہ بھی ایک ہی ہے۔ اس کی طرف سے کسی بھی انسان پر کوئی قدغن نہیں ہے کہ وہ زندگی کی دوڑ میں یہ سوچ کر حصہ نہ لے کہ وہ غریب ہے یا وہ مزارعے کا بیٹا ہے۔"

"بات حق کی نہیں ہو رہی ڈیئر بات ہو رہی ہے اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھنے کی۔ اس پر بہت لمبی بات ہو سکتی ہے مگر ابھی سکندر نے مجھے تمہارے ساتھ بات کرتے دیکھ لیا تو تمہارے ساتھ میری بھی خیر نہیں۔ اس لیے تمہارے یہ ویوز پھر کسی اور وقت سنوں گی۔" سکندر کو دور سے آتے دیکھ کر وہ ہاتھ ہلاتے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

❀❀❀❀

ایسی کئی عورتیں شاہوں کی زندگی میں آ آتی ہیں اور چلی

جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ سے زندگی کو رنگین تو بنایا جاتا ہے گھر کی زینت نہیں بنایا جاتا۔ یہ تمہاری دی ہوئی جرأت ہے کہ وہ اس حویلی تک آن پہنچی ہے۔ ورنہ اس قسم کی کوئی عورت تو کیا مرد کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ شاہوں کی حویلی تو ایک طرف ان کے گاؤں کی سرحد بھی عبور کر جاتے۔" وہ سلطان شاہ تھے۔ جو خاقان شاہ کے ساتھ ایک عورت اور بچی کو دیکھ کر چراغ پا ہوگئے تھے۔ ان کو اپنے بچوں کی تمام سرگرمیوں کی خبر ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ خاقان شاہ کی اس بیوی کی بھی خبر تھی مگر وہ سمجھتے تھے کہ کچھ دن کا شوق ہوگا ہمیشہ کی طرح۔ پھر وہ پچھلی عورتوں کی طرح اس کو بھی چھوڑ دیں گے۔ مگر وہ ان کی تمام روایات کو بھول کر اس عورت کو پہلو سے لگائے کھڑے تھے۔ جب کہ حویلی کی اصل اور خاندانی بہو ان کی بھتیجی تھی۔ جو دو بیٹوں کی ماں ہونے کا اعزاز بھی رکھتی تھی۔

"اباجی...... اس کا پیچھے سے تعلق جس بھی جگہ سے ہو۔ اب وہاں سے کوئی تعلق نہیں ہے نکاح کیا ہے میں نے اس سے اور اب تو یہ میری بچی کی ماں بھی ہے۔ اس حویلی نے تو کبھی روزی کی تلاش میں آنے والوں کو بھی کبھی مایوس نہیں کیا۔ یہ تو پھر آپ کی بہو ہے۔ مقام اور حیثیت بھلے نہ دیں عزت ہی دے دیں اور ہم شاہوں کا کب شیوہ ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ لوٹائیں۔" ارم پر ایک نظر ڈال کر وہ باپ کے روبرو آن کھڑے ہوئے۔

"او خاقان تجھے نہیں پتہ کہ اس حویلی میں تو ملازم بھی نسب دیکھ کر رکھے جاتے ہیں۔ تو نے ایک بغیر نام ونشان کی عورت کو اپنی بیوی بھی بنالیا اور بچی کی ماں بھی۔ شادی ہی کرنی تھی تو مجھے بتاتا۔ میں کسی اعلیٰ گھرانے کی عورت سے ایک چھوڑ دو نکاح کرا دیتا۔" وہ اب بھی غرور وتکبر کی اسی سیڑھی پر کھڑے تھے۔

"ابا اب میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا کہ آپ نے باقی چیزوں کی طرح قول نبھانا بھی تو سکھایا ہے ناں مجھے۔ پھر جیسے بھی سہی اس بچی کی رگوں میں میرا خون ہے۔ کیسے دربدر رلنے کے لیے چھوڑ سکتا ہوں۔"

"ہوں یہی ایک سنگین غلطی ہے تمہاری خاقان شاہ جو مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روک رہی ہے۔ اس عورت کو سرونٹ کوارٹر میں جگہ دے دو...... مگر اسے سمجھا دینا کہ اپنی اوقات نہیں بھولے گی کیونکہ اس حویلی کی اصل بہو اور میرے وارثوں کی ماں میری بھتیجی ہے۔ اس لیے آئندہ مزید اولاد کا سوچنا بھی اس کے لیے بدترین نتائج لے کر آئے گا۔" ان کے رعونت بھرے حکم پر خاقان شاہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئے کیونکہ مہینہ بھر سے وہ اپنے باپ کو اس بات کے لیے رام کر رہے تھے کہ ارم کو بے شک ایک کوٹھری میں ہی سہی جگہ دے دیں۔ جس محلے میں انہوں نے اسے گھر لے کر دیا تھا۔ وہاں کے لوگ اب ان کی آمد پر چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ پھر ارم جو پہلے پہل ان کی تمام شرائط پر راضی برضا تھی۔ ماں بننے کا خوب صورت احساس ملتے ہی ایک انوکھے احساس میں گھر گئی تھی۔ خاقان شاہ کی سخت تنبیہ کے باوجود اس نے اپنے امید سے ہونے کی خبر کو ان سے اس وقت تک چھپائے رکھا جب تک چھپا سکتی تھی اور جب ان پر ظاہر کیا تو پاؤں میں پڑ کر اس جان کی زندگی بھی مانگ لی جو ابھی اس دنیا میں نہیں آئی تھی۔ پھر خاقان شاہ نے اپنا سارا رسوخ اور پیسہ استعمال کیا مگر کوئی ڈاکٹر اس حالت میں ایسا رسک لینے کو تیار نہ تھی۔ بچی کی پیدائش کے دو ماہ بعد تک انہوں نے وہاں قدم نہ دھرا تھا۔ مگر پھر جب آئے تو بچی کی شکل دیکھ کر ارم سے ناراضی تو برقرار رکھی نومولود پر شفقت پدری اُمڈ نے سے دل کو نہ روک پائے۔ پھر ارم سے محبت ہی اتنی شدید تھی یا بچی کے باپ ہونے کا احساس اتنا قوی تھا کہ اپنے باپ دادا کے فرمودات کو بھلائے وہ سلطان شاہ کی عدالت میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوگئے تھے۔ پھر کون سی دلیل تھی جو انہوں نے باپ کو نہیں دی مگر وہ مصر تھے کہ اس عورت کو طلاق دے کر کچھ دے دلا کر فارغ کردیں۔ بیوی الگ روٹھ کر دونوں بیٹیوں کو لے کر میکے جا بیٹھی تھی۔ وہ بھی ضد پر اڑ گئے تھے اور کچھ دنوں بعد بیوی اور بچی کو ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ پھر بیٹے سے محبت تھی یا شاہوں

کی بچی دردر پر رلنے کا خوف تھا کہ وہ سرونٹ کوارٹر میں ہی سہی ان ماں بچی کو جگہ دینے پر راضی ہوگئے تھے۔اس کے بعد اپنی بھتیجی کو بھی خود ہی منا کر لے آئے تھے کہ جس عورت کو اپنے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتے اس کے حوالے سے وہ کیوں اپنی راجدھانی چھوڑ کر بیٹھی ہے۔ یہیں سے ارم کی ایک نئی اور کٹھن زندگی کا آغاز ہوا تھا۔

❀❀❀❀

"جی ادا سائیں بلوایا آپ نے۔" مراد علی شاہ نے بڑے بھائی کے کمرے میں داخل ہوکر عرض کی۔

"آؤ.....آؤ مراد شاہ مانا کہ کتابوں کی دنیا کے باسی ہو مگر باہر بھی ایک دنیا تمہارے اردگرد بستی ہے۔اس کی بھی کبھی کبھار خبر لے لیا کرو۔" انہوں نے اخبار رکھ کر میٹھا سا طنز کیا تو مراد علی شاہ مسکرا دیئے۔

"آپ کو اللہ ہمارے سر پر تادیر سلامت رکھے ادا سائیں۔آپ ہیں تو مجھے کیا ضرورت ہے کسی بھی جھمیلے میں پڑنے کی۔پھر سب کچھ دیکھ تو لیتے ہیں آپ اور یقین مانیں تو مجھ میں یہ اہلیت ہے ہی نہیں اتنے بڑے گاؤں کی سرداری سنبھالنا۔سب کے دکھ سکھ مسائل دیکھنا اور حل کرنا۔بس آپ کی ہی ہمت ہے اور اللہ آپ کو ہی یہ ہمت دیئے رکھے۔مجھے میری کتابی دنیا میں ہی خوشی ملتی ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں جن میں سب کی رائے کا شامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔سکندر سمجھ دار ہے مگر ہے تو ابھی بچہ۔پہلے تو یہ بتاؤ کہ منت اور سکندر کی شادی کا کیا پروگرام ہے اور یہ جو خدیجہ کا لڑکا پر پرزے نکال رہا ہے تو پھر کاٹیں اس کے پر؟" وہ مونچھوں کو بل دیتے پوچھ رہے تھے۔مراد علی شاہ نے نا سمجھی سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

"ادا آپ کے بچے ہیں دونوں۔جیسے مناسب سمجھیں کریں۔دونوں اپنی تعلیم سے بھی فارغ ہوچکے ہیں اور ذورین تو بہت موڈی بچہ ہے سب سنبھال تو لیا ہے اس نے پھر کیا ہوا۔کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" وہ مودبانہ انداز سے بولے۔

"کونا نا اس کی بات نہیں کررہا میں۔چھوٹے کی بات کررہا ہوں۔ڈاکٹری کا امتحان پاس کرلیا ہے اس نے۔کل کو ڈاکٹر بن جاتا ہے خدیجہ کا پتر تو کمی لوگوں کا تو پتہ ہے تمہیں کہ ذرا اختیار اور حیثیت بدلی نہیں کہ فوراً اوقات دکھانے پر آجاتے ہیں آج یہ جائے گا شہر ڈاکٹر بننے کل کو اور لوگوں کو بھی شہہ ملے گی پھر تو سارے ہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔کیا خیال ہے اس کے بھی پر کتر کے کسی کام پر نہ لگادیں۔" اس پل اتنی رعونت تھی ان کے چہرے پر اور لہجے میں کہ ایک پل کو مراد علی شاہ بھی دل میں استغفار پڑھ کررہ گئے۔

"میں آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں ادا...... زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ اب لوگوں کے خیالات بھی بدلے ہیں۔اب ہم ان کو اسی لاٹھی سے ہانکیں گے جس سے دس سال پہلے بھی ہانکتے رہے ہیں اور وہ اسی سمت دوڑے بھی چلے جائیں گے جو سمت ہماری دکھائی اور بتائی ہوئی ہے تو یہ یقیناً ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے۔سختی بغاوت کو جنم دیتی ہے۔یہ بات تو ہمارے خاندان سے بہتر کوئی اور جان ہی نہیں سکتا۔اس میں قابلیت ہے تو جانے دیں اسے جو کرنا ہے کرے زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر بن کر ماں اور بھائی کو لے کر چلا جائے گا اور کیا کرے گا۔" وہ اپنے بھائی کے ذہن کو مدنظر رکھ کر بات کررہے تھے۔جانتے تھے کہ ان کے وضع کردہ اصولوں اور انا سے جو بات ٹکراتی تھی اس سے وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ہاں سامنے والا ہاتھ جوڑ کر منت کرکے بات منوانے کی کوشش کرتا تو کبھی کبھار مان بھی جاتے تھے۔اس لیے لہجے میں نرمی اور عاجزی لیے اذلان کے حق کے لیے بات کی تھی۔

"مراد علی شاہ...... تعلیم وصحت اور دوسری ضرورتیں ان کو ان کے گھر میں دے دیں گے تو ہماری چاکری کون کرے گا۔کل کو یہ لڑکا یہاں اسپتال کھول کے بیٹھ گیا تو مت ماری جائے گی ہماری۔" وہ جو برسوں سے غریب عوام کو گاؤں میں اسپتال اور تعلیم کی سہولت مہیا کرانے کا لارا دیتے آئے تھے ان کو یہ بات ہرگز پسند نہیں آئی تھی۔

"ادا اسپتال ایسے ہی نہیں کھل جاتے۔ اس کے لیے کثیر سرمائے کے ساتھ ساتھ زمین اور دیگر لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ابھی تو اس میں بہت ٹائم ہے۔ ڈاکٹر بننے کے لیے۔ آپ اسے جانے دیں اور یہ بتائیں کہ آپ نے بچوں کی شادی کے حوالے سے کیا سوچا ہے؟" مراد علی شاہ نے ان کا دھیان بٹایا اور اس میں خاطر خواہ کامیاب بھی ہوگئے کہ اب وہ پرانا مسئلہ بھولے ذوق وشوق سے شادی کی تاریخیں اور انتظامات کی تفصیل گنوا رہے تھے۔

❁❁❁❁

عورت اپنے مرد کی شراکت دار دوسری عورت کی جلن میں کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔ اس کا ثبوت سلمٰی بیگم نے عملی طور پر دے دیا تھا۔ اس نے ماں باپ کے گھر سے سسرال واپس آنے کی بہت کڑی اور بہت بڑی شرط رکھی تھی کہ آج اس عورت کی ایک بیٹی ہے تو اس کا خاوند اس سے تعلق نہیں توڑ رہا۔ الٹا اس کو حویلی میں اس کے مقابل لے آیا ہے تو کل کو وہ اور بچے خصوصاً بیٹے پیدا کر کے حویلی اور جائیداد کے وارثوں کے برابر لا کھڑا کرے گی تب وہ کیا کریں گے۔ وہ اسی صورت گھر واپس آئیں گی یا تو اس عورت کو طلاق دے کر گھر سے باہر کیا جائے۔ اب جب اسے حویلی میں جگہ دے ہی دی ہے تو کچھ ایسا کیا جائے کہ وہ مزید اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ ارم جو اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھک رہی تھی کہ اس کی بیٹی اور اس کو سر چھپانے کے لیے شوہر کے گھر میں کوٹھڑی ہی سہی مل تو گئی ہے۔ باقی رہی حیثیت اور مقام تو وہ بھی کبھی نہ کبھی مل ہی جاتے۔ فی الوقت تو اس عزت کا حصول ہی غنیمت تھا جو اسے شہر کے اس محلے میں حاصل نہیں تھی جہاں خاقان علی شاہ اس سے چوری چھپے ملنے آتے اور اپنے پیچھے کئی سوال چھوڑ جاتے۔ سلمٰی بیگم کی شرط سن کر دنگ رہ گئی تھی..... مگر اس معاملے میں خاقان شاہ بھی اس کا ساتھ نہ دے پائے تھے۔ انہیں اپنا گھر، عزت اور بچی کے لیے باپ کی شفقت کے بدلے اپنی ماملتا کو قربان کرنا پڑا تھا۔ اپنی دو قابل اعتبار ملازماؤں اور ایک ملازم کے ہمراہ سلمٰی بیگم اس کا شہر جا کر آپریشن کروا کے آئی تھی۔ تب کہیں جا کر اس کو دوسری عورت کے اس خوف سے نجات ملی تھی جس نے کچھ عرصہ سے ان کے اعصاب کو بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ باقی رہی ارم تو ایک بے نام ونشان عورت ان کی ایک چٹکی کی مار تھی لیکن وہ اسے ایک باقاعدہ منصوبہ بندی سے خاقان علی شاہ کی زندگی سے دور کرنا چاہتی تھی۔

❁❁❁❁

"ادھر آ ذرا تجھے نہیں پتہ کہ ہمارے ہاں رواج نہیں ہے لڑکیوں کے اسکول جانے کا۔ تیری ماں نے نہیں بتایا تجھے۔ اسے صرف ادائیں دکھا کر مردوں کو رجھانا آتا ہے۔ ابھی سے تجھے قابو نہ کیا تو' تو نے بھی یہی چھن دکھانے ہیں آگے جا کر۔" ننھی خدیجہ کے گلے سے انہوں نے اس بے دردی سے بیگ کھینچا کہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گری تھی۔ کچن میں کام کرتی ارم نے دور سے وہ منظر دیکھا تو بھاگی چلی آئی۔ نیچے پڑی ہوئی خدیجہ کو اٹھا کر کھڑا کیا۔ ماں کو سامنے پا کر پہلے وہ سہمی پھر اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ سلمٰی بیگم اب اس کو صلواتیں سناتے ہوئے دھمکی دے رہی تھی کہ اب آئندہ اسے اسکول جاتے دیکھا تو ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ دیں گی۔ صرف یہی نہیں انہوں نے اس کا زمین پر پڑا ہوا بستہ اٹھا کر تھوڑی دور جلتے تندور میں جلا کر ارم کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ جواب بچی کو پچکارتی لے جا رہی تھی۔ اب وہ ملازم کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

❁❁❁❁

منت کو شہر کسی سہیلی کی برتھ ڈے پر جانا تھا۔ ڈرائیور ارباز شاہ کو لے کر دوسرے گاؤں گیا تھا۔ سکندر بھی شہر کسی کام سے نکلا تھا۔ وہ اپنی فریاد لے کر باپ کے پاس آئی۔

"ٹھیک ہے بچے آپ ایسا کرو ذورین ہی بچتا ہے فی الحال جس کے ساتھ میں آپ کو بھیج سکتا ہوں کیونکہ سکندر ہے نہیں یہاں اور اتنی لمبی ڈرائیو کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔" بہت سوچنے کے بعد انہوں نے کتاب بند کر کے

ٹیبل پر رکھی اور سامنے منہ بنا کر کھڑی لاڈلی بیٹی کو دیکھا۔

''ایک تو یہ بندہ مجھے زہر لگتا ہے۔ آپ کو پتہ نہیں کون سی بات اس کی پسند ہے تایا جی اس کو صحیح کس کے رکھتے ہیں۔ پتہ بھی ہے اس نے مجھ سے کہا کہ جس طرح آپ کا حق ہے تعلیم حاصل کرنے پر۔ اسی طرح مجھ پر بھی کوئی پابندی اس منہ زور سیلاب کو نہیں روک سکتی جو علم کے حصول کے لیے بند توڑنے کو میرے اندر سے ابلنے کو تیار ہے۔ آپ کے سکندر صاحب نے جو ڈگری لاکھوں خرچ کرنے کے بعد ملک کے ایک بہترین ادارے سے لی ہے میں وہی ڈگری اس زمین کی آبیاری کرتے ہوئے لے کر دکھاؤں گا۔ حالانکہ تایا جی نے اس کو سختی سے منع کیا ہے ایسی کسی بھی ایکٹویٹی سے مجھے تو کل ہی بینا ملازمہ کی بیٹی نے بتایا کہ ذورین صاحب نے انگریزی میں سولہ جماعتیں پاس کرلی ہیں۔ دیکھیں ذرا اس کی جرأت۔ آجائیں ذرا تایا جی بتاتی ہوں اس کے کارنامے۔'' تلملا کر وہ بولی تو مراد علی شاہ نے خوشگوار حیرت سے عینک اتار کر میز پر رکھی۔

''آپ کا غصہ میری سمجھ سے باہر ہے منت...... افسوس کہ مراد علی شاہ کی بیٹی ہو کر آپ کی سوچ ایک روایتی جاگیردارنی والی کیوں ہے۔ سورج دیکھا ہے ناں اس کی روشنی تمام مخلوقات کے لیے ہے۔ بارش برستی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ نیچے سیراب ہونے والوں میں پھول ہے یا کانٹا۔ انسان ہے یا حیوان۔ جب کائنات کا خالق نعمتیں تقسیم کرتے وقت صرف اپنی رحمت دیکھ رہا ہے تو ہم حقیر سی مخلوق کی کیا مجال کسی انسان کے لیے بنیادی ضرورت کے دروازے بند کرسکیں۔ اس بچے پر تو فخر کرنے کو دل کرتا ہے جس نے اپنی لگن کو تڑپ کو کام اور بے تحاشا مصروفیت میں ختم نہیں ہونے دیا۔ اس چیز نے الٹا اس میں علم کے حصول کی مہمیز کو شدید کردیا۔ مجھے تو یہ جان کر دلی خوشی ہو رہی ہے اور میں چاہتا ہوں آپ بھی اپنی سوچ بدلو بیٹے...... آپ دولت مند ہیں۔ حسب نسب والے ہیں تو دنیا کی ہر نعمت پر آپ کا حق ہے اور دوسرا غریب ہے تو وہ کسی بھی نعمت یا ضرورت کے بارے میں سوچے بھی نہ۔ یہ تو انصاف نہ ہوا ناں۔ باقی باتیں پھر کبھی ہوں گی آپ جاکر تیار ہوجائیں میں ذورین کو کہتا ہوں گاڑی تیار کرے۔'' نرمی سے کہہ کر انہوں نے منت کو کہا اور ٹیبل پر سے اپنا موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ملا کر اسے اپنے پاس آنے کو کہا لمحوں میں ہی وہ ان کے سامنے تھا۔

''آپ نے بلایا چھوٹے شاہ صاحب؟'' مودب سا وہ سامنے کھڑا تھا۔

''ہاں آجاؤ ذورین ایک مہربانی کردیار۔ منت کو شہر جانا ہے کسی دوست کے گھر۔ آپ نے وہیں رہنا ہے اور رات گہری ہونے سے پہلے پہلے اسے واپس لے کر آنا ہے۔ وہ اس معاملے میں لاپروا ہے دوستوں میں بھول جائے گی۔ آپ نے خود ہی واپسی کا تقاضا کرنا ہے پتہ ہے ناں ادا ارباز کو گھر کی عورت کا زیادہ دیر باہر رہنا پسند نہیں۔''

''جی چھوٹے شاہ صاحب جو حکم آپ کا۔ فکر نہ کریں۔'' حویلی میں ایک واحد فرد تھے جن کی وہ دل سے عزت کرتا تھا کہ دوسرے بندے کو عزت دے کر اپنی عزت کروانے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ جس سے حویلی کے دوسرے لوگ بے بہرہ تھے۔

''اور یار...... اتنی بڑی کامیابی حاصل کی آپ نے بتایا بھی نہیں۔ بہت اچھا لگا مجھے آپ کی کامیابی کی بابت جان کر۔'' ان کی بات سن کر اس نے نظریں اٹھا کر حیرت سے ان کو دیکھا۔

''تمہیں تو پتہ ہے ناں ذورین میاں...... میں علم اور کتاب دوست بندہ ہوں تو ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ یہ ایک کتاب تحفہ کے طور پر رکھو اور یہ بتاؤ کہ چھوٹے میاں سیٹ تو ہوگئے ناں کالج میں کوئی مسئلہ ہو تو بتانا۔'' انہوں نے کتابوں کے ریک کے پاس جاکر ایک کتاب اٹھائی اور اس کی جانب بڑھاتے ہوئے گویا ہوئے۔

''فرط جذبات سے وہ کچھ بول بھی نہ پایا تھا۔ اتنی عزت اور محبت ان ماں بیٹوں کے نصیب میں کب آئی تھی بھلا وہ بھی حویلی کے کسی فرد کی طرف سے۔ مراد علی شاہ نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر گزارا تھا پھر جاب کی وجہ سے شہر میں رہے تھے۔ اب سال بھر ہی ہوا تھا ریٹائرمنٹ کے بعد ان کو گاؤں میں شفٹ ہوئے سو دونوں کا ہی ایک دوسرے سے رابطہ بہت کم ہوا تھا۔ ذورین تو ان سے متاثر تھا ہی۔ اب گرویدہ بھی ہو چلا تھا۔ جب کہ مراد علی شاہ کے لیے کسی بھی موجودہ دور کے نوجوان کی ایسی زندگی خاصی متاثر کرنے والی تھی۔ جس کے پاس آگے بڑھنے کے لیے صرف ماں کی دعا تھی اور بے حد کٹھن زندگی مگر اس میں بھی وہ اپنے بھائی کے لیے ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما تھا۔ وہ اب عاجزی سے ان کو بتا رہا تھا کہ اذلان بالکل ٹھیک ہے اور شہر میں سیٹ ہے۔ اسے کسی قسم کی کوئی مالی معاونت نہیں بلکہ دعائیں چاہیں۔

"وہ تو تمہارے ساتھ ہیں ہی برخوردار اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مقاصد میں کامیاب کرے اور ہزاروں خوشیاں دکھائے۔ اب جلدی سے گاڑی نکالو۔ ورنہ وہ میڈم غصے میں تو ایسی بلی بن جاتی ہے جس کے غصے سے میں خود بھی ڈرتا ہوں۔" انہوں نے خوش گوار لہجے میں کہا تو ایک بھولی بسری مسکراہٹ ذورین کے لبوں پر بھی لمحہ بھر کو جھلک دکھلا کر غائب ہو گئی اور وہ واپس مڑ گیا۔

❁❁❁❁

"میرو لوگ اتنے سنگدل و ظالم کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں تو ایک پرندے کو بھی زخمی دیکھ لوں تو راتوں کی نیند اور دن کا چین اس وقت تک واپس نہیں آتا جب تک اسے دوبارہ سے آزاد فضاؤں میں چہچہاتا ہوا اڑتا نہ دیکھ لوں اور یہاں ہر روز احساسات کی تذلیل تو ہوتی ہی ہے۔ جسمانی سزا کے بغیر بھی کوئی دن تمام نہیں ہوتا۔" دور فضاؤں میں غیر مرئی نقطے کو تکتی وہ اداسی سے بولی۔ اس کے لہجے کی زردی سرسوں کی لہلہاتی فصل کو اور پیلا کر گئی تھی۔

"کس کو مارا پھر اماں کو یا تجھے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے میرو...... مقصد تو اذیت دینا ہی ہے ناں مجھے اور اماں کو۔ کبھی میں نشانہ بن جاتی ہوں تو کبھی منذر مگر [illegible] کرتا ہے اس ظالم عورت کے ہاتھ توڑ دوں جب جب وہ میری ماں کو مارتی ہے اسے شاید میری آنکھوں میں چھپی بغاوت نظر آتی ہے تب ہی اماں کو زیادہ تکلیف دیتی ہے تاکہ مجھے تکلیف ہو۔ کیا عزت پانے کی خواہش اتنی بڑی تھی کہ اس کی سزا وہ عورت آج تک بھگت رہی ہے۔ کیا ہماری چیونٹی جتنی بھی حیثیت نہیں کہ جس کو پاؤں تلے روندنے سے پہلے انسان بھی ایک لمحہ سوچتا ہے یا ہمیں انسان سمجھتے ہی نہیں یہ لوگ۔"

"پتہ ہے تمہیں خدیجہ کہ کیسے پتہ چلے گا کہ کون کتنا قیمتی ہے؟" میرو نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ دو آنسو ٹوٹ کر خدیجہ کے ہاتھوں کی پشت پر آن گرے۔

"جس انسان میں جس قدر احساس ہے دوسرے کا وہ اس قدر قیمتی ہے۔ میں تجھے کتابیں لا کر دیتا ہوں ناں ان سے دوستی کر لے ان سے اپنا دکھ بانٹا کر یقین کر اللہ سب دیکھ رہا ہے بس ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی فرعونیت میں اسے تمہاری کمزوری جان کر تمہیں دبا رہے ہیں۔ نماز اور صبر سے مدد کی امید رکھو۔ جہاں اندھیری رات ہے۔ وہاں روشن صبح بھی تو ہے ناں۔ بس تھوڑے دن اور انتظار کرو جیسے ہی مجھے شہر میں کوئی کام ملتا ہے میں تجھے یہاں سے لے جاؤں گا۔ اماں کو بھی اپنے ساتھ رکھیں گے۔" اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میرو نے اسے بہلا لیا تھا ان خوابوں کی تعبیر سے جو کئی برس سے وہ دونوں اکٹھے دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ منشی کا بیٹا میرو اس وقت سے اس کا دوست تھا جب سلمیٰ بیگم نے اس کا بستہ جلا ڈالا تھا۔ چوتھی جماعت ادھوری رہ جانے کا غم ادھورا رہ جاتا جب وہ اس کے کوارٹر میں چلی جاتی پھر اس کا بستہ لے کر حسرت بھری نظروں سے ان الفاظ پر نظریں وارتی جن کا ہاتھ تھام کر وہ روشنیوں کے دیس جانا چاہتی تھی مگر اس سے کتابیں چھین کر اندھیرے میں لا کھڑا کیا گیا تھا۔ کتابوں سے دوستی اسے میرو کے قریب لے آئی تھی۔ جو سفر میرو کے بستے سے شروع ہوا تھا۔ اس کے راستے میں کئی پڑاؤ آئے تھے جب وہ کرائے پر کہانیاں لے کر آتا تو اسے ضرور پڑھاتا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

روی میں ملنے والے اخبار جو پکوڑے رکھنے کے لیے استعمال ہوتے۔ ان کو پڑھ کر خدیجہ کی پیاس اور بڑھتی۔ پھر وہ جب جب شہر جاتا اس کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پرانے رسائل میگزین اور کتابیں لانے لگا۔ جن کو وہ دوپٹے میں چھپا کر اپنے کچے آنگن میں لے آتی اور لالٹین کی روشنی میں پڑھتی۔ سلمیٰ بیگم کے ساتھ اب اسے ادا ارباز سے بڑا خوف آتا جس نے باپ کی وفات کے بعد گاؤں کی باگ ڈور تو سنبھالی ہی تھی ان پر بھی زندگی کا دائرہ حیات مزید تنگ کردیا تھا۔ پہلی بار اس نے جب اسے ادا کہا تو ایک تھپڑ اس کے گال کو سرخ کر گیا تھا۔

"خبردار جو آئندہ مجھے ادا کہا تم میرے باپ کی ماضی میں کی گئی ایک غلطی کے سوا ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں اگر تم ماں بیٹی کو اس گھر سے دھکے مار کر نہیں نکال رہا تو اس کے لیے میرے باپ کو دعا دو۔ جس کو مرتے وقت بھی تمہارا غم ستا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم اپنے آپ کو ہمارے برابر سمجھو یا اس خاندان کا حصہ سمجھو۔ جیسے باقی ملازم پکارتے ہیں ویسے ہی تم پکاروگی مجھے اور تمہاری ماں بھی بڑے شاہ صاحب۔" رعونت سے بھرے لہجے نے ایک لمحے میں اس حقیقت سے روشناس کرادیا تھا جسے وہ پہلے نہیں جانتی تھی۔ سرخ گال پر ہاتھ رکھے وہ اپنے کچے مکان کی طرف بھاگ آئی تھی۔ ہر بار مار کھانے پر وہ میرو کی طرف لپکتی تھی یا میلے کپڑے میں باندھ کر رکھی گئی ان کتابوں کی طرف جن میں لکھے الفاظ اور باتیں وقتی طور پر ہی سہی اس کے زخموں پر مرہم رکھ دیتی تھیں کیونکہ ماں تو حویلی کے کاموں میں اتنی مصروف ہوتی کہ اس کے پاس خدیجہ کے لیے وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ اس کا بخار اور کھانسی زور پکڑ گئی تھی مگر کسی کے پاس اس کے لیے فرصت یا روپیہ نہیں تھا کہ شہر نہ سہی گاؤں کے ڈسپنسر سے وقتی طور پر دوا ہی لے آئے۔ یہاں بھی میرو ہی کام آیا تھا۔ خدیجہ کے ذکر کرنے پر ڈسپنسر سے وقتی دوائیاں تو لے آیا تھا مگر تاکید کی تھی کہ جو علامات بیماری کی اس نے ڈسپنسر کو بتائی تھیں ان کو سن کر اس نے دوائی تو دے دی تھی ساتھ ہی کہا تھا کہ شہر جا کر تفصیلی چیک اپ کروائیں اور کچھ ٹیسٹ بھی۔ اوڑھنی میں دوائیں چھپا کر لے جاتی خدیجہ تلخی سے مسکرادی تھی۔

❀❀❀❀

"اندر آجاؤں چھوٹے شاہ صاحب۔" اس کی مدھم آواز سن کر مراد علی شاہ سیدھے ہو بیٹھے۔

"آؤ آؤ خدیجہ...... اس میں بھلا اجازت لینے والی کون سی بات ہے؟" وہ مسکرا کر سیدھے ہو بیٹھے۔ خدیجہ نے چائے لا کر ان کے سامنے دھری۔

"بیٹھو خدیجہ...... اور سناؤ کیا حال ہیں، کیسی ہو؟ ذورین سے تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اذلان کیسا ہے؟" چائے کا کپ اٹھا کر انہوں نے گھونٹ بھرا۔ خدیجہ ان کے سامنے قالین پر بیٹھ گئیں۔

"اوپر بیٹھیے خدیجہ...... آپ کو بہن نہ سمجھوں تب بھی عورت کا بہت مقام ہے میرے دل میں۔ میں اپنے سامنے ہاتھ جوڑے اور زمین پر بیٹھے ملازم بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ کا تعلق تو پھر بھی حویلی سے ہی ہے۔ یہ حویلی اور اس کے مکین مانیں یا نہ مانیں یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔" اسے سامنے قالین پر بیٹھتا دیکھ کر وہ بے حد سنجیدہ ہوئے۔

"آپ کا ظرف ہے چھوٹے شاہ صاحب جو آپ ایسا سمجھتے ہیں۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ ہزاروں خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ لیکن میں اپنی اوقات جانتی ہوں۔ پھر جس زمین کو ابدی ٹھکانا بنانا ہے اس سے قبل از وقت کیسی دشمنی۔ ہم تو عادی ہیں ایسے ہی بیٹھنے کے۔ وہ میں بہت دنوں سے یہ پیسے لے کر آرہی ہوں کہ آپ سے ملنے کی سبیل بنے تو واپس کردوں۔" خدیجہ نے دوپٹے میں سے وہی لفافہ نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھ دیا جو انہوں نے ساتھ آٹھ دن قبل بھجوایا تھا۔ مراد علی شاہ نے تحیر سے ان کی سمت دیکھا۔

اللہ ستر ماؤں جتنا پیار کرنے والا اس نے زمین پر آپ کو ہماری مدد کا وسیلہ بنائے رکھا۔ ورنہ آپ بھی تو اسی خاندان کا حصہ تھے۔ ویسا ہی رویہ اپنا سکتے تھے جیسا اور لوگوں نے اپنایا تھا لیکن احسان مند لوگ اپنے محسنوں کو

مشکل میں نہیں ڈالا کرتے۔ میرے بچوں نے اس منزل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہے جس منزل کے خواب ان کے باپ اور میں نے مل کر دیکھے تھے۔ اذلان کا داخلہ اس کے امتیازی نمبروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب تو وظیفہ بھی ملنے لگا ہے اسے۔ پہلے اس رقم کو رکھ لینا میری مجبوری تھی۔ اب نہیں رہی۔ میں نہیں چاہتی اس کے حصول سے میرے بچوں کی خودداری پر چوٹ پڑے اور آپ بھی مشکل کا شکار ہوں۔ بڑے شاہ صاحب کو پتہ چلا تو میرے ساتھ ساتھ آپ بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ مجھ غریب کے پاس آپ کا احسان چکانے کے لیے دعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" بہت ضبط کے ساتھ وہ نظریں جھکائے بول رہی تھی۔

"بخدا چپ کر جائیں خدیجہ......" تاسف سے گھرے لہجے میں انہوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں منع کیا۔

"یقین کرو تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اور اب تک ہوتا آیا ہے اس پر میں اللہ سے اور خود سے بہت شرمندہ ہوں۔ لیکن اگر میں اس وقت یہاں ہوتا تو شاید اسے اس بے دردی سے نہ مرنے دیتا۔" وہ اذیت سے دائیں بائیں سر ہلا رہے تھے۔ خدیجہ نے سر کو مزید جھکا لیا کہ پرانے زخموں کے ٹانکے ادھڑنے لگے تھے۔

"حسب نسب اور اعلیٰ خاندان کا جو بت ہماری نسلوں نے بنا رکھا ہے اس کی بلندی آسمان کو چھونے لگی ہے اور سختی نے چٹانوں کو بھی مات کر دیا ہے جس کو چاہ کر اب نہ ہم ہاتھ لگا سکتے ہیں نہ توڑ سکتے ہیں۔ ادا اس حقیقت کو اس بت کے زعم میں نہیں مانتے مگر تم سے ہمارا خون کا رشتہ ہے اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ ایسے ہی اس جائیداد میں جیسے ہم حصہ دار ہیں ویسے ہی تم بھی ہو۔ مجھے آج تک یہ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ میں ان جان لیوا روایتوں سے محبت کرتا ہوں یا بھائی کے وضع کردہ اصولوں سے خوف زدہ ہوں کہ آج تک تمہارے حق میں صرف بولا ہی ہوں۔ کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے گریز کیا کہ یہ نہ ہو میری ہمدردی کی سزا بھی تمہارے اور تمہارے بچوں کے کھاتے میں درج

کر دی جائے۔ یہ رقم جو میں تمہیں بھیجتا ہوں تم اس سے کہیں زیادہ کی حق دار ہو۔ اسے میری طرف سے اس کفارے کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھ کے رکھ لیا کرو جو تمہارے اوپر ہونے والے ظلم کو دیکھ کر بھی چشم پوشی کی ہے یا یہ سمجھ کر قبول کر لیا کرو کہ ہو سکتا ہے اس سے تمہارے اس بدنصیب بھائی کے ضمیر پر پڑا وہ بوجھ ہلکا ہو جائے جس کے وزن سے دن بدن میری روح دبتی چلی جا رہی ہے۔" وہ کھڑکی میں کھڑے اس کی جانب پشت کر کے کھڑے خود کلامی کے سے انداز میں بول رہے تھے۔ خدیجہ حیرت سے سن رہی تھیں۔ ان کے دل میں مراد علی شاہ کی قدر کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

❀❀❀❀

اردگرد کے راستے پر دور تک سرسوں اسے ایسے ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا کرتی تھی۔ چودھری کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اسے یہ خوف ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ طویل راستہ وہ اکیلے طے کر رہی ہے تو اس کو کسی قسم کا کوئی ڈر یا خوف ہوگا۔ وہ اپنی خالہ کے گھر سے واپس آ رہی تھی۔ انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ اسے گاڑی پر بھجواتی ہیں مگر اس نے کہا کہ ایسے موسم میں اسے پیدل چلنا بے حد پسند ہے جب فروری کی نرم گرم دھوپ میں وہ تاحد نگاہ پھیلی سرسوں کو دیکھتی کبھی کبھار پیلے پھولوں کو توڑ کر چھوٹا سا گلدستہ بناتی ایسے ہی دو ڈھائی کلو میٹر کا فیصلہ طے ہو جاتا۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا تاہم خالہ نے ملازمہ کی گیارہ بارہ سالہ بیٹی کو ساتھ ہمراہ کر دیا تھا کہ اکیلی نہ جائے۔

"میرا بس چلے ناں نوری...... تو اس منظر اور موسم کو قید کر کے رکھ لوں۔ پھر جب جب دل کرے اسے آزاد کر کے دوبارہ سے اپنی زندگی کا حصہ بنا لوں۔" آہستہ چلتے ہوئے اس نے کہا تو نوری نے عجیب سی نظر سے اپنی مالکن کی جھلی سی بھانجی کو دیکھا جو کہیں سے بھی چودھرائن نہیں لگ رہی تھی۔ نہ ان کے جیسے انداز نہ باتیں اور نہ بناؤ سنگھار۔ ایسے میں دھول اڑاتی جیپ نے آ کر اس کا راستہ روکا تھا۔ اسلحہ بردار گارڈ کے ہمراہ وہ سکندر شاہ تھا۔ دور سے

گاؤں کے سرداروں کا اکلوتا اور بگڑا ہوا چشم و چراغ۔

"چودھری کامران کی بہن ہے ناں تو۔ بچپن میں تو بڑی عجیب سی ہوتی تھی۔ کالی لمبی تار جیسی۔ اب تو عجب ہی روپ نکالا ہے تو نے۔" کالی چادر کو وہ ماتھے سے مزید نیچے کھینچ لائی اور سائیڈ سے گزرنے لگی تھی جب وہ گاڑی سے نکل کر تیزی سے اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ ایک پل کو ٹھٹھکی پھر آگے جانے لگی کہ ایک تو اس کی شہرت ایسی تھی کہ لڑکیاں بالیاں اس کا ذکر سن کر کانوں کو ہاتھ لگاتی تھیں دوسرا پنجاب کے اس دور افتادہ گاؤں میں لڑکے اور لڑکی کا ساتھ کھڑے ہونا بھی کئی افواہوں کو جنم تو دیتا ہی تھا بعض دفعہ اس معمولی بات کی بہت سنگین سزا فریقین کو بھگتنی پڑتی تھی۔ اب تو کچھ عرصہ سے یہاں یہ رواج چل نکلا تھا کہ دشمنی کی آگ میں جلتے یہ کسی سازشی کے ذہن کا کارنامہ تھا کہ کسی طرح کچھ ذمہ دار افراد کے سامنے سازشوں کا کھیل رچا کر لڑکا لڑکی کا ساتھ کھڑے ہونا یا باتیں کرنا دکھا دیا جاتا مگر اس چنگاری کی آگ خاندانوں کو بھسم کر دینے والی ہوتی تھی۔ ایسا ہی ایک واقعہ گزشتہ دنوں ہوا تھا کہ لڑکا اور لڑکی کی ایک دو بار راہ چلتے بات چیت تو نجانے کس وجہ سے ہوئی تھی مگر غیرت کے نام پر لڑکی کو مار دیا گیا تھا لڑکے کو گاؤں بدر کر دیا گیا۔ یہ واقعہ یاد آتے ہی وہ جھرجھری لے کر آگے بڑھنے لگی تھی جب اس کا بازو اس مرد کی گرفت میں آیا تھا۔

"میرا راستہ چھوڑو شاہ...... ورنہ میرا بھائی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اس نے بے خوفی سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ منہ پھاڑ کے وہ ہنستا چلا گیا۔

"ہاہا تمہارا بھائی...... کوئی بھی خوب صورت لڑکی اس کی نظر سے بچ نہیں سکتی۔ کبھی یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اپنے گھر میں بھی ایک ہیرا چھپا رکھا ہے۔" معنی خیزی سے اس کی ناک کے چمکتے لونگ کو دیکھ کر وہ بولا۔

"تم جیسا برا تو پھر بھی نہیں ہے شاہ...... دشمنی کو صرف مردوں تک نبھاتا ہے۔ تم نے تو عورت جیسی کمزور مخلوق کو بھی اس دشمنی میں گھسیٹ ڈالا۔ اب اپنے برے انجام کے لیے تیار رہنا۔ جانتے ہی ہو گے کہ چودھری دوستوں کا دوست ہے تو دشمنی کو بھی آخری حد تک جا کر نبھاتا ہے۔" تنفر سے کہتے وہ نوری کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ جو بھی تھا چودھری کی بہن کی جی داری سکندر شاہ کو بڑی پسند آئی تھی۔ کل ہی تو اس کا شکار چودھری نے ہتھیایا تھا۔ آج اسے اس بے عزتی کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ تو ابا کی ہدایات کا خیال آ گیا تھا کہ چودھریوں کے ساتھ کھلم کھلا دشمنی نہ کرنا۔ عورت کے سلسلے میں تو کبھی بھی نہیں۔ ہاں جو بھی وار کرو چھپ کر کرو اور پیچھے کوئی نشان نہ چھوڑو۔ سو اس ہرنی سی آنکھوں والی کو نجانے کس دل سے اس نے جانے دیا تھا ورنہ سکندر شاہ ہاتھ آیا شکار کبھی گنوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ سیٹی بجاتے وہ واپس جیپ میں آ بیٹھا۔

❁❁❁❁

"پتہ ہے اماں میرو کہتا ہے بس مشکل دن اب ٹلنے کو ہیں۔ تھوڑا سا انتظار اور پھر وہ بڑے شاہ سے میرا ہاتھ مانگ لے گا۔ اور آپ کو بھی ہم ساتھ رکھیں گے۔ بہت برداشت کر لیا ظالم لوگوں کا ظلم ہم نے۔ خوشیوں پر ہمارا بھی تو حق ہے ناں۔" ہر بات ماں کو بتانے والی خدیجہ اب ماں سے لپٹی خوابوں کی اس راہ گزر پر اس کو اپنے ہمراہ کرنا چاہ رہی تھی جس پر عرصہ سے وہ اور میرو اکٹھے چل رہے تھے۔

"تیرے حق میں تو اب دعائیں ہی ہیں خدیجہ...... اللہ کرے ایسا ہی ہو جیسا تو نے اور میرو نے سوچا ہے ورنہ یہ شاہ لوگ اپنی ملکیت میں آئی ہر چیز کو بگاڑ کر توڑ کر پھینک دیتے ہیں کسی کو دینا گوارا نہیں کرتے۔" ان کا لہجہ کھویا ہوا سا تھا۔ انجانے خدشات سے لرزتا ہوا۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"مگر اماں...... ہم چیز نہیں ہیں انسان ہیں۔ اللہ نے ہمیں آزاد پیدا کیا ہے۔ یہ کیوں عمر بھر غلامی کی زنجیر میں باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں؟" کتابوں نے اسے تعلیم نہیں دی تھی مگر علم کا شعور بخشا تھا۔ ابھی ارم اس کی بات کا جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ دروازہ دھاڑ سے کھول کر سلمیٰ بیگم کی ملازمہ خاص اندر داخل ہوئی۔ چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ

لیے اس کے ہاتھ میں کچھ لوازمات تھے جو اس نے بستر پر رکھ دیئے تھے۔

"بڑی بی بی کہہ رہی ہیں کل جمعہ کے بعد اس کا نکاح ہے۔ بی بی کے بھائی کے ساتھ اور یہ کپڑے اور زیور ہیں۔"

"بی بی کا بھائی......!" وہ مخبوط الحواس شخص نشے نے جس کی زندگی اور حالت برباد کر کے رکھ دی تھی۔ دو بیوں کو بھگتانے کے بعد وہ خبیث بوڑھا ہمہ وقت نشے میں چور رہنے کے باوجود بھی عورت کو دیکھ کر اس کے حواس خوب کام کرنے لگتے تھے۔

"اماں......" ملازمہ کے جانے کے بعد خدیجہ کے منہ سے سرسراتا ہوا فقط ایک لفظ ہی نکل سکا۔ باقی تمام الفاظ اس کا کتابوں اور اخباروں سے ادھار لیا گیا علم سب منہ چھپا کر کہیں دور جا کھڑے ہوئے تھے۔

"مجھے کسی طریقے سے میرو سے ملنا ہے خدیجہ...... اگر وہ اپنے قول کا پکا ہے تو سمجھو وعدہ نبھانے کا وقت آچکا۔ اس حویلی کے ظالم لوگوں کی بھینٹ کے لیے ایک ارم ہی کافی ہے۔ اس کی بیٹی اس خواہش کا تاوان ہرگز نہیں بھرے گی جو فقط ایک عزت کی بقا کے لیے تھی۔" بہت سوچ سمجھ کر وہ بول رہی تھیں۔ خدیجہ نے خالی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

❀❀❀❀

گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ دونوں ہی اپنے گھر کے اکلوتے تھے تو جوش وخروش دیدنی تھا۔ ڈھولک رکھی جا چکی تھی۔ سرِشام ہی گاؤں والے حویلی آجاتے۔ لڑکیاں بالیاں رات گئے تک رونق لگائے رکھتیں۔ خدیجہ تو بس حویلی کی ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ رات گئے جا کر کہیں سونے کا موقع ملتا۔ عمر بھر اعلیٰ نسب کا ڈھول گلے میں لٹکائے پھرنے والے لیکن آج اس کی کمین کے بغیر اندھے تھے۔ بری میں بننے والی رضائیاں کہاں ہیں، تو زیور کس الماری میں رکھا ہے، جہیز کے کتنے کپڑے ٹانک لیے گئے، کتنے رہتے ہیں، یہ سب اسی کو پتہ تھا۔ جس عورت کو آج تک اس کا جائزہ مقام اور حق آج تک دینا تو ایک طرف تسلیم بھی صرف اس لیے نہ کیا گیا تھا کہ وہ غیر خاندان کی ایک عام سی عورت تھی۔ اس عورت کے ہاتھ کی ایک ڈش تو ضرور کھانے میں ہونا ضروری ہوتی اور اس دن تو خصوصاً جب گھر کے مرد گھر پر کھانا کھاتے۔ ہاں ایک مہربانی حویلی والوں نے کی تھی کہ ذورین اور اذلان کو اجازت تھی کہ وہ حویلی کے اندر آ جا سکتے تھے۔ اگرچہ ان کا آنا جانا بھی حویلی والوں کے کسی کام کے سبب ہوتا تھا۔ باقی کسی غیر کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ مرد ملازمین باہر تک مخصوص تھے۔ اب بھی کسی کام کے لیے حویلی آئے تھکے ہارے سے ذورین کو دیکھ کر خدیجہ بازو سے پکڑ کر کچن میں لے آئی تھیں اور چھوٹی ٹیبل کے گرد بیٹھا کر اس کے لیے کھانا رکھ دیا تھا۔

"رہنے دیتیں اماں...... بی بی کو پارلر لے کر جانا ہے اور باہر گاڑی بالکل تیار ہے۔ تھوڑی سی دیر ہوگئی تو جانتی ہیں ناں بی بی کتنی نازک مزاج ہیں۔ مزاج بگڑ گیا ان کا تو بڑے شاہ صاحب سے ڈانٹ یقینی ہے۔"

"بی بی شریفاں کے ساتھ جا رہی ہیں شہر ڈرائیور جا رہا ہے ان کو لے کر تمہیں بڑے شاہ صاحب نے ڈیرے پر بلایا ہے۔ دوسری گاڑی لے کر آنے کو کہا ہے۔ قریبی گاؤں میں کوئی قتل ہوگیا ہے تو اسی سلسلے میں جانا ہے۔" ملازمہ جیسے ہی پیغام لے کر آئی وہ کھڑا ہوگیا۔ گہری سانس لیتا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ پاس کھڑی ماں کو بھی ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

"ایک شرط پر کھاؤں گا میں کھانا جب آپ بھی شروع سے آخر تک میرا ساتھ دیں گی۔"

"تم کھالو بیٹا...... مجھے بہت کام ہیں۔" وہ بہت عجلت میں بولیں۔

"نہیں آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہوگا مجھے پتہ ہے۔ بیٹھیں یہ کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے ایک نوالہ بنا کر ماں کے منہ میں رکھ دیا۔

❀❀❀❀

"اب کیا ہوگا میرو؟ وہ بہت ظالم لوگ ہیں۔ اماں کو نقصان ہی نہ پہنچا ڈالیں۔" من پسند ساتھ مل جانے کی خوشی پر اس وقت وہ خدشات حاوی تھے جو اس کے دل کو ہولائے دے رہے تھے۔ اس روز ارم چھپ کر خدیجہ کے ساتھ میرو کے کوارٹر کی طرف گئی تھیں اس کا باپ زمینوں پر تھا مگر اپنا سامان بیگ میں ڈالتا میروان دونوں کو اس وقت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اسے علی الصبح شہر کے لیے نکلنا تھا۔ ارم نے ہی اسے ساری صورت حال بتا کر پوچھا تھا کہ اب وہ کیا چاہتا ہے؟ میرو تو اس اچانک صورت حال پر پریشان ہی ہو گیا۔ تاہم بھاگ کر اپنے باپ کو کھیتوں سے بلا لایا تھا جس کی پانی کی باری پر ڈیوٹی تھی مگر بیٹے کی پکار پر افتاں وخیزاں بھاگا آیا تھا۔ گاؤں میں نکاح پڑھانا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ میرو کے باپ نے ان دونوں کو کئی کلو میٹر دوسرے گاؤں اپنی بہن کے پاس بھیجا تا کہ بات جلدی مالکوں تک نہ پہنچے۔ خدیجہ ارم کے بغیر جانے کو تیار نہ تھی مگر ارم جس نے ہر قسم کے حالات حویلی میں گزار کر ایک عمر تمام کی تھی اب حویلی سے باہر قدم نکال کر عمر بھر کی ریاضت پر پانی نہیں پھیرنا چاہتی تھی۔ بیٹی کو بھی اس قدم کے لیے قطعاً مجبور نہ کرتی اگر جو حویلی والے اسے زندہ ایک برزخ میں ڈالنے کا پروگرام نہ بنائے بیٹھے ہوتے۔ میرو کی پھوپو اور پھوپا نے اپنے گھر پر ان کے نکاح کا بندوبست کیا تھا پھر اسی رات صبح ہونے سے پہلے ہی ان دونوں نے وہ گاؤں چھوڑ دیا تھا۔ شہر میں میرو چند لڑکوں کے ساتھ رہتا تھا۔ انہی کی مدد سے وہ کرائے پر ایک کمرے کا چھوٹا مکان لے سکا اور اس مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد جب وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئے تو خدیجہ کو پہلا خیال اپنی ماں کا آیا تھا۔ وہ اس کے لیے بہت پریشان تھی۔ تاہم میرو کی تسلی سے ذرا بہل گئی تھی۔ مگر تیسرے ہی دن میرو کی قسمت اچھی تھی یا زندگی ابھی باقی تھی کہ وہ کالج سے ذرا جلدی نکل آیا تھا کیونکہ خدیجہ صبح سے ہی ارم کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ نہ وہ تو بعد میں اس کے کسی دوست نے خبر دی تھی کہ کچھ بندے اسے ڈھونڈتے ہوئے کالج آئے تھے میرو نے فوراً ہی وہ گھر اور شہر چھوڑ کر دوسرے شہر کا رخ کیا تھا اور وہاں اگرچہ مشکلات اور کٹھنائیاں تو تھیں ہی مگر اس کا تکنیکی کام کا ڈپلومہ آخر کار کام آیا تھا اور ایک ورکشاپ میں کام سکھانے کے لیے رکھ لیا گیا تھا۔ اگرچہ ابھی وہ اپنا امتحان نہیں دے سکا تھا کیونکہ زندگی جیسا بڑا اور اہم امتحان اسے درپیش تھا روزگار اور گھر کی فکر حل ہوتے ہی اسے اپنے باپ کی اور خدیجہ کی ماں کی فکر لاحق تھی کہ اگر ان کو یہ پتہ چل چکا تھا کہ خدیجہ اس کے ساتھ گئی تھی تو ان کے ماں باپ یقیناً سخت مشکل میں تھے۔

❀❀❀❀

"یقین کریں بڑی بیگم...... مجھے نہیں پتہ کہ ایسا کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔" وہ نظریں جھکائے سلمیٰ بیگم کے کٹہرے میں کھڑی تھیں۔

"نہ بھئی پتہ ہوتا تب بھی اولاد تو ماں پر ہی پڑتی ہے ناں اس نے بھی تمہارے نقش قدم پر چلنا تھا۔ مگر یہ اس لڑکی کی بھول ہے کہ اس کے گناہ کو معاف کیا جائے گا۔ کہاں تک اور کب تک چھپیں گے وہ۔ ایک دن تو بل میں سے نکلیں گے ناں۔" وہ تنفر سے بولیں۔

"معاف کر دیں بڑی بیگم...... نادان ہے وہ غلطی ہو گئی اس سے۔ جو بھی سزا ہے وہ میں بھگتنے کو تیار ہوں۔ آپ اس کی تلاش چھوڑ کر دفع کریں اسے۔" ان کے ارادے سن کر وہ گڑگڑا کر رو پڑیں۔

"نہیں ارم بی بی...... آج اس کو چھوڑ دیا تو کل تم اور تمہاری اولاد جیسے کمی اور منہ زوری کو آئیں گے۔ ان کا تو بڑے شاہ صاحب وہ حشر کریں گے کہ رہتی دنیا تک لوگ عبرت پکڑیں گے۔" سلمیٰ بیگم کے سر پر انتقام کا بھوت سوار تھا کہ ان کے نشئی بھائی کے ہاتھ سے شکار کوئی اور لے بھاگا تھا۔ وہ کیسے جانے دیتیں۔ ارم کو اب بس اللہ کا آسرا تھا۔ سو اس نے اسی سے مدد لینے کی ٹھانی تھی۔ اسے اور میرو کے باپ کو جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بنایا گیا تھا مگر دونوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ تھوڑی سی تفتیش سے ہی پتہ چل گیا تھا کہ وہ میرو کے ہمراہ گئی تھی۔ تین چار دن بعد ان دونوں کا

شہر سے بھی سراغ ملا تھا مگر اس کے بعد وہ دونوں اچانک غائب ہوگئے تھے۔

❁❁❁❁

"کیا بک رہے ہو وسایا خان......" وہ اس اچانک خبر پر مارے طیش کے دھاڑے۔ گھر میں شادی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ ارباز شاہ ابھی کچھ دیر قبل ہی دوسرے گاؤں سے واپس آئے تھے۔ اپنے کمرے میں ابھی آرام سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسری طرف سے جو خبر انہیں سنائی گئی تھی۔ وہ انہیں حواس باختہ کرگئی تھی۔

"تو یہ خبر سنانے سے پہلے کیوں نہ گیا وسایا...... خیر تجھے تو میں دیکھ لوں گا۔ پہلے مجھے تفصیل بتا کر کہاں پر یہ واقعہ ہوا...... اور کتنے لوگ تھے...... کہاں سے آئے اور کس طرف گئے ہیں؟" کمرے میں داخل ہوتی ان کی بیگم ان کا غضب ناک انداز دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر رہ گئیں۔

"کیا ہوا شاہ صاحب...... !خیریت تو ہے ناں؟"

"منت کو کسی نے شہر جاتے ہوئے اغوا کرلیا ہے۔ شریفاں اور وسایا زخمی ہیں۔ ابھی یہ خبر پھیلنے نہ پائے جلدی سے سکندر کو بلواؤ اور پتہ کراؤ مراد شہر گیا تھا۔ واپس آ گیا؟" وہ پیشانی پر ہزاروں سلوٹیں لیے زخمی شیر کی طرح ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ وہ ہائے میرے اللہ کہہ کر رہ گئیں۔

"جو کہا ہے وہ کرو اور ابھی بھنک نہ پڑے کسی کو۔" وہ دھاڑ کر بولے تو وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

❁❁❁❁

مگر اس کو ڈھونڈنے کی ساری کوششیں بے اثر ٹھہریں۔ ان لوگوں نے کوئی بھی نشان نہ چھوڑا تھا اور اب اس بات کو دو دن ہونے کو آئے تھے۔ آنے والا ہر نیا دن حویلی کے مکینوں کو ہولا رہا تھا کہ شاہوں کے خاندان کی پہلی شادی تھی۔ دور دور سے مہمان آ چکے تھے۔ خبر دور تک تو نہیں لیکن قریبی ملازمین تک بھی پہنچ ہی چکی تھی۔ خدیجہ نے دکھے دل سے ذورین کو بتایا تھا۔

"دنیا مکافات عمل ہے اماں...... والدین کے گناہوں کا بھگتان اولاد کو بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ اس میں کیا عجیب بات ہے۔ ساری زندگی لوگوں کو اپنی مرضی کی بساط پر چلانے والوں کو بھی قدرت کی بساط پر چلنا پڑتا ہے۔" وہ عجیب سی یاسیت سے بولا۔ اگرچہ دل اس مغرور اور نخریلی لڑکی کے ساتھ ہونے والے حادثے پر عجیب سی اداسی محسوس کرنے لگا تھا۔

"نہ بچے...... اللہ اولاد کا دکھ اور آزمائش دشمن کو بھی نہ دکھائے اور مراد علی شاہ نے تو کبھی کسی چڑیا کو بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ بس دعا کرو ان کی یہ آزمائش ختم ہوجائے۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے ان کا دکھ دل پر محسوس کررہی تھیں۔

"مجھے بھی آپ کی طرح دکھ ہورہا ہے اماں...... مگر انسان اپنے بڑے بول کی پکڑ میں تو آتا ہی ہے ناں مراد علی شاہ نہ سہی ان کی صاحب زادی تو لوگوں کے دلوں کو توڑنے میں مہارت رکھتی تھیں خیر سے، بہت زعم تھا ان کو اپنی اونچی حیثیت اور اعلیٰ نسبی کا' گاؤں کے دوسرے لوگوں کو کیڑے مکوڑے سمجھ کر روندتی پھرتی تھیں محترمہ اپنے منگیتر کے ساتھ مل کر اور اللہ کی مخلوق کو حقیر سمجھ کر پاؤں تلے روندنے والے لوگ بھول جاتے ہیں کہ مسلے جانے پر تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ ہر کوئی ارم بی بی خدیجہ یا ذورین نہیں ہوتا جو اللہ پر انتقام چھوڑ کر بیٹھا رہے۔ کچھ بے صبرے لوگ انتقام کو قرض سمجھ کر جلدی اتار دیتے ہیں۔ مجھے تو یہ ایسا ہی کوئی سلسلہ لگ رہا ہے ورنہ شاہوں سے ٹکر کوئی ایسے نہیں لے سکتا۔" اس کا تجربہ بالکل درست تھا۔ اس لیے خدیجہ خاموش رہیں تاہم وضو کرکے نماز حاجت کے لیے ضرور جائے نماز پر جا کھڑی ہوئیں۔

❁❁❁❁

جب خدیجہ کی ماں سے ملنے کی تڑپ شدید ہوئی تب میرو نے بہت سوچ سمجھ کر اسے شہر چھوڑا اور رات کے وقت اپنی پھوپو کے گاؤں گیا تھا۔ اس نے دو موبائل مع سم اپنی پھوپو کے حوالے کرکے اپنے باپ تک اور ارم تک رازداری سے پہنچانے کی درخواست کی تھی اور ان دونوں سے ملاقات ایک مزار پر جو کہ اگلے گاؤں کی حد میں تھا میں طے کرکے لوٹ آیا تھا۔ پھر پھوپو نے واقعی ان کا کام دو دن

میں کر دکھایا تھا۔ ماں باپ سے بات کر کے دونوں ہی بہت افسردہ ہوئے۔ میرو تو فوراً ہی گاؤں جانے پر تیار ہوگیا تھا مگر اس کے ابا نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ گاؤں مت آئے اس کی اور خدیجہ کی جان کو سخت خطرہ ہے۔ پھر ان سب نے مزار پر ملنے کا پروگرام بنایا تھا جو ان کے گاؤں سے تین چار کلومیٹر دور تھا۔ وہ دونوں ہی ماں باپ کو اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھے مگر دونوں نے انہیں یہی سمجھایا تھا کہ یہاں رہنے سے دشمنوں کی توجہ یہیں مرکوز رہے گی ورنہ وہ ان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ یوں وہ پہلی ملاقات ان سب کی اگلی ملاقاتوں کا پیش خیمہ بنی تھی۔

❀❀❀❀

باوجود کوشش کے بھی منت کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ گھر کے تینوں مرد بے حد پریشانی کی حالت میں ڈیرے پر موجود تھے۔ ارباز شاہ نے علاقے کے ایس ایچ او کو بلوانے کا سوچا انہیں لگتا تھا کہ پانی سر سے گزر چکا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا جب ہی سکندر شاہ کے نمبر پر چودھری کامران کی کال آئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کی۔

''چودھری کی عزت کو سر راہ روکنا اور تنگ کرنا آسان بات نہیں چوڑیاں چودھریوں نے بھی نہیں پہنی ہوئیں۔''

''تم......؟'' اس کے منہ سے ایک گالی نکلی مگر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے مختصری صورت حال باپ اور چچا کو بتائی اور تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ ارباز شاہ کے چہرے کے نقوش تن گئے تھے جب کہ مراد علی شاہ ڈھیلے ہو کر صوفے پر گرے اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''کیوں پریشان ہوتا ہے مراد ے۔ چودھریوں کو تو ہم دیکھ لیں گے۔ اللہ کا شکر ادا کر بچی بخیریت ہے اور کچھ دیر بعد ہمارے پاس ہوگی۔ کل شادی کا دن ہے۔ تم پریشان تھے ناں کہ کیا ہوگا اب فکر مت کرو سب کچھ اپنے وقت پر ہوگا۔'' ارباز شاہ نے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مگر چودھری کامران نے ایسا کیوں کیا...... جہاں تک میں جانتا ہوں وہ کھلنڈرا اور لاپروا نوجوان ہے مگر جو ذلیل حرکت اس نے کی وہ کیا سوچ کر کی ہے؟''

''اڈو کیوں فکر کرتا ہے مراد شاہ...... ان چودھریوں کا تو میں وہ عبرت ناک حشر کروں گا کہ ان کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ ایک بار یہ شادی ہو جائے پھر ان کے گھر کی ساری عورتیں......''

''بس ادا اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔ میری بیٹی مل گئی ہے۔ یہی بڑی بات ہے میرے لیے۔ عورت کسی بھی طبقے یا گھر کی ہو میرے لیے قابل احترام ہے۔ گھر کی عزت ہے عورت ہر روپ میں چاہے ماں ہو، بیوی یا بیٹی دشمنی میں عورت کو درمیان میں لے آنے والے کو میں مرد ہی نہیں سمجھتا۔'' وہ جذباتی ہو کر بولے۔

❀❀❀❀

ماں کی وفات کے بعد وہ بہت گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ قلق ہی جینے نہ دیتا تھا کہ اسے مری ماں کا منہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ تو ان کے مرنے کی خبر ملتے ہی جانے کو تیار ہوگئی تھی مگر میرو بڑی مشکل سے اسے روک پایا تھا اپنے دو معصوم بچوں کا واسطہ دے کر کہ دشمن کتے کی طرح ان کی بو سونگھتا پھر رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی حویلی والے مار ڈالیں گے تو ان دو معصوم جانوں کا کیا ہوگا۔ بلک بلک کر روتی وہ ماں کو یاد کرتی رہی تھی۔ اگلی بار اپنے ابا سے ملنے جب میرو جا رہا تھا تو اس نے ضد کی تھی کہ اسے اپنی ماں کی قبر پر جانا ہے۔ میرو اس امر کے لیے متذبذب تھا کیونکہ گاؤں کا قبرستان حویلی کے پاس ہی تھا اور وہ بہت آمدورفت والا راستہ تھا۔ نہیں جانتی تھی کہ اس کی یہ ضد اسے بہت مہنگی پڑنے والی ہے ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کرتی۔ اگرچہ وہ دونوں بچوں کے ہمراہ رات گہری ہونے کے بعد گاؤں کی حدود میں داخل ہوئے تھے اور ابھی اسے ماں کی قبر پر کھل کر رونے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ ارباز شاہ کے بندوں نے آن لیا تھا۔ میرو کو تو انہوں نے شاہ صاحب کے حکم کے مطابق وہیں گولی مار دی تھی اور اس کو بچوں سمیت ارباز شاہ کے سامنے لا پھینکا تھا۔ جس پل اس ظالم

شخص نے ننھے فرشتوں کی طرف بندوق تانی تھی میرو کی اندوہناک موت کو بھول کر وہ اس فرعون کے پیروں میں گر گئی تھی۔

❁❁❁❁

"میں یہ شادی نہیں کرسکتا۔" یہ اعلان نہیں تھا ایک قیامت تھی جو اس نے مراد علی شاہ کے خاندان پر توڑی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ ویسی ہی ہے جیسے شادی سے پہلے تھی لیکن میں نے اگر اب منت سے شادی کی تو چودھری کامران کے سامنے سینہ چوڑا کرکے کبھی نہیں جاسکوں گا۔ میں نے اس بازار کی عورت پر دوسری نظر بھی نہیں ڈالی جس پر پہلی نظر چودھری ڈال چکا ہو۔ یہاں وہ دو راتیں اس کے پاس گزار کے آئی ہے۔ میری انا گوارا ہی نہیں کرتی اس عورت کو زندگی میں لانے کی جو اس کی تحویل میں رہ چکی ہو۔" اس نے دوٹوک اپنے باپ کو کہا اور خود موبائل بند کرکے اپنی جیپ نکال کر شہر کی طرف نکل گیا تھا۔ فی الوقت وہ نہ تو چاچا مراد علی شاہ کا سامنا کرنا چاہتا تھا نہ منت کے سوالوں کا کیونکہ ایک بات تو طے تھی کہ وہ منت مراد علی شاہ سے محبت کرتا تھا اور باہر چاہے جتنی بھی رنگینیاں کرلیتا اپنی زندگی میں لانے کے لیے اس نے صرف ایک اسی کے بارے میں سوچا تھا۔

❁❁❁❁

حویلی میں اب گزرنے والی زندگی پچھلی زندگی سے بھی بدتر تھی۔ درمیان کا دو سال کا وہ عرصہ کسی خواب کی مانند تھا جو میرو کی ہمراہی میں گزرا تھا۔ ایسی اذیت ناک زندگی سے بہتر تھا کہ ارباز شاہ میرو کے ساتھ ان سب کو مار ڈالتا۔ سلمیٰ بیگم اپنی راجدھانی میں اب اپنی بہن کو بھی مراد علی شاہ کی دلہن بنا کر لے آئی تھی۔ زندگی میں اگر اس کی تھوڑی بہت دلچسپی تھی تو میرو کی وہ ننھی نشانیاں جو اسے زندہ رہنے پر مجبور کرتی تھیں۔ مراد علی شاہ نے البتہ گھر والوں سے چھپ کر ہی سہی میرو کی المناک موت پر اس سے افسوس ضرور کیا تھا [illegible]

❁❁❁❁

نکاح ہونے تک وہ بمشکل ہال میں رکی تھی۔ جیسے ہی بابا جان گواہان اور مولوی کے ہمراہ باہر گئے وہ مہمانوں اور دیگر لوگوں کی پروا کیے بغیر بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ لباس جس کو اس نے سکندر شاہ کے ساتھ بڑے چاؤ سے خریدا تھا جسم پر بوجھ کی طرح معلوم ہورہا تھا۔ جو زیور پہنایا گیا تھا اسے نوچ نوچ کر پھینک دیا اس نے۔

اسی دوران ایک جھمکا اس طرح سے پاؤں میں چبھا تھا کہ وہ پاؤں پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔ پے درپے کچھ اس قسم کے حالات پیش آئے تھے کہ دماغ اس بات کو بمشکل قبول کررہا تھا کہ دوسرا انہونا واقعہ دماغ کی چولیں ہلا ڈالتا۔ پہلے اچانک اغوا ہونا' دو روز تک وہ اتنا روئی تھی کہ آنکھوں کے آنسو بھی ختم ہوگئے تھے۔ ابھی وہ ٹھیک طرح سے شکر بھی ادا نہ کرپائی تھی کہ اس کی عزت اور زندگی دونوں بچ گئی تھیں کہ سکندر شادی سے انکار کرکے نہ جانے کہاں جاکر چھپ گیا تھا اور ابھی وہ اس پریشانی سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس کے بابا نے اپنے باپ ہونے کا خراج اس صورت میں مانگا کہ وہ کچھ لمحے قبل وہ ایک ایسے شخص کا نصیب بنادی گئی تھی۔ جس کے بارے میں اس نے اپنی آخری سوچ بھی کبھی نہیں رکھی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں شامل ہوگا۔ ذورین امیر جس کی آنکھیں ہمیشہ اس کے سامنے جھکی رہی تھیں اور جب اٹھی تھیں تو ان میں اسے ایک عجیب سا احساس نظر آیا تھا وہ شاید یہی تھا کہ وہ حویلی سے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اپنا حق ضرور وصول کرے گا اور بالآخر اس نے یہ حق سود سمیت وصول کرلیا تھا۔

"میری عزت کی لاج رکھ لو منت...... سات گاؤں سے مہمان اس شادی میں شرکت کے لیے جمع ہیں۔ کیا کہوں ان سے کہ دلہا یہ کہہ کر اس شادی سے انکار کرچکا ہے کہ وہ ایک اغوا ہوئی لڑکی کو اپنا شریک حیات نہیں بنا سکتا۔ اس سے رابطے کی ساری صورتیں بیکار گئی ہیں۔ ڈھونڈا اسے جاتا ہے جو گم ہوجائے۔ جو چھپ جائے اس کے پیچھے جانا بے وقوفی ہوتی ہے۔ ذورین بھی [illegible]

ہے۔ شریف پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا بچہ ہے۔ اس وقت برادری میں نگاہ دوڑاؤں تو کوئی مجھے تمہارے معیار کا نظر نہیں آتا بچے...... ایک دو ہیں اوباش بگڑے ہوئے رئیس زادے جن کے ساتھ رخصت کرنے کے بجائے میں اس بدنامی کو مول لینا زیادہ پسند کروں گا جو ہمارے گھر کی دہلیز پھلانگنے کو بے تاب کھڑی ہے۔ میرے بندھے ہاتھوں کی لاج رکھ لو بچے۔" وہ رو پڑے تھے تو منت بھی ان کے ہاتھ تھام کر بلک بلک کر رو دی تھی۔ پھر اپنے باپ کے ہاتھ کو چومتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"میں آپ کا سر کبھی نیچا نہیں ہونے دوں گی بابا...... آپ کی جو مرضی آپ کریں مگر میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس کے جواب نے جیسے منوں بوجھ مراد علی شاہ کے سر سے اتار دیا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئے تھے۔

❁❁❁❁

"ابھی اسے تھوڑا وقت دو بیٹا...... یہ بہت کڑا وقت ہے اس کے لیے اور تمہارے لیے بھی۔ تم ایک مرد ہو ماشاء اللہ اور ایک مرد ہر قسم کے حالات میں اپنے اعصاب پر قابو پالیتا ہے مگر عورت بہت کمزور ہوتی ہے۔ وہ برداشت نہیں کرسکتی۔ یقیناً یہ وقت بہت مشکل ہے۔ اسے سوچنے سمجھنے اور خود کو حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے کا وقت دو مگر مطمئن رہو کہ اس نے ہاں کی ہے تو ہی ادا مراد نے اسے تمہاری ہمراہی میں دیا ہے۔" خدیجہ اسے سمجھا رہی تھیں کہ تھا تو وہ بھی مرد ہی یہ نہ ہو منت کے نکاح کے بعد فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کر کمرہ بند کر کے رکھنے کو اپنی توہین سمجھے۔

"میں سمجھتا ہوں اماں، آپ بے فکر رہیں۔ ویسے اس سے پہلے آپ کو میری فکر ہوتی تھی ہمیشہ آج اپنی بہو کی فکر ہو رہی ہے۔" اس نے دانستہ ماں کو اداسی سے نکالنا چاہا اور اس میں خاطر خواہ کامیاب بھی رہا تھا۔ وہ اس کی بات سن کر ہنس دیں۔

"ہاں تو کیوں نہ ہو گی مجھے اس کی فکر۔ میرے بھائی کی بیٹی ہے لاڈوں پلی۔ اس کی آنکھ میں آنسو بھی آئے یہ برداشت نہیں ہوتا مجھ سے وہ تو تتلی کی طرح اڑتی اور چڑیا کی طرح چہچہاتی ہی اچھی لگتی ہے۔" خدیجہ اب منت مراد علی شاہ کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں جس نے انہیں کبھی در خود اعتنا نہ جانا تھا۔

❁❁❁❁

سکندر شاہ لوٹ آیا تھا۔ یہ خبر جیسے ہی منت تک پہنچی تھی، مردہ تن میں جان پڑ گئی تھی۔ تین دن سے ایک ہی لباس میں ملبوس اس نے صرف دو وقت کا کھانا زہر مار کیا تھا باقی تمام وقت کمرہ تاریک کر کے اس کا رونے میں گزرا تھا۔ بجلی کی تیزی سے اس نے کپڑے تبدیل کر کے میک اپ کیا بال کھلے چھوڑے ہلکا پھلکا زیور پہنا اور خوشبو میں بسی باہر آ گئی تھی۔

"ماں صدقے کتنی پیاری لگ رہی ہے میری شہزادی...... ناشتا لگواؤں؟" اس کی ماں اس کو دیکھ کر لپک کر اس کے پاس آئیں۔ منت کو ملازمہ نے بتایا تھا کہ سکندر سائیں رات گھر آ گئے تھے اور اب گھر کے مردوں کے باہر جانے کے بعد ناشتا کر رہے ہیں۔ کچھ سوچ کر ہی اس نے ایک پروگرام ترتیب دیا تھا۔

"ہاں اماں ناشتا لگوائیں تم جا کر ذورین کو بلا کر لاؤ۔ کہو جلدی آئیں ابھی۔" ماں کو جواب دے کر اس نے پاس سے گزرتی ملازمہ کو آواز دے کر کہا۔ وہ سر ہلاتی چلی گئی۔ منت ڈائننگ روم سے گزر کر باہر چلی آئی۔ ہال میں نظر ڈال کر اس نے اطمینان کر لیا تھا کہ وہ ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ بے چینی سے وہ باہر ہی ٹہلنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے ملازمہ کے ہمراہ اسے آتے دیکھا۔ وہ اپنے مخصوص حلیے اور انداز میں تھا گویا اس شادی نے اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ ہمیشہ والی بے نیازی محسوس کر کے وہ سلگ سی گئی مگر چہرے پر مسکراہٹ سجائی تھی۔ ذورین نے بھی حیرت سے اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھا۔ ایک خوش گوار سی حیرت کا احساس ہوا...... مگر فوراً ہی اس نے اپنی نظریں جھکا کر اس کے بالکل سامنے آ کر مودبانہ انداز

میں جی بی بی جی کہا تھا۔ جواب میں اس کا جو انداز تھا وہ ذورین کو حیرت زدہ کر گیا تھا۔ کھلکھلاتے ہوئے اس نے اس کا بازو پکڑا اور تیزی سے اسے گھسیٹ کر لے جانے لگی۔ انداز اور لہجہ ایسا تھا جیسے بہت خوش گوار تعلقات ہوں ان کے بیچ۔ ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہی ذورین ساری کہانی سمجھ گیا تھا۔ ایک طویل سانس بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔

"آؤ ناں ذورین...... میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ پتہ بھی ہے کہ تمہارے بغیر اب مجھے اکیلے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔" بازو سے تھامے وہ اسے لیے ٹیبل تک آئی اور پھر اس کے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھنے کو کہا اور جا کر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ جب کہ مرکزی کرسی پر بیٹھے سکندر شاہ کے ماتھے کے بل صاف گنے جا سکتے تھے۔ ملازمہ اب ناشتہ لگا رہی تھی۔ منت نے لوازمات اٹھا اٹھا کر ذورین کی آگے رکھنا شروع کیے۔ ذورین صورت حال سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے استعمال کر رہی ہے۔ سو کندھے اچکا کر ناشتا شروع کر دیا۔ تاہم لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نے ضرور قبضہ جما رکھا تھا۔

"سنو...... تم نے ہنی مون پلان کیا کہ کہاں پر چلیں؟ مجھے تو ہنزہ کے برف پوش پہاڑ دیکھنے ہیں تمہارے ہمراہ۔ پورا ملک تو میں گھوم چکی ہوں۔ تمہارے ساتھ اپنی پسندیدہ جگہوں کو دیکھنے کا الگ ہی لطف ہوگا۔" کن اکھیوں سے سکندر شاہ کے سرخ پڑتے چہرے اور بھینچے لبوں کو دیکھ کر اس نے ایک نئی بات شروع کی۔ اس بے شرمی پر ذورین نے پہلی نظر منت پر ڈالی پھر دوسری سکندر شاہ پر۔ جس نے نیپکن اتار کر ٹیبل پر پھینکا پھر کرسی گھسیٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ساتھ ہی ان دونوں پر قہر بھری نظر ڈالنا نہ بھولا تھا۔

"اور تم...... کسی بھی خوش فہمی میں مت رہنا سکندر شاہ سے میری جنگ میں ایک مہرہ ہو صرف تم' یہ جنگ جیتنے کے بعد میں تمہارے بارے میں فیصلہ کروں گی کہ کیا کرنا ہے۔ مجھے کیونکہ رشتہ بدلنے سے تمہاری حیثیت میرے نزدیک نہیں بدلی۔ ویسی کی ویسی ہے۔" سکندر شاہ کے جانے کی دیر تھی کہ اس کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔ ابھی وہ سکندر شاہ کے جانے پر غور ہی کر رہا تھا کہ باقاعدہ اسے متوجہ کر کے اس نے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔ ایک اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے ذورین نے رومال سے اپنا منہ صاف کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"احمقوں کی دنیا میں رہتی ہیں آپ ورنہ ہرگز یہ نہ بھولتیں کہ رشتہ بدلنے سے حیثیت تو خود بخود ہی بدل گئی ہے میری۔ اب فیصلے کی ڈور آپ کے ہاتھ سے نکل کر میرے اختیار میں ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان رشتہ قائم رہنا یا نہ رہنا میری صوابدید پر ہے اور ہم لوگ جس رشتے کو ایک بار بنا لیں مرتے دم تک نبھاتے ہیں۔ اس رشتے کا ٹوٹنا اب ایک ہی صورت ممکن ہے...... "وہ کہتے ہوئے رکا اور میز پر دونوں ہاتھ جما کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ منت مراد علی شاہ بل کھا کر رہ گئی تھی۔

"اور وہ ہے میری موت...... جیتے جی تو اب آپ کو میری زوجیت سے کوئی مائی کا لعل نہیں نکال سکتا۔ بہتر ہوگا اس حقیقت کو تسلیم کر کے ان بے وقوفانہ خیالوں سے باہر آئیں' ورنہ مجھے ہی اس رشتے کو ثابت کرنا پڑے گا۔ حویلی کے اسی کونے میں آپ کا ایک گھر ہے جہاں آپ کا شوہر اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ جلد ہی وہاں قدم رنجہ فرما لیں نہیں تو میں آپ کو لے گیا تو پھر شکایت مت کیجیے گا۔" بے حد اعتماد سے اس نے کہا اور پُر وقار طریقے سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

"گو ٹو ہیل ذورین امیر...... تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔" اپنے پیچھے اس نے چیخنے کی آواز سنی تھی۔ مسکراتا ہوا وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

"میرے اللہ کو پتا نہیں میری کون سی نیکی پسند آ گئی تھی یا میری ماں کی میرے حق میں دعائیں تھیں جو آپ کو بن مانگے مجھے عطا کر دیا اور اللہ کی اس نعمت کو میں ضائع کیسے کر سکتا ہوں؟" اس نے سوچا اور پھر اپنے مخصوص کاموں کی جانب چل دیا جو اس کے ذمہ تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ

زبردستی کے ہی سہی اس نکاح کے بعد اس کے اندر باہر کی دنیا بدل گئی تھی۔ ساری منفی سوچیں اور خیالات دھواں بن کر اڑ گئے تھے۔ دوسری طرف وہ اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کمرے کا دروازہ کھول کر وہ داخل ہوا تھا۔

"یہ تھی تمہاری محبت...... یہ تھے تمہارے وعدے...... دو دن بھی صبر نہیں ہوسکا تم سے اور شادی رچالی وہ بھی کس سے، جس کو میں نوکر بھی بنانا پسند نہ کروں اور تم نے اس کو سر کا تاج بنالیا۔ ذرا تو انتظار کیا ہوتا کہ کوئی راستہ ہی نکل آتا۔" بازو سے جھنجوڑ کر وہ کہہ رہا تھا۔ منت نے غصے سے اپنا بازو چھڑایا اور دور جا کھڑی ہوئی۔

"واہ یہ اچھا طریقہ ہے اپنا گلٹ چھپانے کا...... اپنی غلطی دوسروں کے سر تھوپ کر خود دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھنا تو شروع سے تمہاری عادت تھی سکندر شاہ...... مگر افسوس کہ میرے ساتھ تم نے پہلی اور آخری بار اس طرح کیا تو اب اچھی طرح اندازہ ہوا تمہاری فطرت کا۔" وہ تنفر سے بولی۔

"بہرحال اب وہ میرے سر کا سائیں ہے اور نوکر کو کیسے مالک بناتا ہے یہ میں جانتی ہوں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... آئندہ میرے خاوند کو نوکر کہنے کی جرأت مت کرنا سکندر شاہ۔" مزید اس نے کہا اور رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی کہ آنسو آنکھوں سے باہر نکلنے کو بے تاب نظر آرہے تھے۔

"میں بہت پریشان تھا منت...... اس خبیث کی باتوں نے اور فون کالز نے مجھے انگاروں پر لا کھڑا کیا تھا، اس وقت مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ یقین کرو تم پر مجھے آج بھی اتنا ہی یقین ہے جتنا کل تھا اور جس گھٹیا انسان کے طعنوں سے ڈر کر میں نے شادی سے انکار کیا تھا وہ بزدل ملک چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔ میں تمہیں ایسے کسی کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں اپنے سوا کسی کا ہوتے دیکھنا تو دور تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھے معاف کردو منت...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" جیسے جیسے وہ گڑگڑا رہا تھا ویسے ویسے منت مراد علی شاہ کے اندر لگی آگ پر پھوار پڑ رہی تھی۔ اس کی ذات کا غرور لوٹ رہا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو منت مراد علی شاہ کو ٹھکرا سکے اور غلطی سے ایسا کر بھی لے تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے فیصلے پر پچھتانے پر مجبور نہ ہوتا۔ وہ اب بھی ویسے ہی رخ موڑے کھڑی تھی مگر اب گردن فخر سے تنی ہوئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

وہ منشی سے زمین کے حوالے سے کوئی بات کر رہا تھا کہ سامنے نظر آنے والے ایک منظر نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اپنی مخصوص جگہ پر وہ دونوں ہی تھے بالکل سامنے نظر جمائے کھڑی منت اور لجاجت سے کچھ کہتا سکندر شاہ۔ اب پرانی بات نہیں تھی کہ وہ خاموش کھڑا رہتا۔ منشی کو رخصت کرکے سیدھا اسی طرف چلا آیا۔

"گھر چلیں...... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" سکندر شاہ کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے منت سے کہا تو سکندر شاہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی ہمیں ڈسٹرب کرنے کی، جس نام نہاد رشتے کے بل پر اکڑ رہے ہو وہ اس وقت کے حالات کا تقاضا تھا یا ہمارے بڑوں کی جلد بازی مگر تمہیں ہرگز بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ تم اس کو ایسے مخاطب کرو۔ عنقریب تم سے یہ وقتی اعزاز بھی واپس لیا جانے والا ہے۔ اس لیے اپنی اوقات مت بھولو اور جا کر کام کرو اپنا۔"

"میں اس وقت اپنی بیوی سے بات کر رہا ہوں شاہ صاحب...... اور ڈسٹرب میں نہیں آپ کر رہے ہیں ہم دونوں کو بھی اور ہمارے رشتے کو بھی۔ ویسے بھی جو رشتے اللہ کی رضا سے طے کیے جائیں ان پر دنیا کی کوئی طاقت میلی آنکھ نہیں ڈال سکتی۔ اس لیے آپ اس وقت اپنی اوقات یاد کریں کہ میں منت کا شوہر ہوں اور آپ نام نہاد کزن جس کا کوئی شرعی رشتہ نہیں...... مرد اور عورت کے درمیان۔" اس کو ٹھنڈے لہجے میں جواب دے کر وہ منت

کی طرف مڑا۔

"آپ گھر چل رہی ہیں یا مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔" اس کی بات پرمنت نے تیکھے چتون سے اسے گھورا مگر کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے دور سے مراد علی شاہ کو آتے دیکھا' اس لیے بغیر کسی بحث کے اس کے آگے چل دی تھی۔ سکندر شاہ کو تلملاتا چھوڑ کر زورین نے ایک جتاتی ہوئی نظر سکندر شاہ پر ڈالی تھی۔

"میری چپ کو میری ہار مت سمجھنا زورین...... میں اگر اس وقت تمہارے ساتھ آ گئی ہوں تو کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے بابا جان سے میں بہت محبت کرتی ہوں اور ان کے سامنے میں کوئی تماشا نہیں چاہتی' مائنڈ اٹ کہ ابھی میرا تمہارے ساتھ اس رشتے کو قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا حتمی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس لیے زیادہ اُور ایکٹنگ کی ضرورت نہیں۔" وہ چڑ کر بولی' مگر زورین نہ جانے کیوں غصہ ہونے کی بجائے مسکرا دیا۔ پھر جیسے ہی وہ حویلی کا مین گیٹ عبور کر کے مرکزی رہائش گاہ کی طرف بڑھنے لگی۔ زورین نے اس کا بازو تھاما اور کونے میں بنی اپنی رہائش گاہ کی طرف لے آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے جنگلی انسان...... چھوڑو میرا بازو۔" اس نے اپنا بازو اس کی سخت گرفت سے چھڑاتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"آپ کا تو اپنے سسرال اپنے گھر آنے کا ارادہ نہیں...... مجھے ہی اس نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ویسے بھی مراد علی شاہ ہمارے پیچھے ہی ہیں اور آج صبح ہی مجھے بلا کر اپنی لاڈلی بیٹی کے متعلق بہت سی ہدایات دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ اپنے گھر میں خوش تو ہے ناں' تنگ تو نہیں کرتی مجھے یا امی کو۔ معصوم سے مراد علی شاہ کو اتنا بھی نہیں پتا تھا کہ لاڈلی بیٹی نے رخصت ہو کر آنا تو ایک طرف ایک نظر بھی اپنے گھر اور دلہا پر ڈالنا گوارا نہیں کیا۔" اس کی بات سن کر وہ جو رک گئی تھی۔ ڈھیلے قدموں سے اس کے ساتھ خدیجہ کے گھر کا بیرونی دروازہ پار کر آئی۔ ابھی کل ہی تو اس نے سکندر شاہ کو معطف کہتے اس کے ساتھ اگلی

زندگی کے کئی پروگرام بنائے تھے۔ جب شام میں مراد علی شاہ نے اسے بلوا بھیجا تھا۔ بہت پیار اور مان سے انہوں نے کہا تھا کہ زورین بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ اس کے ساتھ خوش رہے گی۔ اسے جلد ہی اس رشتے کو قبول کر لینا چاہیے۔ اسی میں اس کی اور اس خاندان کی بہتری ہے۔

"دیکھو بیٹا...... زندگی گزارنے کے لیے انسان مرد ہو یا عورت اس کی پہلی ترجیح عزت اور احساس ہونا چاہیے۔ میں سکندر شاہ کے لیے آپ کے احساسات سے واقف ہوں' مگر جو شخص زندگی کے اہم اور مشکل موڑ پر آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے' اپنے رشتے کی اہمیت' وقت کی نزاکت اور سب سے بڑھ کر خاندان کی اور لڑکی کی عزت کا خیال کیے بغیر...... اس سے دوبارہ کسی بھی معاملے میں امید لگانا سراسر بے وقوفی ہے اور تم نے وہ قول تو سنا ہی ہوگا کہ مومن ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا' سکندر شاہ اب جو بھی توجیہہ دے' جو بھی بہانا بنائے یہ تو طے ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنی خواہشات کو ہر چیز پر فوقیت دینے والا شخص ہے۔ خدیجہ کی بہت عزت کرنا بچے' وہ حالات کی ستائی ہوئی عورت ہے۔ جسے زندگی کی تلخیوں اور اپنوں کے ظلم نے بہت خالص کر دیا ہے۔ کندن کی طرح اس نے اپنی ساری خصوصیات اپنی اولاد میں منتقل کر دی ہیں۔ زورین بھی اپنے ماں باپ جیسا ہے۔ عزت پر جان قربان کرنے والا اس کی قدر کرنا بیٹے۔" وہ سکندر شاہ کی واپسی اور اس کا منت سے معافی تلافی کا سلسلہ جان گئے تھے شاید اس لیے ان باتوں کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سمجھایا تھا۔ جسے سن کر منت بوجھل دل کے ساتھ اٹھ آئی تھی۔ اس نے جورات فیصلہ کیا تھا کہ وہ جلد ہی زورین کو مجبور کر دے گی کہ وہ اسے طلاق دے ورنہ وہ عدالت سے خلع لے لے گی۔ اس فیصلے میں ان ساری باتوں کے بعد دراڑ پڑتی محسوس ہو رہی تھی اور اب جب صبح سکندر شاہ کے بلانے پر وہ اپنی مخصوص جگہ پر آئی تھی دل و دماغ کشمکش کا شکار تھے اس لیے سکندر شاہ کی باتوں پر توجہ مرکوز رکھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ جو اسے ذہنی [illegible] فوری طلاق لینے کے

مطالبے کے لیے مجبور کرتے ہوئے اپنی محبت کی قسمیں دے رہا تھا کہ ذورین کی نظر پڑ گئی تھی۔

❁❁❁❁

خدیجہ تو اسے دیکھ کر نہال ہوگئی تھیں۔ ان کا اس قدر التفات دیکھ کر منت کو بے رخی برتنا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ اسے ذورین کے کمرے میں لے آئیں۔ کشادہ کمرہ صرف ایک ڈبل بیڈ اور کتابوں کے ریک کے علاوہ صرف ایک کرسی اور میز پر مشتمل تھا۔

"شادی اتنی جلدی میں ہوئی کہ میں اپنے گھر اور اس کمرے کو تمہارے شایان شان بنا سکی نہ سجا سکی مگر فکر مت کرو مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی کتنی لاڈلی اور نازوں پلی ہے۔ تمہیں تو میں نے بستر سے پاؤں بھی نیچے نہیں اتارنے دینا اور آہستہ آہستہ میرا بچہ ان تمام سہولیات کو پورا کردے گا جن کی تم عادی ہو۔ بہت صبر اور شکر والا ہے میرا ذورین، ہر کسی کا درد دل میں رکھنے والا، پتہ نہیں اللہ کو اس کی کون سی نیکی پسند آئی کہ تمہیں اس کا ہم سفر بنایا۔ اس نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے مگر ماں ہوں ناں اولاد کی آنکھیں پڑھ کر ہی اس کے دل کی خواہش جان لی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی اس خواہش کو اپنی دعاؤں کا حصہ نہیں بنایا تھا کیونکہ ہم حقیقت پسند لوگ ہیں مگر میرا اللہ بہت مہربان ہے۔ ہماری سوچوں کی حد سے بھی بڑھ کر کرم کرنے والا۔" ابھی ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ لوازمات سے بھری ٹرے کے ہمراہ وہ اندر آیا اور ان دونوں کے بیچ ٹرے رکھ دی۔

"کام پر چلتا ہوں اماں...... اب آپ جانیں اور آپ کی بہو۔" مسکراتے ہوئے کہا...... خدیجہ نے اثبات میں سر ہلایا اور منت کے لیے چائے نکالنے لگیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی منت نے بہت سا وقت خدیجہ کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ کبھی روتے کبھی ہنستے اس کے سامنے اپنی زیست کے اوراق کھول رہی تھیں۔ اس نے یہ قصے بہت بار سن رکھے تھے مگر پہلی بار اس عورت کے بلند حوصلے اور ہمت نے اس کو حیران اور متاثر کیا تھا کہ کتنا ظلم ہوا تھا اس کے ساتھ پھر بھی صبر اور شکر کے ستونوں پر اپنا گھر تعمیر کیے بیٹھی تھی۔

"آپ کو اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے تھی اور اس ظلم کے خلاف بھی جو آپ پر اس خاندان نے کیا۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ خدیجہ مسکرائیں۔

"میرے لیے میری کل متاع میرے بچے ہیں' یہ جب میرے آس پاس آ کر کھڑے ہوتے ہیں میرا سائبان وہیں بن جاتا ہے۔ مجھے اور کسی دنیاوی دولت سے کوئی غرض نہیں۔ باقی میں نے اپنا ہر معاملہ اپنے اس مالک کے سپرد کردیا۔ دیکھ لو اس نے مجھے کسی بھی منزل پر تنہا نہیں رہنے دیا۔" اولاد کی محبت ان کے چہرے پر روشنی بن کر چمک رہی تھی۔

کچھ وقت وہاں گزار کر وہ ان کو یہ کہہ کر آئی تھی کہ وہ ایک دو دن میں اپنا کچھ ضروری سامان اور ذاتی اشیاء لے کر اپنے گھر آ جائے گی۔ خدیجہ اسی میں نہال ہوگئی تھی۔

❁❁❁❁

"کوئی بھی مرد چاہے وہ کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو یہ برداشت نہیں کرتا کہ جو عورت اس کی زوجیت میں ہو کسی دوسرے مرد کو چاہتی ہو اور اسی کا دم بھرتی ہو۔ تم اس سے صاف صاف کہو کہ تمہیں طلاق دے کیونکہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور شادی کرنا چاہتی ہو۔ دیکھنا وہ تمہیں پہلی فرصت میں ہی چھوڑ دے گا۔ نہیں تو تمہیں میرے ساتھ عدالت چلنا ہوگا۔ پہلا وار سہہ بھی گیا تو ہمارے یہاں عدالت کے معاملات کو بہت غلط تصور کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اس وقت جب معاملہ عورت کا ہو تو۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ میں تمہیں شہر لے جاؤں گا ان سارے جھمیلوں سے دور۔ جہاں صرف تم اور میں ہوں گے۔" سکندر شاہ کی ان باتوں سے منت کی سوئی محبت انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ اس بار ان کا رابطہ موبائل پر ہوا تھا اور سکندر شاہ نے سمجھایا تھا کہ زندگی اس کی ہے تو فیصلہ بھی اسی کو کرنا چاہیے۔ جتنا وقت گزرے گا وہ الجھتی جائے گی اور صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہوجائے گا۔

فیصلہ کر کے وہ اٹھی اور چادر اٹھا کر اس طرف چلی آئی جہاں اس وقت ذورین کے ہونے کے امکان ہوسکتے تھے۔ اس کی توقع کے مطابق وہ وہاں اکیلا تھا۔ دو ملازم مویشیوں کا دودھ نکال رہے تھے جب کہ وہ ان سے تھوڑی دور چارپائی پر بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔ منت نے موقع غنیمت جان کر اس کی طرف دیکھے بغیر بولنا شروع کیا اور بچپن سے لے کر اپنی اور سکندر شاہ کی محبت کے قصے بیان کرنے کے ساتھ فوری طلاق کا مطالبہ بھی کر دیا۔ ساتھ ہی عدالت میں جانے کی دھمکی دے کر جس طرح آئی تھی اسی تیزی سے اٹھ کر وہاں سے چل دی تھی۔ اس کے سرخ پڑتے چہرے اور ماتھے پر موجود لاتعداد تیوریوں پر نظر ڈالے بغیر۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے منت...... تمہارے بابا کو پتہ چلا تو وہ بہت غصہ ہوں گے۔ ان کو میں نے اطمینان دلایا ہے کہ تم اپنے گھر ذورین کے ساتھ خوش ہو۔ تمہارے بابا چھوٹی حویلی میں انتظامات کرا رہے ہیں۔ خدیجہ کے سارے خاندان کو وہاں شفٹ کرنے کے لیے اور تم ہو کہ کسی اور سمت چل پڑی ہو۔ یاد رکھو کہ شریف بہو بیٹیوں کا یہ وطیرہ نہیں ہوتا۔ پہلے کی بات اور تھی۔ اب مجھے سکندر کے ساتھ تمہارا یہ میل جول ہرگز پسند نہیں۔ بھول گئی ہو کہ اس نے ہم سب کے ساتھ اور خصوصاً تمہارے ساتھ کیا کیا تھا۔" اسے باہر سے آتا دیکھ کر اس کی ماں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ سکندر سے ملنے گئی تھی۔ ویسے بھی ان کو اب اس طرح منت کا سکندر سے ملنا جلنا بالکل پسند نہیں تھا۔

"بابا کو منع کر دیں کسی بھی قسم کے انتظامات سے کیونکہ میں نے آپ کی عزت کے لیے جو قربانی دینی تھی دے چکی۔ اب میں باقی کی زندگی ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ ہرگز نہیں گزار سکتی۔ میں اس سے طلاق لے کر سکندر سے شادی کروں گی۔" ماں کے سر پر دھماکہ کر کے وہ ان کو صدمے کی کیفیت میں چھوڑ کر وہاں سے جا چکی تھی۔

❀❀❀❀

"اوئے عقل کر سکندرے...... کیوں ہم بھائیوں میں پھوٹ پڑوانے پر تلا ہے۔ غلطی تیری ہی تھی۔ وہ تو تیرا چاچا بھلا مانس بندہ ہے ورنہ ایسی باتوں پر تو قتل ہو جاتے ہیں۔ اب بجائے اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے تو کیوں اس بچی کے پیچھے پڑا ہے۔ گھر بسنے دے اس کا...... سن گن ملی ہے مجھے کہ تو اس کو طلاق کے لیے مجبور کر رہا ہے' اوئے جہاں تک میں تجھے جانتا ہوں تو نے تو کبھی ٹوٹا ہوا کھلونا اپنے پاس کبھی نہیں رکھا ایسے میں منت سے شادی کرلے گا تو؟" ارباز شاہ نے سامنے کھڑے بیٹے کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"چاہتا تو میں بھی یہی ہوں کہ مرادے کی جائیداد ان کمینوں کی اولاد کے پاس نہ جائے۔ تیرا ارادہ پکا ہے تو مجھے بتا میں بندہ ہی پھڑکا دیتا ہوں کسی حادثے میں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری' کڑی بھی گھر میں رہے گی اور دولت بھی۔"

"نہ بابا جان نہ سکندر شاہ کو دولت کی کمی نہیں...... اسے صرف چاچا مراد سے اور منت بی بی سے اس بے عزتی کا بدلہ لینا ہے۔ جو انہوں نے ایک مزارعے کے بیٹے کو سکندر شاہ پر فوقیت دے کر کی...... ورنہ منت سے میری دلچسپی اسی دن سے ختم ہوگئی تھی۔ جس دن سے اس کی واپسی چودھری کے ہاں سے ہوئی تھی' ایک تیر سے شکار کرے گا سکندر شاہ اور تین لوگ اس کی زد میں آئیں گے اکڑتا ہے ناں ذورین امیر کہ اس نے شاہوں کی بیٹی کو اپنا بنا لیا تو اس کی یہ اکڑ تو ختم کرنی ہے ناں' باقی سکندر شاہ نے اپنے لیے کڑی بھی پسند کر لی ہے جو منت سے زیادہ خوب صورت بھی ہے اور دولت مند بھی۔ بس ذرا یہ معاملہ مکا دوں تو بتاتا ہوں آپ کو۔"

"واہ میرا شیر ثابت کر دیا تو نے کہ تو ارباز شاہ کا پتر ہے۔" منت کو پتا بھی نہیں چلا تھا کہ کب اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ وہ تو سکندر شاہ کو ڈھونڈتے اس کے کمرے کی طرف آئی تھی کہ اسے بتا سکے کہ اس نے ذورین کی غیرت کو للکارتے ہوئے اسے اپنی اور سکندر شاہ کی محبت کے وہ جھوٹے سچے قصے سنائے تھے کہ جو ہوئی نہیں

سکتا کہ کوئی مرد ایسی باتیں برداشت کر جائے۔ یقیناً وہ جلد ہی اسے طلاق دینے والا تھا...... مگر دروازہ کھولتے ہی اسے اپنا نام سنائی دیا' کسی لٹے ہوئے جواری کی مانند وہ سید می مراد علی شاہ کے پاس آئی۔ جو اس کی ایسی دگرگوں حالت دیکھ کر بے حد پریشان ہوگئے تھے پھر ان کے استفسار پر وہ یہ سب جان کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی گئی اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سب کچھ بتاتی گئی۔ مراد علی شاہ ڈھے گئے تھے۔

''میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا منت...... پتہ نہیں یہ میری دعائیں تھیں' ذورین کی اچھی نیت تھی یا خدیجہ کا صبر کہ اس مالک نے تمہاری وقت پر آنکھیں کھول دیں ورنہ تم تو پھر سے اس سلگتی آگ کو اپنے دامن میں بھرنے چلی تھیں جو عمر بھر تمہیں ذلت اور اذیت کی بھٹی میں جھلسانے والی تھی۔'' وہ رنجیدہ ہوکر بولے۔

''ابھی جاؤ اور میں خود تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کے آتا ہوں ایک دو دن میں تم لوگ اپنے نئے گھر شفٹ ہو جاؤ گے۔ بہت دکھ دیکھ لیے خدیجہ نے اس کے حق کے لیے اب اس کا بھائی آواز اٹھائے گا۔'' وہ ایک عزم سے بولے۔

❁❁❁❁

''میں نے صرف اپنے بابا جان کے جذباتی دباؤ میں آکر ہاں کی تھی ورنہ میرے دل میں کل بھی سکندر شاہ تھا اور آج بھی وہی ہے۔ ویسے بھی ایک غیرت مند مرد کب برداشت کرتا ہے کہ اس کی بیوی کسی اور کو سوچے کسی اور کو چاہے۔ طلاق دے دو گے تو ہم سب کے حق میں اچھا ہوگا۔ ورنہ شادی تو میری سکندر شاہ سے ہی ہوگی۔ تم اس نام نہاد رشتے کو نہیں چھوڑو گے تو عدالت تو ہے ناں۔'' اس کی باتیں کسی ہتھوڑے کی مانند دل و دماغ پر لگ رہی تھیں۔ ہر ایک جملے کی ضرب پہلے سے شدید تھی۔ پہلو بدل بدل کر وہ تھک چکا تھا۔

''تو نے اسے میرا مقدر بنانا ہی تھا تو اس کا دل بھی پھیر دیتا مالک تیرے خزانوں میں تو کوئی کمی نہیں نا ایک بار پھر آزمائش کے لیے تو نے ہمیں منتخب کیا ہے اے رحمٰن و رحیم...... اس بار یہ آزمائش بہت کڑی ہے۔ اسے مختصر کردے۔ میں نے تو ابھی اس کو پانے کی خوشی کو بھی محسوس نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی تیری رضا میں راضی ہوں اے خالق کائنات بس تو راضی ہو جا تو راضی ہو جا۔'' وہ عصر کے بعد سے کمرے میں بند تھا اور خدیجہ سے طبیعت خرابی کا بہانا کیا تھا' اب رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ ایک دفعہ پھر اسے دیکھ کر جا چکی تھیں اور سوتا دیکھ کر شاید مطمئن ہوگئی تھیں اس پر برپا ہوئی قیامت سے بے خبر۔ زندگی کے ہر کٹھن مرحلے کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والے ذورین کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ باہر ایک غیر مانوس سے شور کی آواز پر اس نے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ مراد علی شاہ کی آواز پر وہ حیرت زدہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ ایک دم لائٹ آن ہونے پر اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ دروازے کے بیچ و بیچ ہی بنی سنوری وہ کھڑی تھی۔ وہی دشمن جاں جس نے اسے مارنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

''پھر کوئی نیا زخم......'' اس نے تلخی سے سوچا۔ منت اب باہر آواز دے کر کسی کو بلا رہی تھی۔ ملازماؤں نے دو سوٹ کیس اٹھا رکھے تھے۔ جو انہوں نے مالکن کے اشارے پر کمرے کے بیچ و بیچ رکھ دیئے پھر اس کی آنکھ کے اشارے سے باہر نکل گئی تھیں۔ کمرے کا جائزہ لیتی ہوئی وہ بالکل اس کے سامنے آن رکی۔

''انسان کو شریف ہونا چاہیے مگر اتنا بھی نہیں کہ وہ مذاق اور حقیقت میں تمیز ہی نہ کر سکے۔'' تیکھے چتون سے کہے گئے جملے نے ذورین کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اسے گھورتے وہ دھپ سے اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

''پھوپو نے جب مجھ سے کہا کہ ان کا بیٹا مجھ سے محبت کرتا ہے تو زبردستی کے رشتے کا ایک بوجھ میں نے سر سے ہٹتا محسوس کیا مگر ایک الجھن بھی تھی کہ پھوپو کا بیٹا یہ سب خود کیوں نہیں کہہ رہا۔ اب تو اس کا مجھ پر شرعی حق بھی ہے۔ تمہاری چپ اور مسلسل چپ نے مجھے غصہ دلایا اور میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے جان بوجھ کر تمہارے سامنے سکندر شاہ کے ساتھ آنا جانا اور باتیں شروع کر دیں۔ سکندر شاہ کے ہاتھ سے میرا ہاتھ چھڑا کر تم نے میرا دل تو خوش کر ہی دیا مگر یہ تو ایک روایتی شوہر کا انداز تھا۔ اس میں محبت کہاں تھی۔" اس نے منہ پھلایا۔

"میں نے شروع سے اپنے گرد اتنی محبت اور لاڈ دیکھا ہے کہ تمہارا یہ روکھا پھیکا اور لیے دیئے والا انداز مجھے آگ لگا رہا تھا۔ اسی چپ کو توڑنے کے لیے میں نے وہ تمام فضول باتیں کیں اور چند لمحے ایک شدید ردعمل کی منتظر رہی کہ ابھی تم مجھے ایک تھپڑ لگا کر چپ کراؤ گے اور اپنی محبت کا یقین دلاؤ گے مگر تمہارے اس مخصوص انداز نے مجھے بتا دیا کہ پھوپو نے شاید میرا دل رکھا تھا۔" اس کی آواز بھرائی۔

"اب آج ڈھیٹ بن کر میں خود آ گئی ہوں کہ میرے مجازی خدا کو تو ہوش نہیں ہے کہ مجھے رخصت بھی کرانا ہے۔ مگر ہماری اس انا میں سکندر شاہ خوامخواہ خوش ہو رہا ہے۔" اس کا منہ کڑوا ہوا۔ مگر اسی پل ذورین کا ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے ہوش ٹھکانے لگا گیا۔ اس کا منہ کھل گیا آنکھیں پھٹ گئیں۔

"وہ تم نے ایک بار گلہ کیا ناں کہ تھپڑ نہیں لگایا تو اب لگا دیا تو ایسی شکل کیوں بنالی......" اس کے آنسو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ منت نے تین چار مکے اس کے کندھے پر رسید کیے۔ اگلے پل ہی وہ اس کے محبت بھرے حصار میں تھی۔

"بہت ہوگئی یہ لڑائی بس...... اب صرف محبت ہوگی۔" اس کی سرگوشی پر وہ اس کی پناہوں میں چھپ گئی۔ وہ آنسو پچھلی محبت کی ناقدری پر تھے۔ اس شخص نے اس کی عزت کا مان رکھا تھا محبت کا کیا تھا وہ بھی ہو ہی جانی تھی۔ ذرا سی لفظوں میں تبدیلی کر کے اس نے اپنا گھر بچا لیا تھا کیونکہ مراد علی شاہ نے کہا تھا وہ اسے اس کے گھر تک چھوڑ کر آئیں گے۔ ذورین کو اسے خود منانا ہوگا۔ معافی بھی خود ہی مانگنی ہوگی کیونکہ زیادتی اسی نے کی تھی۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا ناں؟" سر اٹھا کر اس نے سادہ دل انسان سے پوچھا جس نے حرف بہ حرف اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا تھا اور اس محبت کے قصے سنانے میں مگن تھا جو نجانے کب سے اس کی رگوں میں دوڑ رہے تھے۔

"میں بھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتا منت...... اسے میری محبت سمجھو مجبوری یا کچھ بھی مگر آئندہ ایسا کچھ بھی مذاق میں بھی سننا پسند نہیں کروں گا۔" اس نے کہا تو منت نے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا کہ اس کی محبت کے آگے وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

"کھڑکی سے اس چاند کو دیکھ کر میں تم سے باتیں کیا کرتا آؤ آج حقیقت میں اس کو ہمراہ کریں اور بتائیں کہ ہم ساتھ ساتھ ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑے وہ کھڑکی کے پاس آیا اور دونوں پٹ کھول کر پورے چاند کو دیکھا۔ اسے لگا وہ بھی اس کی خوشی پر مسکرا رہا تھا جبھی تو اتنا روشن اتنا خوب صورت تھا۔ منت نے آسودگی سے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ زندگی کی حقیقت کو سمجھتے وہ بہت حد تک رشتوں کی اہمیت کے ساتھ ان کے خلوص کو بھی سمجھ گئی تھی مشکل سے ہی سہی اگر خدیجہ کو اس کی دولت مل سکتی تھی تو اسے بھی ذورین سے محبت ہو ہی جانی تھی اپنی عزت تو اس نے بنا ہی لی تھی۔

سکندر اور اس کے باپ کو انہوں نے حالات کے سپرد کر دیا تھا کہ وقت خود بہت بڑا استاد ہے اور شاید انہیں ٹھوکر لگنے اور چوٹ کھانے کے بعد ہی اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا تھا۔ مراد علی شاہ اپنی بیٹی کی خوشیوں میں خوش اور مطمئن تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

قسط نمبر 5

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زر شمعون مسلسل گولیوں کی آوازیں سنتا سبحان آفندی کو پکارتا ہے مگر دوسری طرف سے صرف گولیوں کی آوازیں آتی ہیں جس پر شاہ زر شمعون پریشان ہو کر چودھری بخت کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتا واپس جانے کی بات کرتا ہے۔ چودھری بخت کے لیے بھی یہ پریشانی کی بات ہوتی ہے لیکن اس وقت وہ حویلی جانے سے قاصر ہوتے ہیں جب ہی فوراً شاہ زر شمعون کو بائے ایئر بھیجنے کی تیاری کرتے ہیں۔ عیشال جہانگیر چھت سے سبحان آفندی کی گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھ رہی ہوتی ہے کہ اچانک اس کی گاڑی پر حملہ ہوتا دیکھ کر وہ پریشانی سے نیچے پہنچ کر سب کو آگاہ کرتی ہے اس کی زبانی ساری صورت حال جان کر حویلی کی خواتین پریشان ہو جاتی ہیں۔ گجر کو جیسے ہی خبر ملی تھی کہ چودھری حشمت کسی کام سے جا رہے ہیں اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ان کی گاڑی پر حملہ کر دیا تھا اور یہ بات سبحان سمجھ گیا تھا بڑی ہوشیاری سے وہ دشمن کو شکست دیتا حویلی آ جاتا ہے تب شاہ زر شمعون اس سے فون پر رابطہ کرتا اس کی خیریت دریافت کرتا ہے۔ منزہ کی اچانک طبیعت خراب ہو جاتی ہے جس پر ماورا اور انوشا پریشان ہوتی منزہ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہیں منزہ اپنی طبیعت سنبھالنے کی سعی کرتی دونوں کو مطمئن کر دیتی ہیں لیکن دن چڑھنے پر وہ منزہ کو اسپتال لے جاتی ہیں۔ عیشال جہانگیر سبحان سے محبت کرتی ہے لیکن اس بات کا اظہار وہ کبھی نہیں کرتی بچپن کی لڑائی میں ایک بار اس نے یہ بات سب کے سامنے کی تھی جس پر سب نے اس کا مذاق بنایا تھا لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ سبحان کو دل میں جگہ دے گئی تھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر عیشال سکون کا سانس لیتی ہے۔ شنائیہ اپنی دوست نائمہ کو شاہ زر شمعون کے حوالے سے بتاتی اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کر جاتی ہے جس پر نائمہ اس سے متاثر ہو جاتی ہے شنائیہ اسے سڑیل اور جانے کیا کچھ کہتی نائمہ کے تاثرات شاہ زر شمعون کی طرف سے زائل کرنے کی کوشش کرتی شرط لگا جاتی ہے کہ اگر جو وہ شاہ زر شمعون کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو وہ اس کی گرویدہ ہو جائے گی تب نائمہ جوش میں آ کر شاہ زر شمعون کو کال کرتی اس سے بات کرتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے شاہ زر شمعون نائمہ کی تمام لوکیشن کے ساتھ اس کے منگیتر کی بھی بات کرتا اسے ششدر کر جاتا ہے نائمہ فوراً خوفزدہ ہوتی شنائیہ کا نام لے جاتی ہے۔ منزہ کو بینچ پر بیٹھا کر ماورا اور انوشا دوا لینے چلی جاتی ہیں تب منزہ کی نظر ڈاکٹر بخت پر پڑ جاتی ہے اور وہ اپنا چہرہ چادر میں چھپانے کے ساتھ رخ بھی موڑ جاتی ہے ایسے میں اسے ایک شخص پہچان لیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

آج شاید منزہ کے امتحان کا دن تھا۔ چودھری بخت تو چلے گئے تھے مگر اک دوسرا شخص ان کے سامنے اچانک آ کھڑا ہوا تھا۔ ہونٹوں پہ مکروہ ہنسی لیے ہوئے۔ شاطر نگاہیں منزہ پہ گڑی ہوئی تھیں۔ منزہ کی نظر میں زمین آسمان گھوم گئے تھے۔ جس صورت کے کبھی نظر نا آنے کی انہوں نے دن رات دعائیں مانگی تھیں آج وہی مکروہ چہرہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اس گھناؤنے انسان کی نظروں سے خود کو کہیں غائب کر دیں۔ وہ فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

پچاس پچپن کے لگ بھگ، میلے کپڑوں، بڑی ڈاڑھی اور چہرے پہ وہی عیاری و مکاری لیے الوؤں جیسی شاطرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھ کر پیلے دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ منزہ نے چور نظروں سے ماورا اور انوشا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف مصروف تھیں، صد شکر کہ ان کی نظر منزہ کی طرف نہیں تھی، ان دونوں نے اس شخص کو نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ دونوں کسی بھی لمحے آ سکتی تھیں۔ اس شخص کی بابت استفسار کر سکتی تھیں اور وہ یہی نہیں چاہتی تھیں۔

"یہ انوشا اور ماورا ہیں ناں؟" ان کی نظروں کا تعاقب کر کے اس شخص نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

اپنی بیٹیوں کا نام اس وحشی انسان کے منہ سے سن کر منزہ کے نڈھال وجود میں بلا کا ابال اٹھا۔ جی چاہا آگے بڑھ کر اس خبیث انسان کا منہ ہی نوچ لیں، لیکن قدرت کو بھی شاید ان پہ رحم آ گیا تھا۔ تب ہی ہسپتال میں ایکسیڈنٹ کا کوئی ایمرجنسی کیس آ گیا، اچانک سے شور اور رش بڑھا تو اس بھیڑ کا فائدہ اٹھا کر منزہ تیزی سے ماورا اور انوشا کی طرف لپکیں تاکہ انہیں لے کر باہر نکل سکیں۔ منزہ کو تیزی سے قریب آتے دیکھ کر دونوں نے جلدی سے انہیں تھام لیا۔

"اماں آرام سے گر جائیں گی۔"

"جلدی گھر چلو میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔" منزہ کے چہرے پہ درج پریشانی اور جلدی گھر چلنے کی رٹ نے ان کے قدموں میں بھی بجلی بھر دی۔

"اماں...... طبیعت تو ٹھیک ہے، آپ پریشان کیوں نظر آ رہی ہیں؟" انوشا کو تشویش ہونے لگی لیکن اسے جواب دینے کی بجائے منزہ نے قریب سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ کا اشارہ دے کر روک لیا۔ رکشہ میں بیٹھتے ہی منزہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بد بخت ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ چال متوازن نہیں تھی جس کے باعث وہ کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ منزہ کو رکشہ میں بیٹھتے دیکھ کر اس نے بھی ایک رکشہ کو اشارہ کیا۔ منزہ کا دل حلق میں آ گیا۔ پسینے چھوٹنے لگے۔

"بھائی تیز چلاؤ، جلدی نکلو یہاں سے۔" منزہ نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

"اماں کیا ہوا ہے، کس سے خوف زدہ ہو رہی ہیں؟" ماورا کو ان کے انداز پہ حیرانی ہو رہی تھی۔ انوشا بھی حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں کیوں پریشان ہونے لگی، خوف زدہ کہاں ہوں، بس گھر جانا ہے جلدی۔" منزہ دزدیدہ نظروں سے پیچھے دیکھتی انہیں مطمئن کر کے لاپروا نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ دونوں مطمئن ہوئی تھیں یا نہیں لیکن وہ سارا راستہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی رہی تھیں کہ کوئی رکشہ ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا، گھر آ کر بھی تیز رفتاری سے تالا کھول کر انہوں نے دونوں بیٹیوں کو گھر میں داخل کر کے ایک بار پھر دروازے سے سر نکال کر گلی میں جھانک کر اچھی طرح جائزہ لیا تھا، کسی کے نظر نا آنے پہ دروازہ بند کر کے وہ لمبی سانس لینے لگیں جیسے طویل مسافت سے لوٹی ہوں۔ ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ یہ شخص یہاں کیسے اور کیوں آ گیا؟ ان کا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔

❁......☆......❁
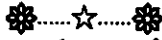
"ویرے......" شاہ زرشمعون کھیتوں میں کھڑا فصلوں کی کٹائی کروا رہا تھا' کھیتوں میں کام کرنے والے محنت کش دھوپ چھاؤں کی پروا کیے بغیر کام کررہے تھے۔ اس کا ذہن سابقہ واقعے پہ الجھا ہوا تھا۔

خواہش تو یہ تھی گجر کو اس کے ڈیرے پہ چھلنی کرآئے مگر چودھری جہانگیر اپنے طور پر گجر پہ گرفت سخت کرچکے تھے تو چودھری حشمت نے پنچایت کا در کھٹکھٹا دیا تھا۔ شاہ زرشمعون اور سبحان آفندی کو سختی سے بڑوں کی تنبیہ تھی کہ وہ کوئی بھی قدم جذبات میں آ کرنا اٹھائیں۔ سوان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سبحان آفندی تو چپ کرگیا تھا کہ وہ وقت پہ کام کرنے کا قائل تھا۔ بڑوں کا حکم ہوتا تو وہ گجر کے ڈیرے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا لیکن منع کرنے کی صورت میں وہ اس بات کو شاہ زرشمعون کی طرح سوچ سوچ کر کڑھنے کا قائل نہیں تھا' شاہ زرشمعون بس اجازت ملنے کی دعا کررہا تھا۔ اس وقت بھی وہ کھیتوں میں کام کروا رہا تھا جب کسی نے پیچھے سے پکارا' پکار نسوانی تھی' تب ہی حیرت کے ساتھ اس نے پلٹ کے دیکھا۔

"ویرے...... مجھے انصاف چاہیے۔" بیس' بائیس سالہ لڑکی نے اپنا آنچل اس کے پیروں پہ رکھ دیا۔

"یہ کیا کررہی ہو' سر پہ لو آنچل۔" وہ بے ساختہ ناگواری کا اظہار کرگیا۔ لڑکی نے روتے ہوئے جلدی سے دوپٹا سر کے ساتھ جسم پہ پھیلا لیا۔

"کیا بات ہے' کیوں اپنے سر پہ سجے آنچل کو میرے قدموں میں رکھ رہی ہو؟" شاہ زرشمعون اسے پہچان گیا تھا' وہ ان کے گاؤں کی تھی۔

"جب عزت آبرو نا بچی تو سر پہ آنچل سجا کر کیا کروں' ویرے۔" لڑکی بری طرح رودی۔ شاہ زرشمعون ایک پل کو ساکت رہ گیا۔

"پوری بات بتاؤ' کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" اسے احساس ہورہا تھا مسئلہ گمبھیر ہے اور انصاف نا ملنے پہ وہ لڑکی مجبوراً اس تک آئی تھی۔

"میں نوریہ ہوں' ویرے بہت آس لے کر آپ تک آئی ہوں کہ آپ مجھے انصاف دلوائیں گے۔ میرا بھائی گجر کے خاص آدمی کی بہن سے محبت کرتا تھا' وہ لڑکی بھی محبت کرتی تھی۔ ایک ہفتہ پہلے میرا بھائی اور وہ لڑکی بھاگ گئے' گجر کے آدمیوں نے ہمارے گھر آ کر بہت ہنگامہ کیا اور مجھے اٹھا کر لے گئے' تین دن تک میں ان درندوں کی قید میں رہی اور اب جب وہ لوگ آپ لوگوں کے خوف سے بھاگے ہوئے ہیں تو مجھے بھی نکلنے کا موقع مل گیا۔ میری ماں' بھائی نے کوئی شور شرابہ نہیں کیا کیونکہ ان کی نظر میں عزت کا بدلہ عزت اتار کے لے لیا گیا لیکن مجھے چین نہیں آرہا' ویرے میرے بھائی کے کیے کی سزا مجھے کیوں ملی؟ سب مجھے چپ رہنے کو کہہ رہے ہیں' ویرے لیکن میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے' مجھے انصاف دلاؤ' ورنہ میں گاؤں کے بیچوں بیچ خود کو آگ لگالوں گی۔ مرتو اب بھی گئی ہوں ویرے' لیکن گجر اور اس کے آدمی زندہ رہے تو میں خود کو ہی آگ لگادوں گی۔" نوریہ بات کرتے ہوئے زاروقطار رو رہی تھی' شاہ زرشمعون نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاتھوں کی رگیں تن گئی تھیں اتنا ظلم' اتنی بربریت ان کے علاقے میں' ایسے کتنے ہی قصے آئے دن دوسرے گاؤں سے سننے کو ملتے تھے۔

"گھر جاؤ اور بھول جاؤ اس واقعے کو ایک بھیانک خواب کی طرح۔" نظریں جھکا کر وہ بس اتنا ہی کہہ سکا' اس کا دکھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس کا درد بانٹنے کے لیے اس کے پاس لفظ نہیں تھے۔

"ویرے‘ وہ گجر؟" نوریہ کو جیسے افسوس ہوا وہ بہت آس لے کر اس کے پاس آئی تھی‘ لیکن وہ اسے گھر جانے اور سب بھولنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ کیا یہ سب اتنا آسان تھا؟ اس کی آس ٹوٹنے لگی تھی۔

"گجر کی موت یقینی ہے‘ تم جلد ہی اس کی موت کی خبر سنو گی‘ وعدہ ہے‘ شاہ زر شمعون کا تم سے۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں شیر کی دھاڑ تھی۔ سارا خون چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔ نوریہ کی برستی آنکھوں میں ملال کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ وہ بے حد ممنون ہو کر دعائیں دے رہی تھی۔

"رب العزت تمہارے نصیب کی خوشیاں جلد دکھائے گا‘ ان شاء اللہ دھیان سے گھر جاؤ اور آئندہ خودکشی کا خیال بھی دل میں نالانا‘ خودکشی بزدل لوگ کرتے ہیں اور تم باہمت لڑکی ہو اب گھر جاؤ۔" نوریہ اپنا سارا درد اسے منتقل کر کے چلی گئی اور اس کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے۔ گجر کو تو پہلے ہی جہنم واصل کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا لیکن اب جتنی دیر ہوتی اس کا فشار خون اتنا ہی بلند ہوتا لیکن بڑوں اور خصوصاً داجان کی تنبیہہ نے اسے خون کے گھونٹ پینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ جلد سے جلد داجان سے نوریہ کی آپ بیتی شیئر کر کے گجر کا کوئی فیصلہ چاہ رہا تھا۔

❁......☆......❁

رات منزہ کی اچانک طبیعت خرابی پھر ہاسپٹل کی ٹینشن میں وہ بالکل ہی فراموش کر گئی تھی کہ صبح اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔ ہاسپٹل سے تو جلدی واپسی ہو گئی تھی لیکن منزہ کا خوف زدہ روپ دیکھ کر انہیں کسی قدر حیرانی ہو رہی تھی۔ اس پر ان کے جسم پہ جگہ جگہ ابھرے نیل کے نشان انہیں مزید متفکر کر گئے تھے۔ یہ نشانات پچھلے کچھ دنوں سے ایک آدھ جگہ دیکھ کر منزہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا لیکن اب ان نیلوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ ڈاکٹر بھی رپورٹس آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

منزہ کی گری گری صحت جہاں دونوں کو متفکر کر رہی تھی وہیں منزہ کا خوف زدہ روپ بھی سمجھ سے باہر تھا۔ شاید وہ بیماری کے خوف میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ دونوں کو یہی لگ رہا تھا‘ گرمیوں کے دن شروع ہو گئے تھے‘ تو لوڈشیڈنگ بھی شروع ہو گئی تھی۔ ساری رات پسینے سے تر ہوتے گزر گئی تھی کہ اکیلی عورتیں ہوا کے گزر کے لیے دروازہ کھڑکی کھول کر بے فکری سے سو بھی نہیں سکتی تھیں۔ فجر کے وقت کہیں جا کر لائٹ آئی‘ دو گھڑی کو آنکھ لگی تو انوشا نے اسے جگا کر یاد دلایا کہ آج یونیورسٹی کا پہلا دن ہے۔ گو کہ یونیورسٹی کا پہلا دن جان کر آنکھیں چوپٹ کھل گئی تھیں لیکن ابھی جانے میں کافی ٹائم تھا‘ پھر نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی‘ اس خیال سے پھر آنکھیں موند گئی آنکھ اس وقت کھلی جب انوشا اسے جگا جگا کر تھک گئی آخر میں منزہ کی آواز ہی اسے جگانے کا محرک بنی تھی۔

"سات بج گئے ہیں اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔ پہلے ہی دن لیٹ ہو جاؤ گی۔" سات بجنے کا سن کر وہ جلدی سے چادر پھینک کر اٹھ بیٹھی۔ جلدی جلدی تیار ہونے اور ناشتہ کرنے میں بھی اسے دیر ہو گئی تھی۔

"اللہ حافظ اماں۔" آگے پیچھے دونوں دروازہ عبور کر گئی تھیں۔

"دھیان سے جانا‘ اللہ کی حفاظت میں۔" منزہ دروازے تک انہیں چھوڑنے آئیں۔ دونوں جب تک گلی میں نظر آتی رہیں منزہ دروازہ وا کیے ان کی پشت کو تکتی رہیں۔ دونوں پیچھے مڑ کر ان کی طرف ہاتھ ہلا کر گلی سے مڑ گئیں تو دروازہ بند کر کے منزہ اندر چلی گئیں۔

"تم جلدی نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ پہلا دن ہے اور میں لیٹ ہو جاؤں گی۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا تو اللہ حافظ ہے۔ اب اللہ کرے بس جلدی سے آ جائے۔" پرس کندھے پہ لٹکائے فائل سینے سے چپکائے صبح کی تیز چمکیلی روشنی میں دونوں تیزی سے قدم بڑھا رہی تھیں۔

"خود پڑی سو رہی تھیں اور سارا ملبہ مجھ پہ خیر ہے پہنچ جاؤ گی وقت پہ پریشان نا ہو میرا اسکول تو آ گیا میں چلی تم دھیان سے جانا اور یونیورسٹی پہنچ کر مجھے ٹیکسٹ کر دینا۔" انوشا جلدی جلدی بولتی روڈ کراس کرنے لگی سامنے پرائیویٹ اسکول کا بڑا سا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

"کر دوں گی اللہ حافظ۔" ماورا نے بھی اپنی مطلوبہ بس کی جانب قدم بڑھائے۔

❁......☆......❁
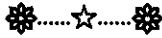
عیشال جہانگیر کا کالج جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے جان چھڑا لی تھی۔ ناشتے کی میز پہ سب کالج یونیورسٹی کے لیے تیار اور عیشال جہانگیر کو معمول کے حلیے میں دیکھ کر چودھری حشمت نے آنکھوں کو سکیڑا ضرور تھا لیکن ان کی طرف سے کوئی سوال نہیں ہوا تھا۔

عیشال جہانگیر نے شکر ادا کیا کہ جواب طلبی سے بچ گئی تھی لیکن سبحان آفندی مزید متفکر ہوا تھا کہ چودھری حشمت کی خاموشی اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔

"عیشال..... تم کالج کے لیے تیار نہیں ہوئیں بچے؟" ڈرائیور کے ہارن دینے پہ لڑکیاں افراتفری سے ناشتا جلدی جلدی پورا کر کے اٹھنے لگیں تو اس کے پُرسکون انداز کو دیکھتے چودھری اسفند نے استفسار کیا۔

"چچا جان میری طبیعت رات بھر ٹھیک نہیں رہی سر میں بہت درد رہا سر ابھی بھی بھاری ہو رہا ہے اور گلا تو بس بے حد دکھ رہا ہے آواز بھی مشکل سے نکل رہی ہے۔" اس نے آواز میں نقاہت پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ بولنے کے دوران جھوٹی کھانسی کھانسنے لگی۔ چودھری حشمت نے کچھ نہیں کہا بس خاموش نظروں سے اس کی پلیٹ میں وافر مقدار میں موجود آم کا اچار کٹوری میں موجود دہی گھی میں تر بہ تر پراٹھے اور انڈے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں کا ارتکاز دیکھ کر سبحان آفندی بھی اس کی پلیٹ دیکھ کر سر پیٹ کے رہ گیا۔ جھوٹ بول رہی تھی تو کم از کم جھوٹ کا بھرم تو رکھ لیتی۔

"اوہو..... خیال رکھو بچے یہ گلہ خراب کرنے والی چیزیں مزید تو مت کھاؤ۔" چودھری اسفند نے بھی احساس دلایا تو وہ بھی چونک کر اپنی پلیٹ کو دیکھنے کے بعد چور نظروں سے چودھری حشمت کو دیکھنے لگی انہیں اپنے ناشتے کی طرف متوجہ دیکھ کر سکون کا سانس لیتے اس کی نظر سبحان آفندی سے مل گئیں جو خشمگیں نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا۔

"اب اس کی شان میں کون سی گستاخی کر دی میں نے۔" وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"طبیعت زیادہ خراب ہے تو تائی یا چاچی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلی جانا۔" چودھری فیروز نے بھی فکر مندی سے کہا تو وہ شدومد سے سر ہلانے لگی۔

"طبیعت نہیں اس لڑکی کا دماغ خراب ہے۔" بیٹھے بٹھائے بلاوجہ چھٹی کرنے پہ وہ اسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"شاہ ناشتا کر کے گیا ہے بڑی بہو؟" چودھری حشمت کو شاہ زر شمعون کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی فائزہ سے

استفسار کیا۔

"جی باباجان۔" انہوں نے مختصراً بتا کر مطمئن کیا۔ تب ہی فریال نے سبحان آفندی کو ڈپٹ کر ناشتہ کرنے پر اصرار کیا۔

"کیوں بھئی سبحان' کیا مسئلہ ہے؟ ماں کو شکایت کیوں ہوگئی' ٹھیک سے کھا پی نہیں رہے کیا' پچھلے واقعے کی وجہ سے ڈسٹرب ہو میری جان؟" چودھری اسفند نے محبت سے دریافت کیا۔

"نہیں ڈیڈ' چودھری اسفند کا بیٹا اور داجان کا پوتا اتنا کم زور نہیں کہ اتنے چھوٹے موٹے واقعے کو خود پہ اثر انداز ہونے دے۔" وہ مسکرا دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟" چودھری اسفند مطمئن نا ہوئے۔

"اوکم آن ڈیڈ' آپ بھی مما کی باتوں میں آ گئے۔ پتا تو ہے یہ چار وقت کا ایک وقت کھلانے پہ مصر رہتی ہیں ماں ہیں ناں' اس لیے انہیں ہٹا کٹا بیٹا بھی کمزور لگتا ہے۔" وہ چودھری اسفند کو ہنس کر ٹال گیا تھا۔

"ہاں یہ تو درست کہا تم نے' تمہاری ماں کو مطمئن کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔"

عیشال جہانگیر اپنی جگہ افسردہ ہوگئی تھی' ماں باپ کا سایا ان کی محبت بھری تکرار روک ٹوک' ڈانٹ' ڈپٹ میں پوشیدہ محبت خیال' سینے سے لگانا اس کے حصے میں تو کچھ نہیں آیا تھا' یادداشت کے پنوں پہ کوئی خوب صورت لمحہ نہیں تھا۔ وہ تو تہی داماں تھی۔ وہ اپنا اور سبحان آفندی کا موازنہ کرنے لگی۔ سبحان آفندی اسے یک دم بہت امیر اور بے حد خوش قسمت لگنے لگا۔ اس کے پاس فکر کرنے والی ماں تھی' مان اور محبت جتانے والا باپ تھا اور اس کا تو کوئی بھی نہیں تھا۔

ماں تو منوں مٹی تلے اس وقت جا سوئی جب اس نے بچپن کی انگلی بھی نہیں چھوڑی تھی اور باپ' باپ تو جیتے جی ہی اس پہ مٹی ڈال کر فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اسے تو یاد بھی نہیں رہتا تھا کہ عیشال جہانگیر نامی کوئی بیٹی حویلی میں بھی موجود ہے۔ ایشان جاہ اور نرمین' ان کی دانست میں تو یہ دو ہی بچے ان کے اپنے تھے۔ ہاتھ کی لکیروں پہ نظریں جمائے اس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کیا چھپا ہے ان لکیروں میں جنہیں بڑے غور سے پڑھ رہی ہو؟" اس کی مسکراتی نگاہ ماں باپ سے ہٹ کر عیشال جہانگیر پہ آ کر رک گئی تھی۔ جو اپنی ہتھیلی سامنے کیے اپنے ہاتھ کی لکیریں بغور جانچ رہی تھی۔

"سیاہ بختی...... محرومی...... کسک...... خلش...... سب ہی کچھ تو ہے ان لکیروں میں۔" سر جھٹک کر میز پہ ہتھیلی رکھ کر وہ تلخی سے مسکرائی۔ گلاس میں اورنج جوس ڈالتے سبحان آفندی کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا۔ ایک اچٹتی نگاہ عیشال جہانگیر پہ ڈالی' پھر جوس انڈیلنے لگا۔ ساتھ ہی بایاں ہاتھ بڑھا کر دوسرا گلاس بھی قریب کیا اور اس میں بھی جوس انڈیل کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"تلخی کا کڑوا گھونٹ پینے سے بہتر ہے خوشی کا احساس کر کے آب حیات کو امرت سمجھ کر پی لو پھر تلخی کا کڑوا گھونٹ اپنا احساس خود کھو دے گا۔" سبحان آفندی نے گلاس اس کی طرف بڑھایا' میز پہ اس وقت وہ دونوں ہی رہ گئے تھے' اس کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم یہ سب کہہ سکتے ہو سبحان آفندی' جو ماں' باپ کے سائے میں پلا بڑھا ہو' ان کی محبت کی چھاؤں میں سویا ہو' وہ اس اکیلی بچی کی محرومی کا اندازہ کیسے کر سکتا ہے' جو اندھیرے کمرے میں سونے سے ڈرتی ہو' بادل کی گرج' کتوں کے

بھونکنے کی آوازوں سے ساری رات تکیہ دبوچے آنسو بہاتے جس کی راتیں کٹی ہوں اس بچی کو تم دنیا اچھی ہے کا سبق پڑھاؤ گے تو یہ سبق وہ کبھی نہیں پڑھ سکے گی کیونکہ وقت نے لمحہ بہ لمحہ جو کڑا سبق اسے ازبر کروایا ہے وہ اسے بھول کر دوسرا چیپٹر کھولنے نہیں دیتا۔" اسے جذبات اور احساسات کو لفظوں میں بیان کرنے کا فن آتا تھا وہ بہت اچھی طرح واقف تھا کہ اس کے پاس ایک غور وفکر کرنے والا صحت مند دماغ ہے زندگی محبت کا فلسفہ حقیقت کے قریب تر سناتی ہے لیکن یہ سب کرنے کے بعد وہ جس طرح تنہا نظر آتی تھی یہی سمہان آفندی کو ناقابل برداشت لگتا تھا۔

اس کی محرومیاں دور کرنا اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ کب کا دور کر چکا ہوتا لیکن افسوس تو اسی بات کا تھا نا صائقہ دوبارہ زندہ ہو سکتی تھیں نا چودھری جہانگیر کے اندر احساس پیدا ہو سکتا تھا دونوں کام ہی ناممکنات میں سے تھے۔

"پاگل لڑکی...... خوش رہا کرو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا اس کی قنوطیت اور دکھ کے آگے اس جیسا لفظوں کا کھلاڑی بھی آؤٹ ہو جاتا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو سمہان آفندی اس لیے خوش رہتے ہو ہر کوئی خوش قسمتی لے کر پیدا نہیں ہوتا۔" وہ تلخی سے اسے ازبر کروانی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ ایک بار پھر لاجواب ہو گیا۔ وہ چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی کہ شاید اس کی طرف سے کوئی جواب آئے پھر تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

سمہان آفندی بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا گیا تھا۔

❁......☆......❁

بھاگ بھاگ کر ڈیپارٹمنٹ تک آنے کے باوجود بھی ماورا لیٹ ہو چکی تھی۔ کلاس نا صرف اسٹوڈنٹس سے بھر چکی تھی بلکہ لیکچرار بھی آچکے تھے۔ اور غالباً آدھی کلاس کا تعارف بھی ہو چکا تھا۔

"سر میں اندر آسکتی ہوں؟" ماورا یحییٰ دروازے پر کھڑی سبکی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی آواز پہ کلاس میں موجود سب کی نگاہیں ماورا یحییٰ پہ جم گئیں۔

"آجائیں؟" لیکچرار نے احسان کرنے کے انداز میں اجازت دی۔

"بس میں سفر کرنے والے لیٹ تو ہوں گے ہی۔" انشراح نے نخوت سے دبی زبان میں کہا۔

ایشان جاہ کا گروپ پہلی رو کی سیٹوں پر براجمان تھا سب نے ایک دوسرے کو ٹہوکا دیا۔ انشراح کے استہزائیہ انداز پہ ان سب کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ایشان جاہ نے ماورا یحییٰ پہ تیز نظر ڈالی۔

"شکریہ" اجازت ملنے پہ ماورا اندر قدم رکھتی کلاس کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے کی ساری رو بھر چکی تھیں۔ اس کی نظر ایشان جاہ اور ان کے گروپ پہ بھی پڑی سر جھٹک کر وہ پیچھے کی رو میں بیٹھ گئی۔

"پہلا دن پہلی کلاس اور آپ آدھا گھنٹا لیٹ گڈ اسٹارٹ۔" لیکچرار کے طنزیہ لب و لہجے پہ ماورا پہلو بدل کے رہ گئی۔ کچھ اسٹوڈنٹس مسکرانے لگے تو ایشان جاہ کے لبوں پر بھی تمسخرانہ مسکراہٹ آگئی۔ اپنے میڈل کلاس حلیے اور غصیلے روپ کی وجہ سے وہ انہیں بھولی نہیں تھی۔

"سب کا تعارف تو تقریباً ہو ہی گیا افسوس آپ اس سے محروم رہیں ہو سکے تو اپنا مختصر تعارف کروائیں میں ہمدان ہوں آپ کا لیکچرار اور آپ؟" اب کے لیکچرار کے انداز سے ماورا کو تھوڑی تقویت ملی۔ ورنہ جس طرح انہوں نے آتے ہی طنز کیا اس پہ وہ تھوڑی کانشس ہو گئی تھی۔

"میں ماورا یحییٰ ہوں۔" اس نے اب نہایت خود اعتمادی سے بات کی اور اس نے محسوس کیا کہ اس کے نام لینے کی دیر تھی' کلاس میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ سب نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا لیکن اب کی بار سب کی نظروں میں استعجاب تھا۔

ایشان جاہ کا پورا گروپ منہ کھولے بیٹھا تھا' تعارف کے دوران ہر لڑکی کا نام اس نے ذہن نشین کیا تھا' ذہن مستعد تھا کہ ماورا یحییٰ ہے کون؟ اور اب جب وہ سامنے تھی تو ایشان جاہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"تو آپ ہیں ماورا یحییٰ' جس نے انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کیا؟" لیکچرار ہمدان بھی متاثر ہوئے تو وہ انکساری سے سر اثبات میں ہلا گئی۔ رشک و حسد کی ملی جلی کیفیت میں ڈوبی کئی نگاہیں اس پہ جمی ہوئی تھیں اور ایشان جاہ کی آنکھیں شعلہ اگلنے لگی تھیں۔

"لوجی' یہ تیکھی مرچ ٹاپ آف دی لسٹ نکل آئیں' ہم سب کا تو ذہن ہی نہیں گیا اس کی طرف کہ یہ پٹاخہ بھی ہو سکتی ہے۔"

پہلا دن تھا' پڑھائی تو نہیں ہوئی' تعارف سنتے اور کرواتے وقت گزر گیا۔ دوسری کلاس کی طرف جاتے ایشان جاہ کا گروپ سر پیٹ رہا تھا۔ ایشان جاہ کی سرد نگاہ ماورا یحییٰ کی پشت پہ جمی ہوئی تھی' ماورا یحییٰ کی نظروں نے بھی ان سب کے شاکڈ انداز ملاحظہ فرمائے تھے۔ ان کے ہونق اور غصیلے تاثرات پہ اس نے ذرا بھی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ سب پھر سابقہ انداز میں کاریڈور بلاک کیے چل رہے تھے۔ غالباً یہ ان سب کی عادت تھی۔ اس بار ان کے پیچھے چل کے راستہ مانگنے کی بجائے وہ سائیڈ سے ہوتی ان سے آگے نکل گئی تھی۔ اسی طرح جس طرح اسے ٹاپ آف دی لسٹ کی پہلی کرسی سے گرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ انشراح اور باقی سب جانے کیا کیا کہہ رہے تھے' وہ کب کسی کی سن رہا تھا' اس کی نظریں تو اس پہ جمی ہوئی تھیں' جانے وہ اس کے لیے کون سی سزا سوچ رہا تھا۔ وہ تو اپنی قابلیت کے بل بوتے پہ ٹاپ پہ آئی تھی' اس نے تو کوئی مقابلہ بازی شروع نہیں کی تھی' وہ قابل تھی جو بنا مقابلے کی نیت کیے جیت گئی تھی مگر اس کی جیت ایشان جاہ کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

❁......☆......❁

"یا آئی ڈی کو کیا ہو گیا' اوپن کیوں نہیں ہو رہی رات تو ٹھیک چل رہی تھی۔" صبح صبح سیل فون ہاتھ میں لیے وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی آئی ڈی تھی کہ اوپن ہو کر نہیں دے رہی تھی' ای میل' پاسورڈ اس نے سب چینج کر کے دیکھ لیا لیکن نتیجہ ہنوز تھا۔ سیل فون رکھ کر اس نے لیپ ٹاپ سے کوشش کی لیکن آئی ڈی وہاں سے بھی لاگ آؤٹ تھی۔

"اف......" وہ تھک ہار کے بیٹھ گئی' یہ خیال کے آئی ڈی ہیک ہو چکی ہے' اسے رونا آنے لگا' کتنی ہی یادیں اور تصاویر وال پہ تھیں۔

"ہو نہ ہو یہ شاہ زر شمعون کی ہی حرکت ہے' اسے ہی بیر ہے میرے اکاؤنٹ سے' پوچھتی ہوں' کس کے کہنے پہ میرا اکاؤنٹ چھینا۔" رونے سے فارغ ہو کر شدید غصے میں مبتلا ہو کر وہ بے ساختہ شاہ زر شمعون کو کال ملا گئی' اس کی دانست میں اس نے زیادہ سوشلزم پہ اسے مزا چکھایا تھا اور یہ سوچ اتنی گہری ہو گئی کہ اس نے فوراً ہی اس کا نمبر ملا دیا تھا۔

شاہ زر شمعون جو ابھی حویلی لوٹا تھا' شنائیہ کی کال آتے دیکھ کر نظر انداز کر گیا' اس کا ذہن گجر اور نوید میں الجھا ہوا

تھا۔ وہ اسی حوالے سے چودھری حشمت سے بات کرنے آیا تھا' کال دوبارہ آنے لگی تو اسے لامحالہ ریسیو کرنی پڑی۔

"آخر آپ کو مجھ سے دشمنی کیا ہے؟ جو آپ نے میرا اکاؤنٹ ہتھیالیا' حد ہوتی ہے کسی بات کی' آپ کو میرا سوشل ایپ یوز کرنا پسند نہیں تو آپ آپ اتنی اوچھی حرکتیں کریں گے؟ میرا اکاؤنٹ چاہیے تھا تو بول دیتے' میں خود دے دیتی' ہیک کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ حرکت آپ کو زیب نہیں دیتی۔" کال ریسیو ہوتے ہی وہ شروع ہوگئی تھی۔ اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر' کڑے لفظوں میں وہ کچھ زیادہ بول گئی' اکاؤنٹ کا غم اتنا زیادہ تھا کہ وہ یہ تک فراموش کرگئی کہ وہ شاہ زرشمعون سے مخاطب تھی۔

شاہ زرشمعون نے بے توجہی سے اس کی باتیں سننا شروع کیں لیکن جیسے جیسے سنتا رہا فشار خون بلند ہوتا رہا تھا' وہ پہلے ہی شدید طیش میں تھا اور اس کی باتوں نے مزید کھولا دیا تھا۔

"محترمہ شنائیہ چودھری' آپ جیسی بے وقوف' احمق لڑکی اپنے اکاؤنٹ کا غم منارہی ہے تو مناتی رہے' لیکن مجھے یہ سب باتیں بتانے کا مقصد؟ مجھے ہزاروں ضروری کام ہیں' آپ کی طرح فارغ نہیں جو کچرا جمع کرکے اپنے پاس رکھوں' آپ کے اکاؤنٹ میں علاوہ فضولیات کے ہے ہی کیا' کون سا ایٹمی نسخہ ہے جو میں ہیک کرکے امیر ہوجاؤں گا؟ آپ میں ذرا بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو مجھے کال کرنے سے پہلے سو بار سوچتیں' مجھے کال نا کرتیں۔ اچھا ہوا ہیک ہوگئی' اب بیٹھ کر انتظار کریں کہ ہیکر آپ کی پرسنل انفو اور تصاویر کو کیسے مس یوز کرے گا۔" اسے بے حد غصہ آیا' اچھی طرح دل کی بھڑاس نکالنے کا موڈ تھا لیکن چودھری حشمت کے دروازے تک پہنچ کر اس نے کال کاٹ دی۔

دوسری طرف شنائیہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے لہجے میں جو بے زاری اور لفظوں میں کاٹ تھی وہ پہلی بار محسوس ہوئی' یقیناً وہ ذہنی طور پر کسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس نے بنا خیال کیے کال کرکے بکواس کردی۔ ایک پل کو شنائیہ چودھری کو جہاں شرمندگی ہوئی وہیں اس کی باتوں نے اسے متفکر کردیا۔ اس کی باتوں سے تو یہی ظاہر تھا کہ اکاؤنٹ اس نے ہیک نہیں کیا' اگر کرتا تو جھوٹ نا بولتا' لیکن اب وہ کیا کرے' کس سے مدد لے؟ شاہ زرشمعون سے تو امید نہ تھی کہ اتنی باتیں سنانے کے بعد وہ اس کی کوئی مدد کرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ گئی' ایک وہی تو تھا جو اس کی مدد کرسکتا تھا لیکن اس نے اسی کو الزام دے کر اسے دشمن بنالیا تھا۔

"اف...... میں بہت بڑی بے وقوف ہوں' بنا پوچھے' بنا جانے اس پہ چڑھ دوڑی۔" وہ کمرے میں ٹہل کر اپنے مسئلے کا حل سوچنے لگی۔

"السلام علیکم!" وہ سر جھٹک کر چودھری حشمت کے کمرے میں داخل ہوا تو چودھری حشمت کے ساتھ سمہان آفندی کو حساب کتاب میں الجھا دیکھ کر ان دونوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ حویلی کے اکاؤنٹس سمہان آفندی ہی دیکھتا تھا۔

"وعلیکم السلام! خیریت ہے پتر جلدی آگیا؟" اس کی بے وقت آمد پہ دونوں چونکے تھے۔

"داجان...... جب تک گجر کا وجود زمین سے نہیں مٹے گا' تب تک مجھے چین نہیں آئے گا' وہ گاؤں سے باہر ہے لیکن میری اطلاع کے مطابق وہ گاؤں میں ہی چھپا بیٹھا ہے۔" اس کے غصیلے انداز کو دونوں نے حیرانی سے دیکھا۔ وہ ذہنی خلفشار کا شکار نظر آرہا تھا۔

"پتر ابھی ہم پنچائیت میں ہی جانے والے تھے۔ سمہان کے ساتھ تو اتنا پریشان نا ہو۔" چودھری حشمت کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ آپے سے باہر کیوں ہو رہا ہے۔

"جب تک بات میری فیملی پہ حملے تک تھی میں آپ سب کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا لیکن جب ایک لڑکی اپنا دوپٹا میرے پیروں پہ رکھ کر انصاف کا تقاضا کرے میں تب بھی چپ بیٹھا رہوں' دا جان یہ میری ذات پہ تازیانہ ہے۔ میری برداشت سے باہر ہے کہ مجرم آزاد پھر تا رہے اور میں تماشائی بنا رہوں۔" وہ بے حد کرب سے گویا ہوا' اس کے انداز پہ دونوں ایک بار پھر چونک گئے۔ اس نے نوریہ کا مسئلہ جب دونوں کے سامنے بیان کیا تو ان کے چہرے بھی سرخ ہونے لگے۔

"سمہان...... حساب کتاب ہم پھر دیکھیں گے۔ ابھی شاہ کے ساتھ پنچائیت کی بات کرنے جا رہے ہیں۔ غضب الٰہی اتنا ظلم۔" چودھری حشمت کو بھی یہ سب سن کر دھچکا لگا تھا' تب ہی سب سمیٹ کر اپنی پگڑی اٹھا کر پہنتے' پیروں میں کھیڑیاں ڈالتے وہ چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

"میں بھی چلوں آپ دونوں کے ساتھ؟" سمہان آفندی نے انہیں جاتے دیکھ کر استفسار کرنے لگا۔

"تو حویلی میں رہ پتر' حویلی میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے تیری' اور ہم تو بات کرنے جا رہے ہیں پنچائیت بلانے کی۔" چودھری حشمت کہتے ہوئے چلے گئے تو وہ بھی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

"سمہان...... فری ہو تو شنائیہ کی آئی ڈی ریکور کر دو' احمق لڑکی کی آئی ڈی ہیک ہو گئی ہے' کوئی مس یوز کر کے اسے مشکل میں نا ڈالے' ریکور کر کے سیکیور بھی کر دینا تاکہ پھر ہیک نا ہو' اس کی آئی ڈی کا لنک سینڈ کر رہا ہوں۔" شاہ زرشمعون نے گوکہ غصے میں شنائیہ کو باتیں سنادی تھیں لیکن اس کے حوالے سے متفکر بھی تھا۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا تب ہی سمہان آفندی کے ذمہ کام لگا گیا۔

"اوکے برو' ابھی کر دیتا ہوں۔" سمہان آفندی بھی شاہ زرشمعون کے ہمراہ چودھری حشمت کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی تو شاہ زرشمعون مشکور ہو گیا۔

"تھینکس سمہان......" شاہ زرشمعون سیل فون سیدھا کیے سمہان آفندی کو لنک سینڈ کر رہا تھا۔

"نو نیڈ برو' شنائیہ جی ہم دونوں کی کزن ہیں اور اپنے گھر کی عورتوں کی حفاظت کرنا اور ان کے کام آنا ہمارا فرض ہے۔" سمہان آفندی احتراماً کہہ گیا تو شاہ زرشمعون مسکرا کر اس کا شانہ تھپتھپاتا اپنے لینڈ کروزر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

❁......☆......❁

کاش کہ انسان اتنا با اختیار ہوتا کہ ماضی میں جا کر اپنے غلط فیصلوں کو سدھار سکتا' ان ہی غلط فیصلوں کو جنہیں ماضی میں کرتے وقت احساس نہیں ہوتا کہ یہی غلط فیصلے حال اور مستقبل کی ساری رعنائی کو نگل جائیں گے۔ انوشا اور ماورا کے جانے کے بعد منزہ اکیلی رہ گئی تھیں' بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی' پچھلے کئی ماہ سے وہ اپنے اندر بڑی تبدیلی محسوس کر رہی تھیں' وجود جیسے دیمک زدہ ہو گیا تھا' صحت تیزی سے گر رہی تھی' چکر آنا معمول کا حصہ بن گئے تھے' مشین پہ بیٹھتے ہی تھکن کا احساس ہونے لگتا اور جسم پہ جابجا نیل کے دھبے' جنہیں دیکھتے ہوئے ڈاکٹر جہاں خاموش ہو گیا' وہیں منزہ کے سوال پر بھی انہوں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا کہ جب تک ٹیسٹ رپورٹس نہیں آ جاتیں وہ حتمی طور پہ کوئی رائے دینے سے قاصر تھے سو وہ بھی چپ رہ گئی تھیں۔

دونوں نے زبردستی ناشتا کروا کر دوائیں کھلا دی تھیں دوپہر کے لیے سالن بھی تیار کر گئی تھیں لیکن انہیں بھوک کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا وہ بے دلی سے پلنگ پہ لیٹی رہیں۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو صائمہ کا خیال کر کے انہوں نے دروازہ وا کر دیا کہ صائمہ آئے دن چکر لگا لیتی تھیں لیکن دروازہ کھولنے پہ جو خبیث چہرہ نظر آیا اس نے ان کے ہاتھ پاؤں ایک سیکنڈ میں ٹھنڈے کر دیئے ان کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

"کیسی ہو رانی؟" وہ خباثت سے ہنسا۔ بدحواس ہو کر منزہ نے پورا زور لگا کر دروازہ بند کرنا چاہا مگر وہ انہیں دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

"تجھے کیا لگا تھا تو نے مجھے دھوکا دے دیا اور یہاں چھپ کر بیٹھی رہے گی اور مجھے خبر نہیں ہو سکے گی۔" وہ ارد گرد کا جائزہ لے کر ہنسا منزہ خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگ گئیں۔

"سالوں لگ گئے تجھے ڈھونڈتے لیکن دیکھ آخر ڈھونڈ ہی لیا تجھے۔" وہ منزہ کا ڈرا سہما روپ مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"ارے تو مجھ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہے میں وہی ہوں جس سے تجھے محبت تھی۔" وہ جیسے چڑا رہا تھا اور اس کی باتیں منزہ کو کوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

"کیوں آئے ہو یہاں نکل جاؤ یہاں سے۔" منزہ دبی آواز میں چلائیں ان کی سانس پھولنے لگی تھی۔ خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگی انہیں لگ رہا تھا وہ کسی بھی وقت زمین پہ گر جائیں گی۔

"برسوں بعد ملی ہے اتنی آسانی سے کیسے چلا جاؤں تجھے کہاں کہاں نا ڈھونڈا دیکھ لنگڑا بھی ہو گیا ایک بار پولیس کے ہتھے لگ گیا تھا سالوں نے مار مار کے ٹانگیں ہی توڑ دیں۔" وہ یوں روداد سنا رہا تھا جیسے برسوں بعد ملنے والے ایک دوسرے کو حال احوال سناتے ہیں۔

"بیٹیاں کہاں ہیں تیری ملوا نا ان سے۔" وہ آرام سے پلنگ پہ بیٹھ گیا اس کے اطمینان پہ منزہ خوف سے دہری ہو گئیں مگر بیٹیوں کے استفسار پہ ان کا خون کھول اٹھا۔

"نکلو یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں سب کو چیخ چیخ کے بلالوں گی۔" منزہ نے ہمت مجتمع کر کے دھمکی دے ڈالی کہ کسی طور تو وہ جائے۔

"بلالو میں بھی سب کو سچ بتا دوں گا۔" اس پہ چنداں فرق نہ پڑا الٹا اور پھیل کر بیٹھ گیا۔ منزہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح نکال باہر کریں محلے میں کسی نے دیکھ لیا یا کوئی ابھی گھر آ گیا تو وہ کیا جواب دیں گی۔

"بڑی بیمار لگ رہی ہے ٹھیک ہے جا رہا ہوں لیکن تجھے تو پتا ہے میں خالی ہاتھ کوئی کام نہیں کرتا خرچہ پانی دے تو میں جانے کی سوچوں۔" وہ فوراً اپنی اوقات پہ آ گیا تو منزہ نے اپنے آنچل میں لگی گرہ کھول کر روپے نکال کر سیدھے کیے اور اس کی ہتھیلی پہ دھر دیے۔

"بس اتنے سے؟" وہ چند سو کو دیکھ کر گھورنے لگا۔

"میرے پاس اتنے ہی ہیں غریب عورت ہوں۔"

"تو کم عقل ہے جو غریب ہے دو دو جوان بیٹیاں ہیں تیری کیش کرا۔"

"نکل جاؤ یہاں سے ورنہ تمہیں قتل کردوں گی یا خود کو۔" اس کی گھٹیا بات پہ پلنگ پہ سبزی کاٹنے کی نیت سے رکھی چھری اٹھا کر منزہ نے لہرائی تو اس کی بے فکری بھی ہوا ہونے لگی' بھلے منزہ کمزور اور بوڑھی ہوگئی تھیں لیکن وہ ان کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا اور پھر اسے کون سا منزہ کے دکھ درد دور کرنے تھے وہ تو پیسوں کے لالچ میں آیا تھا' وہ اسے مل گئے تھے۔

"رسی جل گئی پر بل نہیں گئے تیرے' جا رہا ہوں ابھی لیکن پھر آؤں گا اور اگلی بار یہ چھوٹی رقم نہیں لوں گا' موٹی رقم تیار رکھنا' ورنہ تیری بیٹیاں تو ہیں ہی۔" وہ اپنی اوقات دکھا کر دروازہ عبور کرگیا تو منزہ نے دوڑ کر دروازہ بند کردیا' مبادا پھر نا آجائے۔

دروازہ بند کرکے وہ سر پکڑ کر رونے لگی تھیں' ابھی تو بچیاں نہیں تھیں' وہ پھر آنے کی دھمکی دے گیا تھا' اگر جوان کے سامنے آجاتا تو...... وہ کیا کریں گی؟ اتنی جلدی وہ دوسرا ٹھکانا کہاں سے کریں جو اس گھٹیا انسان سے بچ سکیں۔

آنسوؤں کی بارش ایک بار پھر شروع ہوگئی تھی۔ انہیں انوشا اور ماورا کی فکر ہونے لگی۔ جلد سے جلد دونوں کی شادی کردینا ہی ان کے نزدیک بہترین حل تھا۔ رشتے کی غرض سے بات کرنے کے لیے وہ صائمہ کی طرف جانے کا سوچ رہی تھیں مگر ابھی جو کچھ ہوا اس کے باعث ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

❁......☆......❁
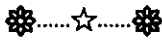
آئی ڈی ریکور کرکے سیکیور کرنے کے بعد شانیہ کو ای میل اور پاسورڈ سینڈ کرکے وہ ہال میں آیا تو عیشال جہانگیر کو منہ بسورے زمرد بیگم کے پاس بیٹھے دیکھ کر چونک گیا۔

"سبحان...... تو فارغ ہے بچے؟" زمرد بیگم اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔ جیسے انہیں مسئلے کا حل مل گیا ہو۔

"جی' دی جان' حکم کریں۔" وہ مودب ہوکر سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"عیشال کو کالج ڈراپ کردے پتر' اس کی سہیلی کا فون آگیا ہے' کالج سے' وہ کیا بولتے ہیں......" زمرد بیگم ذہن پہ زور دینے لگیں۔

"پریکٹیکل دی جان۔" عیشال جہانگیر نے ہولے سے کہا۔

"ہاں ہاں وہی ہے...... اسے کالج جانا ہے ڈرائیور تو بچیوں کو چھوڑنے کے بعد شہر گیا ہے کام سے' اب واپسی میں بچیوں کو لیتا ہی آئے گا' تو عیشال کو چھوڑ آ' واپسی میں ڈرائیور سب کے ساتھ لیتا آئے گا۔" زمرد بیگم کی بات کے اختتام پہ اس نے ایک نظر عیشال جہانگیر پہ ڈالی۔ اس کے آنے سے پہلے وہ منہ بسور کے بیٹھی تھی اور اب منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔

"بہتر دی جان۔" وہ مودب ہوکر کہا۔

"جا پتر چادر لے آ۔" زمرد بیگم نے کہا تو وہ چادر لینے اندر چلی گئی' چند منٹ میں ہی واپس آئی تو دوپٹا سر پہ لے کر گرے رنگ کی بڑی سی چادر کو جود کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ اس کے ڈھکے چھپے حلیہ کو دیکھ کر سبحان آفندی کو سکون حاصل ہوا۔ ان معاملوں میں اس نے کبھی کسی کو تنگ نہیں کیا تھا۔ وہ حویلی میں ہی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی تھی جب کہ باہر نکلتے اس کا یہی روپ ہوتا تھا۔ اس نے یونیفارم نہیں پہنا تھا مگر وہائٹ شیفون کا سوٹ اور وہائٹ دوپٹا یونیفارم جیسا ہی لگ

رہا تھا۔

"جاؤ پتر...... دھیان سے جانا دونوں۔" نکلنے سے پہلے سمہان آفندی نے سر جھکایا تو زمرد بیگم سر پہ ہاتھ پھیرنے کے ساتھ دعائیں دینے لگیں۔

"اللہ حافظ دی جان۔" سمہان آفندی آگے بڑھ گیا تو وہ بھی ان سے دعا لیتی تیزی سے پیچھے لپکی۔

"پہلے جھوٹ موٹ بیماری کا بہانہ کر کے چھٹی کرلو اور پھر پریکٹیکل کا شور مچا کر کالج کی دوڑ لگواؤ' یہ اچھی حرکت ہے۔" گاڑی کی سمت چلتے ہوئے وہ عیشال جہانگیر کو گھور کر بولا۔

"تمہارا جانے کا موڈ نہیں تھا تو دی جان کو انکار کر دیتے' اب مجھے باتیں مت سناؤ۔" حسب عادت وہ چڑ گئی کہ وہ احسان جتا رہا تھا۔

"ڈرائیور کی بجائے تمہیں میرے ساتھ کالج جانے کا شوق چرایا ہے' باتیں تو سناؤں گا۔" وہ اپنی سواری تک پہنچ گیا تھا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے عیشال جہانگیر نے تیکھے چتونوں سے اسے گھورا۔

"تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں جو میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے مروں گی۔" تڑخ کے کہتے وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

"یہ تو تم بہتر جانتی ہو گی۔" اس نے کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"اب اگر زیادہ باتیں سنائیں گے تو میں اتر جاؤں گی۔" وہ دھمکی پہ اتر آئی۔

"حویلی میں ساری پابندیاں عورتوں کے لیے ہیں' عورتیں سائیکل' اسکوٹی' جہاز اڑا رہی ہیں اور دا جان ہمیں گاڑی تک چلانے کی اجازت نہیں دیتے۔ محتاج بنا کر رکھا ہے حویلی کے مردوں کا اور وہی مرد ذرا سے کام پہ طعنے دیتے ہیں۔" اب وہ خود ترسی کی کیفیت میں ڈوب کر غصے کے سمندر سے ابھرنے کا پلان کر رہی تھی۔

"یہ کیئر اور فکر ہے' جنہیں تم پابندی سمجھتی ہو' اپنی سوچ کا نظریہ بدلو زندگی آسان لگے گی۔" نرم لہجے میں کہتے اس نے ہارن دیا تو چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"تم بھی حویلی کے حاکم مزاج مردوں میں سے ہی ہو ناں' تمہیں میری باتیں کہاں سے درست لگیں گی؟" وہ استہزائیہ انداز میں کہتے آنچل سر پہ جمانے لگی۔

"بے شک میری جڑیں بھی حویلی سے ہیں لیکن میں اپنی بصیرت کے مطابق جو دیکھتا ہوں' وہ تم نہیں دیکھ سکتیں۔ مانا حویلی میں عورتوں کے لیے کچھ قواعد و قانون ہیں لیکن ان اصولوں سے کسی کی آزادی مجروح نہیں ہوتی کھانے' پینے' پڑھنے' شاپنگ تمام چیزوں کی آزادی ہے لیکن ایک حد میں رہ کے اور یہ حد تمہاری بقا کے لیے کتنی ضروری ہے یہ تم ابھی نہیں جان پا رہیں لیکن ایک دن اس بات کو تم بھی مانو گی' جو پابندیاں ہیں وہ تمہارے مفاد میں ہیں لیکن ان کی سمجھ تمہیں ابھی نہیں آئے گی۔" ڈرائیو کرتے وہ ناصحانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا اور وہ ان سنی کیے باہر کے نظارے سے لطف اندوز ہونے لگی۔

"اس کچھوے کی رفتار سے چلتے رہے تو پریکٹیکل کی کلاس بھی نکل جائے گی۔" زیادہ دیر چپ رہنا اس کے مزاج کے برخلاف تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پہ سمہان آفندی نے گاڑی کی رفتار سلو کر رکھی تھی۔

"کم از کم اس طرح تمہاری جان کی سلامتی تو رہے گی۔ تیز رفتاری کے باعث خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو......"

"تو......؟" سوال کر کے وہ اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔

"تو...... حویلی میں مجھ سمیت سب کو افسوس ہوگا کہ حویلی میں بھونچال لانے والی نہیں رہی' حویلی میں سب امن ہے۔" شرارت سے کہہ کر وہ لب دبا گیا اور وہ جو کسی اچھے جواب کی منتظر تھی جھلس کے رہ گئی۔

"شٹ اپ......" وہ دھیمے سے غرائی اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"تم سے کبھی اچھی امید نہیں ہوگی۔" اسے غصہ آنے لگا۔

"رکھنا بھی مت۔" مہر ثبت کر کے اس کے شور مچانے پہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ جب اونچے نیچے راستے پہ چلتے ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔

"شٹ......" سبحان آفندی کی ڈرائیونگ میں مشاقی کام آئی تھی جو وہ گاڑی کو ہینڈل کر کے بریک لگا گیا تھا۔ تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا' پچھلا ٹائر جواب دے گیا تھا۔

دوسرے ٹائر کی تلاش میں اس نے گاڑی پہ نظر ڈالی اور دوسرے پل ہی بالوں میں انگلیاں پھنسا گیا۔ دوسرے ٹائر میں ہوا کم تھی' اسے مینٹین کر کے اس نے ٹائر گاڑی میں رکھ دینے کی ہدایت زرگل خان کو کی تھی مگر ٹائر کی غیر موجودگی ظاہر کر رہی تھی زرگل خان بھول گیا ہوگا۔

"کیا ہوا؟" وہ بھی باہر نکل آئی۔

"ٹائر پنچر ہوگیا۔" گرے جینز اور وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے لائٹ براؤن بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔

"دوسرا ٹائر بھی گاڑی میں نہیں۔" مضبوط کلائی سامنے کر کے اس نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے ساتھ اردگرد نظر دوڑائی' اس وقت وہ گاؤں کی حدود میں ہی کھڑے تھے۔ دور دراز کھیت نظر آ رہے تھے مگر کھیت میں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کہ فصل ابھی تیار نہیں تھی۔

"اف اتنی لاپروائی' میری کلاس بھی نکل جائے گی۔ تم دھیان نہیں رکھ سکتے تھے اب ہم کیا کریں گے؟" اسے مورد الزام ٹھہرا کر وہ پریشان نظر آنے لگی۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھ کر ناکارہ ٹائر کو چیک کر رہا تھا کہ شاید بات بن جائے۔

"ہونہہ......" وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر ہاتھ سینے پہ باندھ گئی۔

"ٹائر تو اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جاسکے' تھوڑا آگے ایک ورکشاپ ہے میں ٹائر کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔" ٹائر کا معائنہ کر کے وہ ہاتھ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میں؟" وہ ٹھٹکی۔

"تم تب تک ان کھیتوں میں گانا گالو۔" اس کے معصومانہ سوال پہ وہ جھنجلا کر بولا۔ وہ پیر پٹخ کے رہ گئی۔

"اللہ کی بندی...... دھوپ میں کہاں خوار ہوگی' میرے ساتھ۔ تم اندر بیٹھ کر ویٹ کرو میں جلدی آجاؤں گا۔" اس نے گاڑی کے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی دھوپ کی تمازت کا احساس کرتی اندر بیٹھ گئی۔

"شیشے اوپر چڑھا لو لاک کر کے بیٹھنا' میں جب تک نا آؤں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے تنبیہہ کی۔ عیشال جہانگیر خاموشی سے اسے خود سے دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

❀......☆......❀

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
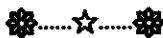
ایئرپورٹ جانے والے ہر راستے پہ جگہ جگہ ناکہ بندی لگی ہوئی تھی۔ خفیہ ایجنسیز کی معلومات کے مطابق قدیر رانا کا اہم کارندہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنے اثر ورسوخ اور سیاسی پارٹی کی سپورٹ کی بناء پہ قدیر رانا کو ضمانت مل گئی تھی اور باہر نکلتے ہی وہ اپنی گردن تک آنے والے سارے مہروں کو ایک ایک کرکے منظر سے غائب کررہا تھا لیکن چودھری اس کیس کے پیچھے پڑ گئے تھے قدیر رانا کی ضمانت پہ انہیں شدید غصہ تھا' جس ملک میں لوگ اسٹے آرڈر کی آڑ میں بیٹھے ہوں' وہاں قدیر رانا جیسے منی لانڈرنگ کرنے والے سیاسی قاتل کو بچانے کے لیے ان جیسوں کے آقا جب میدان میں آجاتے تھے تو چودھری جہانگیر جیسے نڈر افسر کو طیش آجاتا تھا' جو انہیں قانونی طور پر کام کرنے نہیں دیتے تھے۔ ضمانت' وارنٹ' عدالت کی آنکھ مچولی سے بہتر انہیں ان کاؤنٹر لگتا تھا' نا ثبوت' نا پیشی' سیدھی سزا۔ اس وقت بھی جگہ جگہ چیکنگ کا عمل جاری تھا۔ دو تین موبائل سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی تھیں۔ موبائل میں موجود اہلکار چوکس تھے کچھ اہلکار سڑکوں پہ پھیل کر ہر گاڑی کو چیک کررہے تھے۔ چودھری جہانگیر پراڈو سے ٹیک لگائے' بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ دبائے وائرلیس پہ بات کرتے وقفے وقفے سے سگریٹ کے کش لگا کر فضا میں دھواں چھوڑ رہے تھے۔ اسی لمحے ان کے موبائل پہ کال آنے لگی تھی۔ کال ان کی عزیز بیٹی نرمین کی تھی۔

"بولو بیٹا۔" وائرلیس رکھ کر انہوں نے کال ریسیو کی۔

"پپا...... مجھے پی ایس ایل کے میچز دیکھنے دبئی جانا ہے' آج ہی اپنی دوستوں کے ساتھ' آپ میری ٹکٹ کروا دیں۔" نرمین نے بہت لاڈ سے کہا۔

"او کے بیٹا کروادوں گا۔ ابھی تھوڑا بزی ہوں' گھر آکر کرواتا ہوں۔" چودھری جہانگیر کے لہجے میں زمانے بھر کی محبت اُمڈ آئی تھی۔

"پپا بھول لیے گا نہیں۔" نرمین یاددہانی کروائی۔

"نہیں بھولتا اپنی بیٹی کی باتیں۔" اور اس مان بھری محبت پہ اٹھلاتی نرمین خوشی خوشی فون بند کرگئی تھی۔

اسی لمحے وائرلیس پہ پیغام آنے لگا اور اس سے ملنے والی معلومات نے ان کے لب بھینچ دیئے جس کارندے کے لیے وہ سڑکوں پہ جال بچھائے بیٹھے تھے وہ قدیر رانا کے ہم نوالہ ہم پیالہ کے پرائیوٹ طیارے سے کل رات دبئی پہنچ چکا تھا اور اب لندن کے لیے محو پرواز تھا۔ جب تک مجرموں کے سہولت کار موجود تھے تب تک ساری فورس بے بس منہ ہی تکتی رہ سکتی تھی۔ چودھری جہانگیر کو شدید غصہ آنے لگا۔ قدیر رانا کا سہولت کار ملک ذوالفقار اب ان کی ہٹ لسٹ پہ آ گیا تھا۔ جو پرائیویٹ ایئرلائنز کا مالک تھا۔

❁......☆......❁

ہماری چند تصویریں محفوظ کرلیجیے
مستقبل میں سوال ہوتا آخر وہ شخص کیسا تھا

منزہ جب کبھی خود کو تنہا محسوس کرتیں اس تصویر کو سامنے رکھ لیتی تھیں۔ اس کی کورس کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں اپنی تصویر شرارتاً رکھتے اس نے یہ شعر پڑھا تھا' جب منزہ غصہ کرتے ہوئے اسے تصویر رکھنے پہ ڈانٹ رہی تھی۔ اپنے سامنے تو اس نے تصویر کتاب سے نکال کر اسے تھمادی تھی مگر جانے کب وہ پھر تصویر دوسری کتاب میں رکھ گیا تھا سادن بہلاسی کی یہی حرکت جو ... اس وقت نہایت بری لگی تھی اب ان کے برے وقت کا سہارا تھی۔ جب کبھی ان کا دل

دکھوں سے بھر جاتا تھا وہ چپکے سے تصویر نکال لیتی تھیں۔ تصویر میں موجود چوبیس پچیس سالہ شخص اب یقیناً پینتالیس سے اوپر کا ہوچکا ہوگا' ناک' نقش نا سہی رنگ وروپ میں ضرور فرق آیا ہوگا۔ کالے سیاہ بالوں میں تھوڑی سفیدی بھی جھلکنے لگی ہوگی۔ اکڑی ہوئی مونچھوں میں شاید کمی بھی آ گئی ہوگی انہیں کسی فرق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' اس تصویر کو دیکھ کر ہی وہ بھولے بسرے ان لمحوں میں قید ہوجاتی تھیں جہاں سے نکلنے کے لیے انہوں نے غلط راستوں کا انتخاب کیا تھا' عارضی پل کو منزل گردان لیا تھا اور وہ پل میں ہی گر گیا تھا۔ نا منزل ملی نا راستہ باقی بچا' اس لاحاصل سفر سے کچھ ملا تھا تو صرف تھکن' ایسی تھکن جس پہ پاؤں سے زیادہ روح ودل پہ آبلے پڑ گئے تھے۔

انہیں لگا تھا امتحان ختم ہوگیا لیکن ماضی کے بدنما صفحے پھڑ پھڑا کر ایک بار پھر سے ان کے سامنے کھل گئے تھے اور ان سے جھلکتی عریانیت انہیں اذیت دینے لگی تھی۔ مستقل آنسو بہانے کی صورت میں آنکھیں دن بہ دن اندر کو دھنستی جارہی تھیں' کچھ آنسو تصویر پر بھی گر رہے تھے۔ دفعتاً ان کے اعصاب کھنچے' وجود میں ڈر کی ایک لہر دوڑ گئی' دروازے پہ دستک کی آواز سے وہ خوف زدہ ہوگئیں تھیں چند لمحے یونہی بے حس وحرکت بیٹھی رہیں' نظریں بے ساختہ دیوار پہ لگی گھڑی کی سمت گئیں' ابھی بیٹیوں کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا' پھر کون ہوسکتا تھا؟ دروازے پہ کیا پھر وہی خبیث؟ اس تصور سے ہی ان کے وجود پر کپکپی طاری ہونے لگی۔ وہ دستک کو ان سنی کیے کمرے میں دبکی بیٹھی رہیں۔

''منزہ آپا......'' دستک کے ساتھ جب صائمہ کی آوازیں بھی آنے لگیں تو ان کے کپکپاتے جسم کو قرار ملا۔ ہاتھ میں موجود تصویر کو جلدی سے کتاب کے اندر منتقل کر کے وہ جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں رگڑنے لگیں۔ کتاب کو واپس ٹرنک کے اندر منتقل کر کے کڑی میں تالا ڈالتے وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھیں مگر اس زور کا چکر آیا کہ انہوں نے بے ساختہ کمرے کا دروازہ تھام لیا' ورنہ تو گر ہی جاتیں' چند ثانیے گھومتے سر کو اعتدال میں آنے میں لگے تھے۔

''کون؟'' انہوں نے اپنا وہم دور کرنا چاہا' صبح انجانے میں دروازہ کھولنے کا مزاوہ چکھ چکی تھیں۔

''میں ہوں آپا......صائمہ۔'' باہر سے صائمہ کی آواز آئی تو انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''آپا' بڑی دیر کردی دروازہ کھولنے میں' میں تو اب ناامید ہو کر جا ہی رہی تھی۔''

''ہاں بس چکر آرہے ہیں تو اٹھنے میں دیر ہوگئی' کمرے میں ہی آجاؤ' صحن میں دھوپ ہے۔'' منزہ انہیں لیے کمرے کی طرف بڑھ گئیں' پلنگ پر بیٹھ کر وہ لمبی لمبی سانس لینے لگیں جیسے طویل پیدل چلی ہوں۔ آج کل انہیں بڑی جلدی تھکن ہوجاتی تھی۔

''میں سبزی لینے جارہی تھی' سوچا آپ سے بھی پوچھتی چلوں' کچھ منگوانا ہے بازار سے تو بتادیں اور پھر ایک ضروری بات بھی کرنی تھی آپ سے۔'' صائمہ نے آنے کی وجہ بیان کرتے ان کی دلچسپی بڑھائی۔

''آپ نے کچھ عرصہ پہلے انوشا کے رشتے کے لیے کہا تھا ناں' میری بہن ایک رشتہ بتارہی تھی' لڑکا اچھا کھاتا کماتا ہے آپ کہیں تو بلوالوں' ان لوگوں کو؟'' صائمہ کی بات پہ منزہ کو ازحد مسرت ہوئی' ابھی وہ اسی سلسلے میں بات کرنے صائمہ کی طرف جانے کا سوچ رہی تھیں اور صائمہ خود رشتے کی بات کرنے آپہنچی تھیں۔

''تم نے بڑی اچھی خبر دی صائمہ' بالکل بلالو' میں خود تمہاری طرف آنا چاہ رہی تھی اسی سلسلے میں بات کرنے' جلد سے جلد دونوں بیٹیوں کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں' جو ہوسکے تو ماورا کے لیے بھی لڑکا دیکھو' دونوں بیٹیوں کی ساتھ شادی کردوں گی۔'' منزہ کو یہی بہترین حل لگ رہا تھا' ایک تو ان کی بیماری' دوسرا بے حس معاشرہ اور اس خبیث کے خوف سے

وہ بیٹیوں کو اسی طرح لاوارث چھوڑ کر جاتیں تو مرنے کے بعد قبر میں بھی بے سکون رہتیں۔
"ان شاء اللہ! دونوں بچیوں کی شادی ہوجائے گی آپ پریشان نا ہوں بس اپنا خیال رکھیں پھر میں کل بلالوں لڑکے والوں کو آپا؟" صائمہ اٹھتے ہوئے دلاسا دیتی استفسار کرنے لگیں۔
"ہاں ہاں بلالو اللہ جلد سے جلد میری بیٹیوں کو اپنے گھر کا کرے آمین۔" صائمہ کے جانے کے بعد منزہ کتنی ہی دیر تک بیٹیوں کے اچھے نصیب کے لیے دعا گو رہی تھیں۔

❁......☆......❁

چودھری حشمت اور شاہ زرشمعون پنچائیت کی جگہ پہ پہنچے تو گجر اور اس کے خاص کارندے انہیں دیکھ کر بھاگنے کو پر تولنے لگے۔ وہ گاؤں سے باہر نکل کر بھی دیکھ چکا تھا چودھری جہانگیر نے پنجاب پولیس کو جس طرح اس کے پیچھے لگا دیا تھا اس کی وجہ سے وہ واپس بھاگ کر گاؤں آ گیا تھا کہ گاؤں ہی اس کی محفوظ پناہ گاہ تھا۔ وہ چھپ چھپا کے رہ رہا تھا بار بار پنچائت کی طرف سے بھی بلاوا آنے لگا تو لامحالہ پنچائیت سے پہلے وہ پنچائیت کے ارکان کو اپنی جھوٹی مظلومیت کی داستان سنانے لگا کہ چودھری حشمت کے بیٹے چودھری جہانگیر نے کیسے شہر میں موجود اس کے بیٹوں کو بھی تنگ کر رکھا ہے اور یہ کہ چودھری حشمت اور سبحان آفندی پہ حملہ اس نے نہیں کروایا وہ چھپتے چھپتے تنگ آ گیا تھا تب ہی معصوم بن کر پنچائیت میں بات کرنا چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس کی گلوخلاصی ہوسکے۔
"انہیں اس وقت بلا کر تم لوگوں نے ثابت کردیا کہ تم سب بھی ملے ہوئے ہو۔" گجر شاہ زرشمعون اور چودھری حشمت کو دیکھتے پنچائیت کی اراکین کو الزام دیتے غصہ کرنے لگا۔
"گجر ہوش میں رہ کر بات کر جس طرح ہزار بار کے بلاوے کے بعد تو آ کر دہائی دے رہا ہے کہ تو معصوم ہے اسی طرح یہ بھی خود آئے ہیں کیا ابھی تجھے ہم نے بلایا؟ ہم تو پنچائیت لگانے کا پیغام بھجوا رہے تھے تجھے اور گاؤں بھر میں مشہور کہ تو گاؤں میں نہیں چودھری حشمت کو ہم نے نہیں بلایا۔ یہ خود آئے ہیں۔" پنچائیت کے سنیئر رکن چودھری حمید نے گجر کو سناتے ہوئے کہا تو گجر کے چہرے پہ نامانوس والے تاثرات آ گئے۔ اسے لگ رہا تھا اس نے یہاں آ کر غلطی کردی اور اب وہ پھنس گیا تھا۔
"ہمیں کسی نے نہیں بلایا ہم خود پنچائیت کے معزز اراکین تک تمہارے گندے کھیل کا مقدمہ لے کر آئے ہیں۔ تم نے ہم پر ہمارے پوتے پر حملہ کیا تمہارے آدمی بھولو کی بہن کے بھاگنے پہ تم نے نوریہ کی عصمت دری کروائی تمہارے گناہ تو ایسے ہیں کہ تمہیں بیچ چوک میں پھانسی دی جائے...... گجر۔" چودھری حشمت اپنے جاہ وجلال میں آ چکے تھے۔ گجر بھی بحث بازی پہ آ گیا تھا۔ پہلے تو وہ انکاری رہا کہ اس نے کچھ نہیں کیا بعد میں اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ اقرار کرلیا کہ وہ انہیں ختم کرنا چاہتا ہے پنچائیت کے اراکین نے معاملہ گرم ہوتے دیکھ کر بحث سے منع کرتے پنچائیت لگانے کی بات کی تو گجر نے انہیں بھی گالیاں دینا شروع کردیں۔
"اوئے چپ...... تم جیسے دو ٹکے کے لوگ پنچائیت لگا کر گجر کو مجرم ثابت کروگے؟ اس گاؤں میں صرف گجر کی حکومت ہوگی صرف اسی کا قانون چلے گا اور یہ سب اسی وقت ہوگا جب تو مرے گا چودھری حشمت۔" چودھری حشمت اور شاہ زرشمعون کو اکیلے دیکھ کر گجر کچھ زیادہ اچھلنے لگا تھا بات کے اختتام پر اپنے پیچھے کھڑے بھولو سے گن لے کر گجر کا ارادہ ابھی اور اسی وقت چودھری حشمت اور شاہ زرشمعون کو ختم کرنے کا تھا۔ دونوں کو خالی ہاتھ اور بنا باڈی گارڈ کے دیکھ

کر اسے اپنا کھیل آسان لگنے لگا تھا۔

پنچائیت کے ارکان بھی گجر کی بات پہ متوحش ہو گئے تھے۔ وہ پنچائیت کے ارکان کو بھی قتل کی دھمکی دے رہا تھا' اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے' اس کی نفرت اور دشمنی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ شاہ زرشمعون کا خون ابل رہا تھا۔ حد ادب کو ملحوظ رکھتے بڑوں کے درمیان زبانی تلخ کلامی پہ وہ خاموش کھڑا تھا لیکن اس کی ہر حس آنکھ بن کر گجر کے ساتھ ارد گرد کو بھی بھانپ رہی تھی۔ گجر کے لفظوں کی گرمی بڑھی اور اس نے گن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس تیزی سے چودھری حشمت کو مضبوط پیڑ کی آڑ میں کرتے' اپنی کمر میں اڑسے پسٹل نکالے تھا سے ذرا دیر نہیں ہوئی تھی۔ ساتھ ہی فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج گئی تھی۔ پہلی دو گولیوں میں ہی بھولو اور گجر' شاہ زرشمعون کا نشانہ بن گئے تھے۔ دوسرے نے وفاداری نبھائی اور گولی شاہ زرشمعون کے بازو میں لگ گئی تھی۔

''شاہ......'' چودھری حشمت پوتے کو گولی لگتے دیکھ کر چیخے مگر اگلے ہی لمحے شاہ زرشمعون نے اس کی وفاداری کا انعام اس کے بھیجے کو اڑا کر دیا۔

''شاہ...... تو ٹھیک ہے پتر؟'' چودھری حشمت حواس باختہ سے اس کے قریب آ کر بازو دیکھنے لگے۔ پنچائیت کی ارکان جنہوں نے درختوں کی آڑ میں' زمین پہ لیٹ کے جان بچائی تھی' وہ سب بھی کھڑے ہو گئے' گجر اور اس کے ساتھیوں کی لاش اور شاہ زرشمعون کے بازو سے بہتے خون کو سب خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ شاہ زرشمعون اپنے درد کو فراموش کر گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون پھیل گیا تھا' نوریہ سے کیا وعدہ ایفا ہو گیا تھا۔

❀......☆......❀
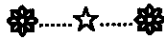
سبحان آفندی کے نمبر سے آئے ای میل اور پاس ورڈ کو دیکھ کر شانائیہ اچھل پڑی۔ اس نے اسی وقت آئی ڈی لاگ ان کی اور جب اوپن ہو گئی تو وہ بے ساختہ سبحان آفندی کو کال کر گئی۔ سبحان آفندی جو ورکشاپ کی تلاش میں نکلا ہوا تھا' صد شکر کہ ورکشاپ مل گئی تھی۔ وہ ٹائر لے کر آ رہا تھا جب اس کا سیل فون بجنے لگا۔

''یقیناً بے صبری سے صبر نہیں ہو رہا ہوگا۔'' عیشال جہانگیر کا خیال کرتے اس نے سیل فون نکالا۔ دوسرے ہاتھ میں ٹائر منتقل کرتے اس نے اسکرین پہ شانائیہ کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی۔

''جی شانائیہ جی! آئی ڈی مل گئی؟'' اس نے بے ساختہ گفتگو کا آغاز کیا' سمجھ گیا تھا کہ اس نے اسی سلسلے میں فون کیا ہے۔

''ہاں' مل گئی۔ تھینکس' لیکن تمہیں کیسے خبر ہوئی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''یمرونے کہا تھا ریکور کرنے کو' آپ پاس ورڈ چینج کر کے کوئی اسٹرونگ پاس ورڈ لگا کر بے فکر ہو جائیں۔ نہیں ہوگی پھر ہیک' بھی سیکیور کر دی ہے۔'' وہ اسے سمجھا کر مطمئن کر رہا تھا۔

''ایں...... یعنی تم بھی اس کھڑوس کی طرح اس فن سے واقف ہو؟ یا اللہ کتنے خطرناک کزنز ہیں میرے۔'' شانائیہ چودھری کو یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ سبحان آفندی بھی اس دشت کا سیاح تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ بھی اپنے متعلق چیزیں شو نہیں کرتا تھا' بھلے بولتا شاہ زرشمعون سے زیادہ تھا۔

''جی آداب عرض ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''مجھے بھی سیکھنا ہے' مجھے سکھاؤ۔'' وہ ضدی ہوئی۔

''آن لائن تو نہیں سکھا سکتا آ جائیں حویلی کچھ ماہ کے لیے پھر سکھادوں گا۔'' اس نے آفر دی۔

''اچھا......'' حویلی میں رہنے کے خیال سے ہی اس کا منہ بن گیا۔

''سیکھ گئی تو سب سے پہلے اسی کی آئی ڈی اڑاؤں گی بہت بنتا ہے اس سڑیل کے پاس تھی نا آئی ڈی اس کے کہنے پہ کہیں تم مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے ناں۔'' اپنے خطرناک ارادے بتا کر وہ مشکوک ہوئی' سبحان آفندی بھی اس کے ارادے جان کر ہنس پڑا لیکن اس کے شک کرنے پہ اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

''اپنوں پہ شک نہیں کرتے شنائیہ جی آپ کی آئی ڈی آپ کے اپنے ہی شہر کے ہیکر کے پاس تھی۔ کہیں تو لوکیشن بھی سینڈ کر دوں؟''

''نہیں' تم کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتی ہوں' پھر تو سڑیل کو میں نے بلاوجہ باتیں سنا دیں آئی ڈی کے غم میں' اس نے بھی تھوڑی سی ڈانٹ پہ اکتفا کیا' حیرت ہے ویسے' ورنہ میں تو سوچ رہی تھی دیوار میں نا چنوائے لیکن کوئی سخت سزا ضرور پلان کرے گا۔'' وہ مزے سے اظہار خیال کر رہی تھی۔

''اگر آپ نے گستاخی کی ہے اور وہ سستے میں چھوڑ گئے ہیں تو آپ کا اندازہ درست ہے' بروا آج کل گاؤں کے مسائل اور پچھلے حملے کے واقعے میں الجھے ہوئے ہے آئندہ خیال رکھیے گا۔'' سبحان آفندی نے گھما پھرا کر ڈرانے کی کوشش کی' وہ چلتے ہوئے اپنی گاڑی کے قریب آ گیا تھا۔ وہ جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا' اس کی نظریں گاڑی کے اندر طواف کر رہی تھیں' قدموں کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

گاڑی کے قریب آ کر اس کی فکر دو چند ہو گئی تھی' کال ڈسکنیکٹ کرتے اس نے دوسرے ہاتھ میں موجود ٹائر نیچے گرا کر عیشال جہانگیر کا نمبر ملایا مگر ٹون گاڑی کے اندر سے آنے لگی تو اس نے جھک کر دیکھا عیشال جہانگیر کا سیل فون سیٹ پہ پڑا ہوا تھا' اور وہ خود کہاں تھی؟ اس کے ماتھے پہ لکیریں پڑنے لگیں' ارد گرد نظر دوڑاتے وہ ہر سمت قدم بڑھا کر دیکھ چکا تھا' دور تلک سناٹا تھا' اس کے دل کو جیسے کسی نے دبوچ لیا تھا۔

''عیشال......'' وہ پوری قوت سے چلایا۔ اس کے دل کی دنیا عیشال کی غیر موجودگی پہ ایک سیکنڈ میں ڈول گئی تھی۔

''عیشال......'' وہ پاگلوں کی طرح اسے آواز دے رہا تھا۔

''سبحان...... مجھے بچاؤ آ...... آ......'' عیشال کی خوف زدہ آواز جانے کہاں سے آئی تھی۔ آواز کی سمت بھاگتے اس نے اپنی جیب سے پسٹل بھی نکال لیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

یہ عشق نہیں آساں

نائلہ ندیم

محبت کیا ہے؟ اس کی کوئی سچائی بھی ہے یا یہ محض دل لگی ہے؟ ہاں یہ محبت نہیں محض دل لگی ہے محبت کچھ نہیں ہوتی، کچھ بھی نہیں یہ محض دھوکہ ہے اور محبت بس وہی سچی جو رشتوں میں مقید ہو اور کسی کا اچھا لگ جانا سب فضول ہے یہ ایک پندرہ سال کی لڑکی کی سوچ تھی۔ اتنی پختہ...... کیا پندرہ سال کی عمر میں سوچ اتنی پختہ ہوسکتی ہے؟ دل اتنا سخت ہوسکتا ہے اور قدم کیا اتنے مضبوط ہوسکتے ہیں؟ ہاں ہوسکتے ہیں، جب دل نے دھوکہ کھایا ہو تو محبت اور دل لگی کا فرق سمجھ میں آنے لگتا ہے، ابھی تھوڑے عرصے پہلے ہی کی تو بات ہے جب اپنا آپ سب سے اچھا لگتا تھا، ساری دنیا رنگین لگتی تھی اور ہر آنکھ سچی لگتی تھی، لیکن اب پرکھنا کیسے آ گیا، دل جو اتنا نرم تھا، سخت کیسے ہوگیا، قدم جو بہکے ہوئے تھے وہ اپنی جگہ ایسے جمے کہ شاید اب کوئی انہیں اپنی جگہ سے اکھیڑ نہیں سکے گا لیکن یہ مضبوطی خوشی نہیں دیتی کرب میں مبتلا کردیتی ہے، شاید خود کا بے وقوف بنائے جانے کا دکھ ایسا ہی ہوتا ہے، خود اذیتی میں مبتلا کردیتا ہے۔

"ملیحہ بیٹا" ماما کی آواز کانوں میں آئی تو سوچیں منتشر ہوئیں، میں نے چونک کر ماما کو دیکھا جو غور سے میرا چہرہ دیکھ رہی تھیں، میں نے نظریں چرالیں اتنی ہمت نہیں تھی کہ جو کچھ دل پر بیتی تھی ماما کو بھی اس درد سے آشنا کرتی، میری انا وخودداری اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ اپنی ماما کو بتاتی کہ ماما آپ کی اتنی مضبوط اور باوقار بیٹی جو آپ اور بابا کا غرور ہے جس کو آپ لوگوں نے ہمیشہ وقار سے جینا سکھایا ہے جس کے وقار اور رکھ رکھاؤ کے چرچے پورے خاندان میں ہیں آج کسی نے اس کو بے وقار کرنے کا سوچا، اس کو بے وقوف بنانا چاہا، ماما کی آواز دوبارہ کانوں میں آئی۔

"ملیحہ بیٹے...... کیا ہوا ہے تمہیں، اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو، کیا رزلٹ کا ڈر ہے؟" اور میں نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلادی۔

"بیٹا تو پھر دعا کیا کرو اداس ہونے سے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی اتنا سوچنے سے۔ اللہ سے مدد مانگو اس کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔" اور میں نے اپنی ماما کے پُرنور چہرے کی طرف دیکھا کہ واقعی اللہ کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ ماما نے ہمیشہ ہمیں ہر مشکل میں اللہ سے مدد مانگنے کی تلقین کی اور خود بھی اپنے عمل سے ثابت کیا۔ کسی بھی مشکل میں اللہ ہی کو پکارا جب ہی آج ہر طرح سکون اور خوشحالی ان کا مقدر تھی۔ میں وضو کرنے کے لیے اٹھ گئی اور جب نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں نے رو رو کر دعا میں اپنے رب سے بس اتنا کہا۔

"اے میرے رب...... مجھے سکون دے۔" اور جب میں دعا مانگ کر اٹھی تو جیسے میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی تھی یا شاید میں خود ہی سرتاپا بدل گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

ایک وہ دن تھا جب میں پندرہ سال کی تھی اور ایک آج کا دن ہے پندرہ سال بعد کا...... جب میں شادی شدہ ہوں، میرے چار پیارے پیارے بچے ہیں اور جس پر لوگ رشک کرتے ہیں جسے اللہ نے ہر نعمت سے نوازا ہے۔ چاہنے والا شوہر جو واقعی مجھ پر جان چھڑکتا ہے، جس نے کبھی زبانی دعویٰ نہیں کیا بلکہ اپنے ہر عمل سے ثابت کیا، اولاد کی نعمت، اچھا گھربار، خوشحالی اور سب سے بڑھ کر ماں باپ کی دعائیں اور آنکھوں کا سکون جو مجھے اپنے گھر میں خوش باش دیکھ کر مزید بڑھ جاتا ہے۔

آپ لوگ سمجھ رہے ہوں گے کہ پتہ نہیں میرے ساتھ ایسا کون سا دھوکہ ہوا تھا جس نے مجھے اس قدر اذیت میں مبتلا کردیا تھا، تو کوئی بہت بڑی بات نہ تھی یا

شاید میرے لیے بہت بڑی بات تھی مگر میں جانتی ہوں کہ لوگوں کے لیے تو یہ بہت معمولی بات ہی ہوگی مگر میرے لیے تو یہ بات ایسی ہی تھی جس کے لیے اس بات کے ذمہ دار شخص کو سولی پر چڑھا دیا جاتا۔

قصہ وہی محبت کے نام پر بے وقوف بنانا...... حالانکہ بنانے والا اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہ ہوسکا' لیکن اس نے یہ کوشش کی ہی کیوں؟ مجھے یعنی ملیحہ وقار کو بے وقوف بنانا چاہا۔ اسے میں ہی ملی تھی پورے خاندان میں...... وہ بھی وقار ہاشمی کی بیٹی' ان کے غصے اور دبدبے سے پورا خاندان واقف اور متاثر بھی تھا۔ میرے بابا جو اپنے نام کی طرح ہمیشہ وقار سے جیئے۔ جنہوں نے اپنی ساری تعلیمات مجھے بھی گھول کر پلادیں مگر جتنے وہ بظاہر سخت نظر آتے تھے اتنے ہی نرم تھے۔ بڑے چھوٹے سب ان کی عزت کرتے۔ پتہ نہیں یہ عزت ان کی شخصیت کے سبب تھی یا پیسے کے سبب...... میں تو یہی سوچتی ہوں کہ پیسے کے سبب تھی کیونکہ اگر رشتے کے احترام اور شخصیت کے سبب ہوتی تو کیا میرے تایا کا بیٹا میرے لیے ایسی سوچ رکھتا کہ مجھے بے وقوف بنائے محض اپنی انا کی تسکین کے لیے کہ اس نے وقار ہاشمی کی بیٹی کا دل فتح کرلیا۔

آپ یہ مت سمجھئے گا کہ میں اپنے آپ کو بہت اعلیٰ چیز سمجھتی ہوں' ایسا نہیں ہے میرے بابا جنہوں نے صرف سر اٹھا کر جینا ہی نہیں سکھایا بلکہ یہ بھی سکھایا کہ کبھی اپنے آپ کو کسی سے برتر نہ سمجھو' بلکہ انسان ہو تو انسانوں کی طرح جیو۔ اپنے سر کو انسانوں کے آگے نہیں صرف اللہ کے آگے جھکاؤ...... سر اٹھا کر چلو مگر غرور میں نہیں بلکہ اس لیے تاکہ کوئی تمہارے وقار اور عزت پر انگلی نہ اٹھائے۔ تاکہ تمہیں معاشرے میں اعتماد کے ساتھ رہنا آئے' بابا کی باتوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ مجھے بھٹکنے نہیں دیا' میرے قدموں کو لڑکھڑانے نہیں دیا۔

میں جو ڈھیر سارے کزنز کے بیچ پلی بڑھی' جن میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی مگر میں نے ہمیشہ اپنے بوائز کزنز سے فاصلہ رکھا' کبھی کسی سے غیر ضروری بات نہیں

کی۔ عائشہ اور ثنا میری بہت پیاری بہنیں اور اسد اور عثمان میرے لاڈلے بھائی۔ ہر طرف مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا' حالانکہ ننھیال اور ددھیال میں سب سے بڑی نہیں تھی بلکہ مجھ سے بڑے کزنز موجود تھے' لیکن اس کے باوجود جہاں میری خالائیں لاڈ کرتی نہ تھکتیں' وہی پھوپھیاں اور تایا بھی جان چھڑکتے تھے۔ بقول میری خالاؤں اور پھوپھیوں کے یہ تو ہماری جان ہے۔ اس کی صورت اور سیرت دونوں پر ہمیں پیار آتا ہے۔ میری خوب صورتی اور معصومیت اوپر سے میرے بابا وقار ہاشمی جو اپنے کھلے دل اور اعلیٰ ظرفی کے باعث خاندان بھر میں ہر دلعزیز تھے۔

میرے بابا کے بڑے بھائی عبدالرحمان ہاشمی میرے تایا ان کے صرف دو ہی بیٹے تھے' منیب بھائی اور عاطف۔ منیب بھائی مجھ سے دو سال بڑے تھے اور عاطف چار سال۔ منیب بھائی ان سے تو ہم ایسے گھبراتے تھے جیسے آسیب دیکھ لیا ہو۔ عاطف اور میری عمر میں بھی فرق تھا مگر اس کے باوجود میں نے اسے کبھی عزت کے قابل نہیں جانا۔ سب منیب بھائی سے متاثر تھے اور منیب بھائی کے سامنے اس کی شخصیت بالکل دب سی جاتی تھی یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نویں جماعت میں تھی اور لگ بھگ چودہ سال کی تھی۔ یہ عمر ہی بے عقلی کی ہوتی ہے ہر چیز اپنے بس میں لگتی ہے اور میں نے بھی خواب دیکھنے شروع کر دیے حالانکہ مجھ پر میرے ماں باپ کی تربیت کی گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اس عام سے نظر آنے والے عاطف ہاشمی کو سوچنا شروع کر دیا لیکن یہ خواب میں نے خود تو نہیں دیکھے تھے بلکہ اس واجبی شخصیت رکھنے والے عاطف ہاشمی نے دکھائے تھے۔

میں پہلی دفعہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے چونکی اور اپنی طرف اٹھنے والی نظروں کو فوراً بھانپ لیا اور پھر یہی نہیں بلکہ اس نے میرے ہی چچا کے بیٹے علی جو کہ سعود چچا کا اکلوتا بیٹا تھا' سعود چچا میرے بابا کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ تین بھائی تھے اور تین ہی بہنیں۔ یعنی میری تین پھوپھیاں سب اپنے اپنے گھروں میں تھیں ہمارا کوئی جوائنٹ فیملی سسٹم نہیں تھا سب الگ گھروں میں رہتے تھے لیکن آپس میں ملتے جلتے رہتے تھے۔ علی اکلوتا ہونے کی وجہ سے اور سب سے چھوٹا ہونے کے باعث ہم لڑکیوں میں زیادہ رہتا خاندان کے لڑکے اپنے بڑے پن میں اس کو زیادہ لفٹ ہی نہیں کرواتے تھے۔ ہاں مگر عاطف ہاشمی سے اس کی زیادہ ہی بننے لگی' عاطف نے ہی اس کے ذریعے پیغام بھیجا پہلے تو میں نے توجہ نہیں دی مگر کب تک پتھر پر مسلسل پانی پڑتا رہے تو اس میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے اور میں تو نرم و نازک احساسات کی مالک ایک لڑکی تھی۔ ایک کم عمر لڑکی...... جو اس کم عمری میں نئے احساسات سے روشناس ہو رہی تھی۔

عاطف ان دنوں بی کام میں تھا۔ تعلیم میں بس واجبی ہی تھا مگر اس کے باوجود اس کا مجھے اس انداز میں دیکھنا کہ اس عام سی صورت اور شخصیت رکھنے والے بندے کا پورا چہرا روشن ہو جاتا پتہ نہیں لوگ اپنی آنکھوں میں مصنوعی چمک کہاں سے لے آتے ہیں' دھوکہ دینے کے لیے۔

اس نے مجھ سے کبھی کچھ ڈائریکٹ نہیں کہا ہمیشہ علی ہی کے ذریعے پیغام بھجوائے اور میرے سامنے آتے ہی مجھے یک ٹک دیکھتے رہتا' میں نے کبھی عاطف کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی نہ کبھی اس کے کسی پیغام کا جواب دیا' ہاں کبھی حوصلہ شکنی بھی نہیں کی۔ اس کے پیغامات پر کبھی غصے کا اظہار بھی نہیں کیا' علی کہتا کہ کوئی جواب دیں میں چپ رہتی اور شاید اسی چپ نے مجھے بے وقار ہونے سے بچا لیا تھا۔ اگر میں کچھ کہہ دیتی یا اس کو بھی اسی طرح پیغامات پہنچاتی تو اب اپنے آپ سے بھی نظر نہ ملا پاتی' میرے ماں باپ کے نیک اعمال اور دعاؤں کا نتیجہ تھا جو میں بھٹکنے سے بچ گئی پہلے ہی اس شخص کی اصلیت مجھ پر کھل گئی اور ایسی کھلی کہ مجھ پوری دنیا کی اصلیت کھل گئی ہو۔

کیا کوئی سگا رشتہ دار بھی اپنے ہی خاندان کی کسی لڑکی کے ساتھ یہ کھیل کھیل سکتا ہے' یہی سوچ مجھے کرب میں

مبتلا کر دیتی تھی۔

اس کی اصلیت تب کھلی جب لوگوں نے اس کی مجھ میں دلچسپی نوٹ کرنی شروع کی۔ اس کا مقصد تو محض مجھے بے وقوف بنا کر اپنے وقت کو رنگین بنانا تھا مگر لوگ تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں جب دیگر کزنز اور پھوپیوں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف اپنا دامن بچالیا' یہ کہہ کر مجھے ملیحہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے میں نے تو محض ذرا سا مذاق کیا تھا بھلا میں اس میں دلچسپی کیوں لوں گا مجھے وہ پسند نہیں۔ یہ بات اس نے بہت عام انداز میں کہی تھی اور میرے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔

یہ تو میرا دل جانتا تھا کہ اس بات اور اس شخص کے اس مذاق نے مجھے کس تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ علی مجھے دیکھ کر شرمندگی سے سر جھکا لیتا بلکہ اس نے مجھ سے ایکسکیوز کرنے کی بھی کوشش کی کہ اس نے یہ سب عاطف بھائی کے کہنے پر کہا۔ وہ سمجھا تھا کہ وہ میرے لیے سنجیدہ ہیں مگر میں نے اسے بھی کچھ نہیں کہا بلکہ اس سے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اس سے کیا میں نے تو عاطف ہاشمی سے بھی کوئی سوال نہیں کیا لیکن وہ شخص پھر بھی میرے راستے میں آیا اور بارہا آیا' کبھی کسی بہانے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتا' لیکن میری ایک چپ تھی جو وہ نہیں توڑ سکا۔ حالانکہ پہلے وہ مجھ سے کبھی کوئی بات ڈائریکٹ نہیں کرتا تھا مگر اس بات کے بعد میری آنکھوں کی نفرت اور حقارت اس کو بار بار میرے راستے میں لائی مگر میں نے اس کی طرف دیکھنا بھی کبھی گوارا نہیں کیا۔

میرا دل بدلنے میں ہاتھ میرے رب کا تھا۔ جو چیز میری قسمت میں ہی نہیں تھی اس کی خواہش میرے اللہ نے میرے دل سے نکال دی۔ عبدالرحمان تایا جن کی خواہش تھی کہ ان کے کسی ایک بیٹے کی شادی مجھ سے ہو مگر بابا اور ماما نے صاف منع کر دیا۔ بابا کہتے تھے کہ میں خاندان میں رشتہ نہیں کرنا چاہتا۔ اصل میں دوسرے ماں باپ کی طرح میرے ماما بابا کی بھی خواہش تھی کہ میری شادی بہت اچھی جگہ ہو' ان کی بیٹی خوشحال گھرانے اور بہت پڑھے لکھے شخص کے ساتھ اور انہیں کوئی بھی خاندان میں میرے معیار کا نہیں لگتا تھا سو انہوں نے احسن طریقے سے خاندان میں کرنے سے منع کر دیا تھا۔

میرا گریز اور بے توجہی دیکھ کر عاطف ہاشمی پھر میرے راستے میں نہیں آیا' اس کی شادی پر بھی میں نے خوب ڈھولکیاں بجائیں' گانے گائے اور ہم لڑکے والوں نے خوب لڑکی والوں کی ٹانگ کھینچی اور وہ سب خاموشی سے دیکھتا رہا' پتہ نہیں یہ میرا وہم تھا یا حقیقت کہ وہ بجھا بجھا سا تھا۔ اس کی بیوی زوباریہ ایک بہت اچھی اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

منیب بھائی کی بھی شادی ہو گئی تھی اور میں نے سوشیالوجی میں ماسٹر کر لیا اور پھر بابا کے جاننے والوں میں میرا بھی بہت اچھی جگہ رشتہ ہو گیا' جیسا میرے ماما بابا چاہتے تھے طلحہ بالکل ویسے ہی تھے جیسا بابا چاہتے تھے۔ اللہ کے کرم کے بعد ماما بابا کی دعائیں تھیں جو مجھے بہت قدر کرنے والا سسرال ملی۔ میں نے بہت صاف ستھری زندگی گزاری تھی۔ یونیورسٹی میں پڑھا مگر اپنے آپ کو بہت مضبوط رکھا' اتنا مضبوط کہ سامنے والے کو مجھ سے بات کرتے ہوئے دس مرتبہ تو سوچنا پڑتا۔ شاید عاطف ہاشمی کا یہ ایک احسان تو مجھ پر بنتا تھا کہ اس نے بہت اچھی طرح لوگوں کی مجھے پہچان کرا دی تھی۔ اس ایک غلط سوچ کے بعد میں نے کبھی کسی کے متعلق سوچا تک نہیں جس کی وجہ سے میں فخر سے اپنے ہم سفر کے ساتھ پورے خلوص سے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔

میرے چار پیارے پیارے بچے جو میری اور طلحہ کی کل کائنات تھے' اپنے تمام ننھیالی اور ددھیالی رشتوں کے لاڈلے اور آنکھوں کے تارے الغرض جتنی محبت میں نے سمیٹی اتنی ہی میرے بچے سمیٹ رہے تھے۔ زندگی ایسے ہی ہنسی خوشی رواں دواں تھی۔

عاطف اور اس کی فیملی باہر چلی گئی تھی مگر وہ آتے رہتے تھے کیونکہ تایا اور تائی اپنی جڑوں سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتے تھے اس لیے عاطف اکثر چھٹیوں میں [illegible]

ان کے ساتھ آتا تھا' ایسے میں سامنا ہو جاتا تھا لیکن ایسے ہی جیسے دو انجان بندے...... اس نے بھی کبھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی میں نے کبھی اسے سلام تک کرنا گوارا کیا۔ عاطف کے بھی دو بچے تھے اور بہت محبت کرنے والی بیوی...... وہ بھی بظاہر اپنی زندگی سے مطمئن نظر آتا تھا اور پھر ان لوگوں کے حالات بھی بدل گئے تھے۔ اس نے اپنا بزنس شروع کر دیا تھا جس میں اسے کافی ترقی ملی تھی۔ بظاہر سب ٹھیک تھا مگر کبھی کبھی اس کی نظریں عجیب سی ہوتی لیکن میرے پاس اس پر غور کرنے کا نہ تو وقت تھا اور نہ گنجائش۔

سب کچھ ٹھیک ہی جا رہا تھا کہ پھر اچانک جیسے سب کچھ درہم برہم ہو گیا' سب کچھ بکھر گیا' کاش...... ایسا نہ ہوتا مگر......

اس دن میرے ماما بابا کے گھر بہت بڑی دعوت تھی' میرے لاڈلے بھائی عثمان کے بیٹے کا عقیقہ تھا۔ سارا خاندان جمع تھا۔ بابا نے اسلام آباد کے پوش ایریا میں نئی کوٹھی خریدی تھی۔ اس طرف آبادی بہت کم تھی مگر مکان بہت خوب صورت بنے ہوئے تھے۔ میں صبح سے بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عاطف بھی اپنی فیملی کے ساتھ یہاں آیا ہوا تھا' میری جب اس پر نظر پڑی تو وہ بہت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا' میں نے سرسری سی نظر ڈال کر بے نیازی سے اپنا رخ اس کی بیوی ذوباریہ کی طرف کیا اور اس سے ملنے لگی۔ باقی سب مہمان بھی شام کو آنے تھے۔ ذوباریہ اور تائی اپنے بچوں کے ساتھ کچھ خریداری کے لیے چلی گئی کہ شام کے لیے بچوں کی کچھ شاپنگ کرنی ہے اور تایا بھی اپنے کچھ کام نپٹانے کے لیے باہر چلے گئے۔ عاطف البتہ یہیں تھا وہ صبح ہی اپنے کام نپٹا آیا تھا اور اب آرام کے موڈ میں تھا۔ میں نے کچن میں تیاریوں کے بارے میں جانچنے کے لیے قدم بڑھائے تو دروازے پر عاطف کو دیکھا' میں نے وہیں سے قدم واپس موڑ لیے اور اس نے میری اس حرکت کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا تمہاری نفرت ابھی تک مجھ سے کم نہیں ہوئی؟''
اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ لیکن میں اب وہ پندرہ سال کی لڑکی نہیں رہی تھی' اب نا صرف شادی شدہ عورت بلکہ چار بچوں کی ماں بھی تھی۔ کمزور تو میں پندرہ سال کی عمر میں نہیں پڑی اور اب تو شوہر اور بچوں کی محبت نے مزید پُراعتماد بنا دیا تھا' ایک لحظہ کو میں حیران رہ گئی اس شخص کی جرأت پر پھر جیسے میرے اندر زہر ہی زہر بھر گیا' وہ زہر جو پندرہ سال بعد بھی ختم نہیں ہوا تھا' وہ زہر جس کا وقت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ وہ زہر جو خوشگوار زندگی جینے کے باوجود اور ہر طرح کی خوشحالی کے باوجود بھی میرے دل سے نہیں نکلا تھا اور اس زہر نے اس کو بھی نیلا کر دیا' کیا انا و خودداری کا زہر اتنا زہریلا ہوتا ہے جو پندرہ سال بعد بھی آپ کو چین نہیں لینے دیتا' شاید میرے لیے میری انا و خودداری سب سے بڑھ کر تھی۔ اتنی عزیز تھی مجھے اپنی انا کہ جس نے مجھ جیسی نرم و نازک حساس دل رکھنے والی کو بھی زہریلا کر دیا تھا۔ میں نے اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت حقارت سے کہا۔

''مسٹر عاطف ہاشمی تمہیں تو میں اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی' تم جیسا شخص بھلا اس قابل ہو سکتا ہے جس سے میں کوئی تعلق رکھوں اور میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میرے راستے میں کبھی مت آنا کیونکہ تم جیسے لوگوں کا راستے میں آنا مجھے کوفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' اور ٹھیک ویسا ہی پھیکا پن جو میں نے پندرہ سال پہلے اس کے چہرے پر پھیلتا دیکھا وہی میں نے آج دوبارہ پھیلتے دیکھا تھا اور میرے دل میں سکون اترتا چلا گیا تھا۔ اس نے ایک دم نگاہیں چراتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم مجھ سے تعلق میں شرمندگی محسوس کرتی ہو'' اور میں نے بہت تحقیر اور لاتعلقی سے کہا۔

''اگر تم مر بھی جاؤ نہ عاطف ہاشمی تو میری آنکھ سے دو آنسو نہیں بہیں گے' اس سے اندازہ لگالو کہ تم میرے

نزدیک کیا حیثیت رکھتے ہو۔" اور اس نے بہت چونک کر خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا' پتہ نہیں اس وقت ان آنکھوں کے خالی پن اور ماند پڑتی چمک میں ایسا کیا تھا کہ میں جو بہت طنزیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی ایک دم نظریں چرانے پر مجبور ہوگئی' پھر میں سر جھٹکتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

سب تیار ہونے میں مگن تھے کھانا تو باہر ہی سے آنا تھا مگر سلاد رائتہ وغیرہ گھر میں ہی بنانا تھا اور چھوٹا موٹا کام نبٹا کر میں' میری چھوٹی بہن اور بھابیاں باتوں میں مصروف ہوگئے' ابھی صرف شام کے سات ہی بجے تھے اور ابھی مہمانوں کے آنے میں وقت تھا۔ ذوباریہ اور تائی اور تایا بھی ابھی تک نہیں آئے تھے' میں اپنی دوسرے نمبر کی بہن ثنا کو بہت یاد کررہی تھی' جو اس تقریب میں شریک نہیں تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ باہر ہی سیٹل ہوگئی تھی۔ عاطف اپنے کمرے میں آرام کررہا تھا' جو بابا نے گیسٹ روم کے طور پر ہی سیٹ کیا تھا۔ ہم باتیں کرنے میں مگن تھے کہ باہر سے کچھ عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں ہم سب ایک دم چونک گئے۔ بابا اور دونوں بھائی باہر سے کھانا لینے گئے ہوئے تھے ہم سمجھے کہ شاید وہ لوگ آگئے ہیں مگر اس سے پہلے کہ ہم باہر نکل کر دیکھتے کہ اتنے میں چار لڑکے بچوں کو پکڑے ہوئے گھر میں گھس آئے۔ ہم سب کے رنگ اڑ گئے' ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور یہ دیکھ کر تو میرے ہوش اڑ گئے کہ انہوں نے وہ اسلحہ بچوں پر تان رکھا تھا۔ میں ایک دم بدحواس ہوکر بچوں کی طرف لپکی...... ان میں سے ایک نے پھرتی سے مجھے گھسیٹ کر میری کنپٹی پر بندوق رکھ دی اور بچوں کو زور سے دور دھکیلا جو لگاتار رو رہے تھے۔ مجھ سے کہا کہ انہیں چپ رہنے کا کہو' بچوں کے رونے سے شاید وہ لوگ گھبرا گئے تھے' دونوں بھابیوں نے لپک کر بچوں کو پکڑا اور اپنے پیچھے چھپالیا۔ میری ماما بدحواس سی ٹکر ٹکر مجھے دیکھ رہی تھیں ایک دم لپک کر میری طرف آنے لگیں کہ ایک ڈاکو نے زور سے بٹ ان کے کندھے پر مارا ہم سب کی چیخیں نکل گئیں۔

"تم میں سے کسی نے بھی آواز نکالی تو ہم اس کو مار دیں گے۔" انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ اتنے میں شور شرابا سن کر عاطف بھی سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا' بچوں کے رونے اور ہمارے چیخنے کی آوازیں شاید اس تک بھی پہنچ گئی تھیں' اس کی نظر جیسے ہی مجھ پر گئی وہ اپنی جگہ ٹھہر گیا ان ڈاکوؤں نے اسے دیکھ کر بندوق کی نالی مزید میرے سر سے چپکا دی۔ میرا خوف کے مارے برا حال تھا۔ "جو کچھ ہے ہمیں خاموشی سے دے دو ورنہ انجام کے ذمہ دار تم لوگ خود ہوگے۔" امی نے لاکر کی چابی خاموشی سے دے دی۔ ان کا ایک آدمی امی کے ساتھ گیا اور سارا زیور اور نقدی سمیٹ لایا لیکن بندوق ابھی بھی انہوں نے مجھ پر تان رکھی تھی۔ سب رو رہے تھے مگر وہ خباثت سے مسکرا رہے تھے۔ پھر وہ مجھے بھی گھسیٹ کر ساتھ لے جانے لگے۔

"کوئی آگے بڑھا تو اس کو نہیں چھوڑیں گے اس کا بھیجا اڑا دیں گے۔" سب بدحواس ہو رہے تھے بھابیاں' امی اور بہن بچے سب اونچا اونچا رونے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ گیٹ پار کرتے کہ اچانک عاطف سامنے آیا اس نے مجھے گھسیٹ کر پیچھے کی طرف دھکیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ڈاکو کی بندوق جو اس نے میرے اوپر تانی ہوئی تھی' اس سے نکلی گولی عاطف کو لگی...... وہ ڈاکو بدحواس ہوگئے اور اس پر پولیس کا سائرن بھی سنائی دینے لگا تھا۔ گرنے کی وجہ سے میرا سر زور سے کسی چیز ٹکرایا تھا اور کچھ خوف اور پولیس کے سائرن کی آوازیں ان سب خوفناک مناظر نے مل کر میرے حواس چھین لیے تھے۔

جب میں ہوش میں آئی تو اپنے آپ کو ہسپتال کے بیڈ پر پایا' طلحہ پریشان صورت لیے میرے پاس ہی بیٹھے تھے' تھوڑی دیر تو میں خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی اور جب میرے حواس کچھ بیدار ہوئے تو وہ خوف ناک منظر پھر سے میرے سامنے آنے لگا' میرا دل ابھی بھی سخت پریشان تھا جیسے کچھ ہوا ہے' کچھ ایسا کہ دل اب بھی

خوف کی گرفت سے نہیں نکل پارہا تھا' طلحہ مجھے کافی دیر تک تسلی دیتے رہے اور پھر انہوں نے آہستہ آہستہ جو بات مجھے بتائی اس کو سن کر تو میں سناٹے میں رہ گئی' عاطف کو دو گولیاں لگی تھیں اور وہ اسی ہاسپٹل میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا' ڈاکٹرز اس کے بارے میں زیادہ پُرامید نہیں تھے' گولیاں نکال لی گئی تھیں مگر خون اتنا زیادہ بہہ گیا تھا کہ ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا' وہ تو ماما بابا کی نوکرانی ساجدہ نے ڈاکوؤں کا شور سن کر کچن میں ہی اپنے موبائل سے پولیس کو اطلاع دے دی تھی مگر پولیس نے بھی آتے آتے کچھ دیر کردی اور ان کا سائرن سنتے ہی وہ ڈاکو بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن شکر ہے وہ شیطان پکڑے گئے جنہوں نے ہمارے خاندان کے ایک چراغ کو موت کے منہ میں لاکھڑا کیا' میں طلحہ کی یہ بات سن کر گم صم رہ گئی۔ میں نے طلحہ سے خواہش ظاہر کی کہ مجھے بھی تایا اور تائی کے پاس لے کر چلیں' عاطف اسی ہاسپٹل میں I.C.U میں تھا۔ میں اور طلحہ I.C.U کی طرف گئے تو سب کے پریشان چہرے دیکھ کر ایک لمحے کو تو میرے حواس خطا ہوگئے۔ تائی ایک کونے میں جائے نماز بچھائے مسلسل رو رو کر دعائیں کررہی تھیں' بابا تایا کو سہارا دیئے کھڑے تھے اور منیب بھائی پریشان چہرے اور خالی نگاہوں سے I.C.U کے کمرے کو تک رہے تھے اور زوبار یہ جو مسلسل اپنی سسکیاں دبانے میں معروف تھی میرے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہی مجھ سے لگ کر رونے لگی۔ مجھے اس معصوم سی لڑکی پر بہت ترس آیا جس کا سہاگ موت کے دوراہے پر کھڑا تھا۔ اس کا غم مجھ سے تو بہت بڑا تھا اس کو حوصلہ دینے کی ہمت میں کہاں سے لاتی' تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر باہر نکلا' منیب بھائی ایک دم اس کی طرف لپکے۔

"مریض ہوش میں تو آگئے ہیں مگر ان کی کنڈیشن ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے۔ خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے' ہم کوشش کررہے ہیں' بس دعا کریں۔ آپ لوگ باری باری ان سے مل سکتے ہیں مگر مریض کو پریشان نہیں کرنا...... آپ لوگوں کو بہت حوصلہ رکھنا ہوگا۔" ڈاکٹر کی یہ بات سن کر سب کے چہرے مزید زرد پڑ گئے۔ پھوپھو اور زوباریہ کی سسکیاں بلند ہوگئیں۔ منیب بھائی نے سب کو حوصلہ دیا اور زوباریہ اور تائی کو اندر کمرے میں بھیجا۔ بابا تایا کو سنبھال رہے تھے جو اپنے آپ کو ایک دم بہت کمزور اور بے بس محسوس کرنے لگے تھے۔ جس کا جوان بیٹا اس حال میں ہو اس کے دل کو کیسے صبر آئے اور میں شرمندگی سے سر جھکائے یہ سوچ رہی تھی کہ اس سب کی ذمہ داری کہیں میرے سر پر بھی عائد ہوتی ہے' زوباریہ ایک دم کمرے سے نکل کر میری طرف آئی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔

"آپ کو عاطف بلا رہے ہیں۔" میں نے بہت حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا اور میں سست قدموں سے I.C.U کی طرف بڑھی۔ پتہ نہیں آج میرے قدموں میں جان کیوں نہیں تھی۔ میں ملیحہ وقار جو زمین پر قدم جما کر چلتی تھی' آج اس کے قدموں میں اتنی لڑکھڑاہٹ کیوں تھی' دو قدموں کا فاصلہ بھی دو بھر لگ رہا تھا اور یہ آنکھوں کے آگے اتنی دھند کیوں چھارہی تھی کہ سامنے کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میں سخت بے بسی کا شکار ہونے لگی۔ اگر پلک جھپکتی تو آنسو ٹوٹ کر میرے چہرے پر آگرتے اور سارا بھرم بھربھری ریت کی طرح ڈھ جاتا اور اگر ہاتھوں سے صاف کرتی تو جب بھی پکڑی جاتی...... اور یہ کیسے ممکن تھا کہ ملیحہ وقار عاطف ہاشمی کے سامنے کمزور پڑ جائے...... بڑے غرور اور رعونت سے کہا تھا میں نے۔

"اگر تم مر بھی جاؤ تو تم جیسے شخص کے لیے میری آنکھوں سے دو آنسو نہ بہیں اس سے اندازہ لگالو کہ تم میرے نزدیک کیا حیثیت رکھتے ہو۔" میں نے ایک دم رخ موڑ کر آنسو صاف کیے اور جیسے ہی رخ موڑا سیدھی نظر اس کی طرف پڑی' میرے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ وہی پندرہ سال پہلے کا منظر تھا' وہی آنکھیں جن کی چمک ستاروں کو بھی ماند کرگئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی

آنکھوں میں روشنیاں اتر آئی تھیں وہ ٹکٹکی باندھے روشن آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا یہی تو وہ نظریں تھیں جنہوں نے مجھے پندرہ سال پہلے احساس دلایا تھا کہ میں کسی کے لیے بہت اہم ہوں اور آج پورے پندرہ سال بعد ان آنکھوں کی چمک نے مجھے پھر سے چونکا دیا تھا میں یک ٹک اس شخص کی طرف دیکھتی چلی گئی جس کے زرد چہرے پر دو روشن آنکھیں مجھے مسلسل دیکھ رہی تھیں اور ان میں اطمینان اترا ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں ڈاکٹرز اور نرسیں اس کی طرف لپکیں...... تائی اور زوباریہ اپنی سسکیاں دبانے لگے اور چند لمحوں میں جیسے سب ختم ہوگیا۔ تائی اور زوباریہ کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں...... منیب بھائی اور تایا ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ بابا بھی نڈھال سے اپنے آنسوؤں پر بندھ باندھ رہے تھے اور طلحہ تایا اور منیب بھائی کو تسلی دینے کے لیے سہارا دیئے کھڑے تھے اور میں اسی جگہ پر کھڑی تھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر میرے چہرے کو بھگو رہے تھے لیکن مجھے پروا نہیں تھی اور اب پروا بھی کیوں ہوتی کیونکہ جن سے چھپانے تھے وہ تو دنیا ہی سے چلا گیا۔ ہاں اب ان آنسوؤں کو کسی کا ڈر نہیں تھا کیونکہ ہارنے والا تو زندگی ہار گیا اور میں ملیحہ وقار اپنی انا خودداری سمیت جیت گئی۔ میری انا جیت گئی یہ اس شخص کے آگے کبھی سرنگوں نہیں ہوئی اور وہ عاطف ہاشمی جس سے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کی تھی بلکہ شاید نفرت ہی صرف اس سے کی تھی وہ شخص میری خاطر اپنی زندگی ہار گیا میں جو اس کے سامنے کبھی بھی نہیں ڈگمگائی کبھی نہیں لڑکھڑائی اس کے سامنے اپنی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیئے ہمیشہ اپنی انا کے پرچم کو بلند رکھا...... آج میں اپنی انا خودداری اور وقار سب ہار گئی لیکن اس ہار کا اندازہ مجھے بہت دیر میں ہوا...... میں نے بہت دیر سے اس شخص کی آنکھوں کی چمک کا مطلب سمجھا وہ آنکھیں جو مجھے دیکھتے ہی روشن ہو جاتی تھی وہ بھلا دھوکہ کیسے دے سکتی تھیں...... میں اس کے کہے لفظوں کے زہر میں ڈوبی رہی کبھی آنکھوں کی زبان پڑھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ان پر یقین کیا لفظ جھوٹے ہوسکتے ہیں مگر آنکھیں نہیں یہ بات اس شخص نے اپنی زندگی ہار کر مجھے سمجھادی...... اس نے مجھے جیت کا مان دے دیا اپنی زندگی ہار کر۔

میرا غرور میری انا وخودداری مجھ پر ہنس رہے تھے میرا مذاق اڑا رہے تھے کہ ملیحہ وقار تمہیں بہت ناز تھا ناں اپنے اوپر اپنی انا پر...... اب جیت کا جشن مناؤ لو تم جیت گئی اب کیوں رو رہی ہو تم؟ اس جیسے بے وقعت شخص کے لیے جس کے لیے تم نے دعویٰ کیا تھا کہ دو آنسو نہیں بہاؤں گی کیوں...... آخر کیوں؟ اور اس سوال نے میرے اندر گہری خاموشی اتار دی۔ ایک ویرانی تھی جو رگ وپے میں اتر آئی تھی اور شاید اس ویرانی نے ساری عمر میرے دل میں رہنا تھا۔

سب سمجھتے ہیں کہ عاطف ہاشمی نے اپنے خاندان کی عزت کے لیے اپنی جان داؤ پر لگادی لیکن ملیحہ وقار جان گئی کہ اس نے ایسا کیوں کیا مرتے وقت اس شخص کی روشن آنکھوں نے میرے دل پر جمی تمام گرد جھاڑ دی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا مگر کیا کہنا ضروری ہوتا ہے؟ اور کیا اب کہنے کو کچھ رہ گیا تھا؟ اور اب وہ روشن آنکھیں کیا ملیحہ وقار ساری عمر چین لینے دیں گی۔

؎ تم محبت کو کھیل کہتے ہو
ہم نے برباد زندگی کرلی

وہ جو تیری چاہت ہے

نفیسہ سعید

"سجاول آیا ہے۔" وہ جو سونے کے ارادے سے ابھی لیٹی ہی تھی کہ بھابی کی آواز سے ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"کہاں ہے؟" بنا دوپٹہ کے پاؤں میں چپل پھنسائے وہ نیچے جانے کو تیار کھڑی ہوئیں۔ رشنا نے ایک نظر درشہوار کے خوب صورت چہرے پر ڈالی جہاں پھیلی بے قراری محسوس کرتے ہی وہ دھیمے سے مسکرادی۔

"نیچے باباجان کے پاس ہے۔"

"اوہ......!" عالم مایوسی میں وہ دوبارہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی جہاں کچھ دیر قبل سونے کے لیے لیٹی تھی مگر اب سجاول کی آمد کی خبر نے جیسے اس کی ساری نیند ایک پل میں ہی چھین لی تھی ویسے بھی آج وہ پورے دس دن بعد آیا تھا اور ان دس دنوں میں اپنے محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستی درشہوار سے اب ایک منٹ تو کیا ایک سیکنڈ بھی خود پر قابو پانا گویا مشکل ہو رہا تھا۔

"تم اسے میسج کرو باہر لان میں رک کر تمہارا انتظار کرلے کیونکہ ابھی عباس بھی گھر نہیں آئے اور نہ ہی حاشر گھر پر ہے وہ تو شاید باباجان کے پاس اپنے کسی ذاتی کام سے آیا ہے۔" عباس اور حاشر دونوں اس کے بھائی تھے جبکہ رشنا بھابی اور درشہوار رشنا کی اکلوتی نند جسے وہ اپنی بہن سے بڑھ کر محبت کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ سجاول کے معاملے میں درشہوار اس پر مکمل بھروسہ کرتی تھی ایک لحاظ سے وہ اس کی رازدار بھی تھی۔

"میں میسج نہیں کررہی آج وہ اتنے دنوں بعد آیا ہے اسے چاہیے خود مجھ سے رابطہ کرے ورنہ ایسا لگے گا جیسے میں ہی اس کی محبت میں اتاؤلی ہوئے جارہی ہوں اور وہ بے نیاز۔" ایک لمحے میں ہی محبت جیسے انا کی آڑ میں چھپ گئی۔

رشنا مسکرادی جانتی تھی کہ درشہوار کے لیے اپنی بات پر زیادہ دیر تک قائم رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے اور ایسا ہی ہوا اگلے ہی پل وہ ٹیرس پر چلی آئی جہاں سے مین گیٹ بالکل صاف نظر آرہا تھا جس کے عین سامنے سجاول کی بڑی سی سیاہ جیپ کھڑی تھی جسے دیکھتے ہی درشہوار کے دل میں ایک ٹھنڈک سی اتر گئی۔ محبوب نہ سہی اس کی وہ سواری ہی سہی جس میں سفر کرکے وہ یہاں تک آیا تھا۔ وہ ریلنگ پر قدرے جھکی نیچے ہی دیکھ رہی تھی جب سجاول اندر سے نکل کر ایک دم سامنے آگیا باہر نکلتے ہی بے اختیار اس کی نگاہ شہوار کے کمرے کی جانب گئی جہاں ٹیرس میں لٹکی وہ اسے اپنی منتظر نظر آئی اسے دیکھتے ہی سجاول کے لب گھنی مونچھوں تلے مسکرادیئے جبکہ درشہوار یک دم گھبرا کر پیچھے ہوگئی مبادا اس کے ساتھ باباجان نہ ہوں اور پھر جب تک سجاول گاڑی میں بیٹھ کر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا درشہوار کی نگاہیں مسلسل اس کا تعاقب کرتی رہیں یہاں تک کہ گلی کا موڑ مڑ کر جیپ اس کی نظروں کے سامنے سے یکسر اوجھل ہوگئی اور وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے کمرے میں واپس آگئی اور دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ تو گئی مگر اب نیند اس کی آنکھوں سے یکسر غائب ہوچکی تھی اس کی جگہ سجاول کے سہانے سپنوں نے لے لی تھی اور یہ سپنے اسے اپنی نیند سے کئی گنا زیادہ عزیز تھے۔

☆......☆......☆

سجاول نہ صرف عباس کا دوست بلکہ اس کا ہم عمر بھی تھا اور درشہوار سے دوسال بڑا بھی تھا۔ وہ بچپن سے ہی ان کے گھر آیا کرتا تھا کیونکہ اس کے والد الٰہی بخش اور درشہوار کے والد سردار عبدالرب کا یارانہ برسوں پرانا تھا جس کے باعث دونوں گھرانوں کے تعلقات ایسے تھے کہ اکثر لوگ انہیں آپس میں رشتہ دار سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ہوش سنبھالتے ہی درشہوار نے سجاول کو اپنے گھر دیکھا وہ اکثر حساب کے سوال حل کرنے میں اس کی مدد کردیا کرتا درشہوار نے سائیکل چلانا بھی اسی سے سیکھی بچپن کی یہ دوستی کب محبت میں ڈھلی دونوں کو احساس ہی نہ ہوا ساتھ کھیلتے پڑھتے وہ

ایک دوسرے کی محبت میں اس طرح گم ہوئے کہ سوائے
اپنی بے لوث محبت کے انہیں کچھ بھی یاد نہ رہا‘ رشنا‘ درشہوار
کی بھابی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی خالہ زاد بھی تھی اور
بچپن سے ہی سجاول اور درشہوار کے درمیان موجود محبت
کے تعلق سے آگاہ بھی تھی وہ اس کی ایسی رازدار تھی جس پر
درشہوار آنکھیں بند کرکے بھروسہ کرسکتی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ
کزن سے بھابی بننے کے بعد بھی ان دونوں کی محبت میں
رتی بھر فرق نہ آیا...... بچپن کے دن بیت گئے‘ وقت کی
کروٹ کے ساتھ درشہوار نے بھی جوانی میں قدم رکھ دیا
جس کے بعد اس کا سجاول سے ملنا جلنا قدرے کم ہوگیا‘
جبکہ وہ ابھی بھی اسی طرح گھر آیا کرتا کیونکہ وہ اور عباس
اکٹھے اسپیئر پارٹس کا بزنس کررہے تھے جس کی وجہ سے وہ
اکثر ہی عباس سے ملنے گھر آجاتا مگر اب درشہوار پہلے کی
طرح اس کے سامنے نہ جایا کرتی تھی جس کا سب سے بڑا
سبب خاندانی روایات اور پھر اس کے اپنے اندر کا چور جو
دوستی کا رشتہ محبت میں بدلتے ہی اس کے دل میں جاگ اٹھا
تھا جس کے باعث اسے ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہتا کہیں اس
کے دل کی بے قراری چہرے پر عیاں ہوکر سارے راز فاش
نہ کردے وہ راز جو اسے پوری برادری میں بدنام کرنے کا
سبب بن جائے‘ اسی خوف کے باعث وہ کسی کے سامنے
سجاول سے مخاطب بھی کم ہوا کرتی جبکہ سجاول کو ان سب
باتوں کی کوئی پروا نہ تھی وہ ہمیشہ گھر صرف درشہوار کی ایک
جھلک دیکھنے کی خاطر آتا ورنہ عباس سے ملاقات تو محض
بہانہ ہوتی جو درشہوار بھی جانتی تھی۔

☆......☆......☆

”جانتی ہو تمہیں ایک دن نہ دیکھوں تو ایسے لگتا ہے
جیسے میری دنیا اندھیری ہوگئی۔“ وہ اس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں بولا۔
”جھوٹ بالکل جھوٹ......“ درشہوار اس کے ہاتھ کی
گرفت سے اپنا نازک ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں ہلکان
ہوتے ہوئے تیزی سے بولی‘ جبکہ سجاول بنا کوئی جواب
دیئے اسے اپنی کوشش میں ناکام ہوتا دیکھ کر دھیرے سے ہنس
دیا۔
”منحوس مت‘ زہر لگتے ہو اس طرح ہنستے ہوئے۔“ وہ
نروٹھے انداز میں اپنا چہرہ دوسری جانب کرتے ہوئے
آہستہ سے بولی۔
”ارے بابا اب غصہ تھوک دو میری جان تم خود سوچو
جب میں یہاں تھا ہی نہیں تو روز تمہارے دیدار کی خاطر گھر
کیسے آتا؟“
”اور جس دن آئے تھے اس دن تو ٹل کر جاتے۔“
”چلو مان لیا میری غلطی تھی‘ بس اب معاف کردو۔“
سجاول نے اس کی جانب قدرے جھکتے ہوئے معافی
مانگی۔
”تم بھی کیا یاد کرو گے جاؤ معاف کیا۔“ وہ ایک شان
بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔
”اچھا یہ بتاؤ ان دس دنوں میں تم نے مجھے کتنا یاد کیا؟“
”یہ مت پوچھو یاد کتنا کیا؟ یہ پوچھو کیا دن میں کوئی ایسا
لمحہ تھا جب میں نے تمہیں یاد نہ کیا ہو؟ ہر لمحہ‘ ہر پل سمجھو ایسا
تھا جیسے تمہیں اب نہ دیکھا تو مرجاؤں گی۔“
”مجھے پتہ تھا اس لیے تو تمہارے لیے یہ لے کر آیا
ہوں۔“ سجاول کو لگا اب اگر وہ مزید کچھ بولی تو شاید وہ خود پر
کنٹرول نہ رکھ سکے گا اس لیے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا
شاپنگ بیگ اس کے سامنے کردیا۔
”یہ کیا ہے؟“ سوال کے ساتھ درشہوار نے بیگ بھی
کھول لیا۔
”ارے اتنی ساری چاکلیٹس۔“ اندر موجود چاکلیٹس
دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھی۔
”میں جانتا ہوں کہ تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ
محبت چاکلیٹ سے ہی ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرادیا۔
”ہاں اور اس کے بعد تم سے۔“
”مطلب چاکلیٹس مجھ سے زیادہ اچھی ہیں۔“
”بالکل......“ اس کے ساتھ ہی وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
اسی پل اس کے فون کی وائبریشن سنائی دی جس کی اسکرین
پر مشا لکھا جگمگا رہا تھا۔

"بھابی آ گئیں میں چلتی ہوں۔" چاکلیٹس کا پیکٹ تھامے وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس کا شکریہ ادا کردینا' اس کی مہربانی ہے جو میں تمہارے ساتھ کچھ لمحے محبت کے گزار لیتا ہوں ورنہ تو بہت مشکل ہوتا۔"

"شکریہ ضرور ادا کردوں گی پر چاکلیٹ نہیں دوں گی۔" سجاول سے ملنے کی خوشی اس کے چہرے پر جگمگا رہی تھی اور اسی خوشی نے اس کے لہجے میں شرارت بھر دی تھی۔

"مت دینا میں اسے خود دے دوں گا۔" گالوں کو چھوتی اس کے بالوں کی شرارتی لٹ وہ پیچھے کرتا ہوا بھاری لہجے میں بولا۔

"اچھا اللہ حافظ۔" درشہوار یک دم ہی کچھ کنفیوز سی ہوئی اور جلدی سے باہر کی جانب لپکی وہ اور رشنا ایک ساتھ شاپنگ کے لیے آئے تھے جہاں رشنا اسے کیفے میں چھوڑ کر خود پارلر چلی گئی تھی اور اب تقریباً ایک گھنٹہ بعد واپس آئی تھی اور یہ ایک گھنٹہ اس کی زندگی کے یادگار لمحوں میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس نے سجاول کے ساتھ گزارا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنی گاڑی پارک کرکے جیسے ہی باہر نکلی تو بے اختیار ہی نگاہ گھر کے گیٹ کے سامنے کھڑی سلور گاڑی پر پڑی جس کا ڈرائیور اندر ہی موجود تھا۔

"میرا خیال ہے زرین آئی ہوگی؟" گاڑی لاک کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خود سے بولی زرین اس کے تایا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی جو تقریباً اس کی ہم عمر تھی اور اس حوالے سے دونوں میں اچھی دوستی بھی تھی حالانکہ اس کی اور زرین کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا جہاں وہ ایک آزاد خیال اور قدرے ماڈرن لڑکی تھی وہاں زرین نہ صرف قدرے مذہبی تھی بلکہ وہ ایک مدرسے سے عالمہ کا کورس بھی کررہی تھی صرف زرین ہی نہیں بلکہ تایا نواز کے چاروں بچے ہی حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مدارس کے سند یافتہ عالم بھی تھے شاید یہی سبب تھا جو باوجود آپس میں محبت کے دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا قدرے کم تھا۔ ایک واحد زرین تھی جو اکثر ہی درشہوار سے ملنے آجاتی جیسے کہ آج آئی تھی' درشہوار جب لاؤنج میں داخل ہوئی تو نگاہ سامنے صوفہ پر بیٹھی زرین پر پڑی جو سر سے پاؤں تک برقعہ میں لپٹی ہونے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں میں گلوز بھی پہنے ہوئے تھی۔

"السلام علیکم!" اسے دیکھتے ہی وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وعلیکم السلام!" سلیولیس شرٹ پر بنا دوپٹے زرین سے گلے ملتے ہوئے اسے خود بھی کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

"یہ بیجا کو آج ہماری یاد کیسے آ گئی۔" کپٹی لپٹائی زرین کو وہ ہمیشہ ایک کارٹون کریکٹر بیجا سے تشبیہ دیا کرتی جس کا وہ کبھی بھی برا نہ مناتی۔

"یہ ماشاء اللہ مکمل عالمہ بن گئی ہے جس کی مٹھائی دینے آئی ہے۔" زرین کے جواب دینے سے قبل ہی رشنا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"ارے واہ مبارک ہو۔"

"خیر مبارک۔" ہلکا سا نقاب سرکاتے ہوئے زرین دھیرے سے مسکرائی۔

"برقعہ اتار کر ریلیکس ہوجاؤ گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں ہوتا۔" درشہوار نے سامنے رکھی مٹھائی سے ایک گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں جارہی ہوں' اس وقت تو سیدھی مدرسے سے آئی ہوں پھر کسی وقت آؤں گی اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے چاچی آ ئیں تو میرا اسلام کہہ دینا۔" کولڈ ڈرنک کا گلاس ختم کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں اس طرح برقعہ میں گرمی نہیں لگتی۔" اسے گیٹ تک چھوڑتے ہوئے وہ یک دم پوچھ بیٹھی۔

"اس وقت لگنے والی گرمی دوزخ کی گرمی سے قدرے کم ہے۔" جواب دیتی زرین گیٹ عبور کرگئی اس کا جواب سن کر کندھے اچکاتی درشہوار واپس اندر پلٹ آئی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر اپنا اچھی طرح

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تنقیدی جائزہ لیا' وائٹ نیٹ کی فراک کے ساتھ میچنگ جیولری اور ریڈ لپ اسٹک میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی وہ خود کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ باہر سے سنائی دینے والے تیز ہارن کی آواز پر چونک گئی۔ یہ یقیناً سجاول کی جیپ کا ہارن تھا' اس نے کچھ دیر قبل ہی درشہوار کو بتایا تھا کہ وہ اسی طرف آرہا ہے' وہ تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر ٹیرس پر آ گئی جانتی تھی کہ سجاول اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آیا ہے۔ گاڑی سے باہر نکلتے سجاول نے ایک نظر اوپر ڈالی اور اسے دیکھتے ہی مسکرادیا اس کی ایک مسکراہٹ سے درشہوار کی ساری محنت وصول ہوگئی جو اس نے پچھلے کئی گھنٹوں سے اپنی تیاری پر صرف کی تھی اور اس کا دل ایک دم پُرسکون ہوگیا' ابھی سجاول کو دیکھتے ہوئے اس کا من بھرا بھی نہ تھا کہ کمرے سے آتی ممی کی آواز سن کر چونک اٹھی جو اسے ہی پکار رہی تھیں' وہ جلدی سے واپس کمرے کی جانب مڑی مبادا وہ اسے تلاش کرتی باہر ٹیرس پر ہی نہ آجاتیں۔

"تیار ہوگئیں۔" اس پر نظر پڑتے ہی ممی نے سوال کیا۔

"جی......!" ایک بار پھر آئینہ میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مسکرائی کیونکہ اس پل' اس کے تصور میں باہر کھڑا سجاول تھا۔

"دوپٹہ کہاں ہے تمہارا؟"

"دوپٹہ......" درشہوار بڑبڑائی۔

"میرے اس گاؤن کے ساتھ دوپٹہ نہیں ہے مما۔" ساتھ ہی اسے حیرت ہوئی کہ ممی کو اس وقت اچانک دوپٹہ کیسے یاد آ گیا۔

"میں جانتی ہوں نہیں ہے مگر آج تو لینا پڑے گا بڑی مشکل سے تو عبداللہ نے اپنے نکاح میں خاندان کی خواتین کو آنے کی اجازت دی ہے ورنہ تم جانتی ہو وہ مسجد میں صرف مردانہ نکاح کے لیے ہی زور دے رہا تھا۔" عبداللہ اس کے تایا کا سب سے بڑا بیٹا اور زرین کا بھائی تھا۔

"ایسے میں تمہارا یہ ڈریس خاصا نامناسب ہے تمہیں پہلے ہی کچھ ایسا لباس پہننا چاہیے تھا جو اس تقریب کے لحاظ سے ہوتا۔" اس نے دیکھا ممی بالکل سادہ سی تھیں جبکہ عام طور پر وہ کسی تقریب میں جاتیں تو خوب تیار ہوتیں۔

"اور ویسے بھی جہاں ہم گھر کی دس بارہ خواتین ہوں وہاں اتنی تیاری بے کار ہے لڑکی والے بھی خاصے سادہ اور باپردہ لوگ ہیں۔" ممی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اس کی اتنی تیاری کے پس پردہ حقائق کیا تھے یہ فی الحال ممی نہ جانتی تھیں پہلے تو اس کا دل چاہا جانے سے ہی انکار کردے مگر مجبوری تھی ایک تو نکاح سگے تایا کے بیٹے کا تھا' دوسرے باہر اس کے انتظار میں کھڑا سجاول۔

"آپ انتظار کریں میں چینج کرلیتی ہوں۔" بددلی سے کہتے ہوئے اس نے اپنے وارڈروب سے ایک قدرے سادہ سا سوٹ نکالا جو فل سلیوز اور دوپٹے سمیت تھا' کپڑے تبدیل کرکے جلدی جلدی ساری جیولری اتار کر اپنے بال سمیٹ کیے اور ممی کے ساتھ باہر نکلی تو گیٹ سے ذرا ہٹ کر سجاول اور عباس بھائی کھڑے باتیں کررہے تھے۔

"السلام علیکم آنٹی۔" ممی کو سلام کرتے سجاول نے ہلکا سا اس کا جائزہ بھی لیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔"

"درشہوار تم کیسی ہو؟" چہرے پر قدرے سنجیدگی طاری کیے وہ یک دم اس سے مخاطب ہوا تو وہ گھبرا گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" جواب دے کر وہ گاڑی کی جانب بڑھی ہی تھی کہ پیچھے سے آتی سجاول کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

"تمہاری اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟" جانتی تھی کہ وہ عباس کی موجودگی میں محض شرارت کررہا ہے سینے پر دونوں بازو باندھے بظاہر وہ خاصا سنجیدہ تھا۔

"جی وہ بھی ٹھیک ہے۔" جواب دے کر وہ رکی نہیں بلکہ تیز تیز چلتی گاڑی میں جا بیٹھی' جہاں ممی اور بابا اس کے منتظر تھے اس وقت اس کا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا گاڑی میں بیٹھتے ہی فون کی میسج ٹون نے

اسے یقین دلا دیا کہ اس وقت آنے والا پیغام یقیناً سجاول کا ہوگا۔

☆......☆......☆

آج عبداللہ کا ولیمہ تھا‘ جس میں شرکت سے حاشر نے قطعی انکار کرتے ہوئے کہا۔

”عجیب سا ماحول ہے ممی‘ اپنی فیملی میں لگتا ہے جیسے ہم پرائے ہوں کل اچانک میں اندر کسی کام سے چلا گیا تو زرین مجھے دیکھتے ہی ایسے چھپی کہ میں خود ہی شرمندہ ہوگیا سلام کا جواب بھی اس قدر دھیما تھا کہ میرے کانوں تک آواز ہی نہ آئی‘ مجھے سمجھ نہیں آتا یہ لڑکی یونیورسٹی جاتی ہے جہاں مخلوط طریقہ تعلیم ہے وہاں کیا کرتی ہوگی۔“

”جو بھی ہے یہ اس کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے جسے ہم اس طرح ڈسکس نہیں کرسکتے‘ ویسے بھی اللہ جسے ہدایت دے وہ بہتر جانتا ہے۔“ بابا کو اپنے بھائی کے بچوں سے بڑی خاص انسیت تھی جس کا اندازہ اس لمحے ان کے لہجے میں چھلکتی محبت سے بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

”عبداللہ کی دلہن کیسی ہے؟“ عباس نے ماحول میں پھیلی تلخی دور کرنے کے ارادے سے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

”ہم نے کب دیکھی۔“ ممی نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ تو ڈبہ میں بند تھی۔“ آگے کا جملہ درشہوار نے ہنستے ہوئے مکمل کیا۔

”عورتوں میں بھی اس قدر پردہ کہ بس‘ مجھے تو گھبراہٹ ہونے لگی اسے دیکھ کر جانے سانس کیسے لے رہی تھی۔“

”ظاہر ہے عبداللہ جیسے شرعی بندے کی بیوی ایسی ہی ہونی چاہیے تھی۔ ویسے بھی یہ سب اس کی اپنی ڈیمانڈ تھی اسے شرعی باپردہ لڑکی درکار تھی جو مل گئی۔“ عباس اور عبداللہ میں خاصی اچھی دوستی تھی دونوں ایک ساتھ پڑھتے رہے تھے یہ ہی سبب تھا جو عباس‘ عبداللہ کے متعلق سب کچھ جانتا تھا۔

”لڑکی کا تعلق متوسط گھرانے سے ہے‘ شادی کا جوڑا بھی خاصا سادہ سا تھا اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ تیار بھی گھر ہی میں ہوئی ہوگی۔ آپ تو جانتی ہیں عبداللہ کو شروع سے ایسی ہی لڑکیاں پسند رہی ہیں سیدھی سادی اور اپنے آپ میں سمٹی ہوئی۔“

”مگر زرین تو ایسی نہیں ہے وہ تو خاصی ہوشیار اور زمانہ شناس لڑکی ہے بے شک باپردہ ہے مگر ہے تو بڑی چالاک۔“ ممی نے فوراً عباس کو ٹوکتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

”وہ ایک تعلیم یافتہ اور قابل بچی ہے ویسے بھی میرا بھائی جنتی ہے ماشاء اللہ سارے بچے حافظ قرآن ہیں‘ سبحان اللہ۔“ درشہوار کو لگا بابا کے لہجے میں ہلکی سی حسرت جھلک رہی ہو جو یقیناً ممی کو پسند نہ آئی۔

”دراصل ان کے گھر کا ماحول شروع سے ہی خاصا مذہبی رہا ہے یہی سبب تھا بچے بھی ویسے ہی ہوگئے جبکہ آپ تو خود آزاد خیال رہے ہیں تو پھر بھلا بچوں میں وہ ماحول کیسے آتا جو آپ کے بھائی کے گھر کا تھا۔“ ممی کو شاید بابا کا اس طرح ان سب کی تعریف کرنا پسند نہ آیا تھا۔

”ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ بابا نے ہنستے ہوئے بات کو رفع دفع کیا اور پھر جب وہ سب تیار ہوکر شادی ہال پہنچے تو اندر داخل ہوتے ہی وہاں کے ماحول نے درشہوار کی طبیعت کو خاصا مکدر کردیا تھا۔ لیڈیز اور جینٹس کی پارٹیشن الگ تھی یہ تو وہ جانتی تھی مگر یہ علم نہ تھا کہ زنانہ میں ویٹرز بھی خواتین ہی ہوں گی اس کے علاوہ مہمانوں کی تعداد بھی خاصی کم تھی دلہن سفید میکسی میں ملبوس ہلکے میک اپ میں تھی یقیناً آج بھی وہ گھر پر ہی تیار ہوئی تھی۔ اسٹیج پر وہ تنہا تھی شاید بے پردگی کے باعث عبداللہ کا داخلہ اپنے ہی ولیمے کے زنان خانہ میں بند تھا یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں ہنس دی اور ویسے بھی عبداللہ نے یہاں آکر کرنا بھی کیا تھا نہ کوئی مووی نہ کیمرہ اسے عجیب سی وحشت نے گھیر لیا ایسی شادی کا تو وہ تصور بھی نہ کرسکتی تھی جہاں کوئی رونق ہی نہ ہو اور جب وہ فارغ ہوکر باہر نکلیں تو گیٹ کے عین سامنے بابا کے ساتھ عبداللہ کھڑا نظر آگیا۔ درشہوار نے دیکھا سفید شلوار قمیص میں اونچا لمبا عبداللہ خاصا خوب صورت دکھ رہا

تھا جبکہ اس کے مقابلے میں دلہن ذرا ایک عام سی لڑکی تھی جسے عبداللہ جیسے عالیشان بندے کا ساتھ محض اس لیے میسر ہوا کہ وہ اس کے شرعی معیار پر پوری اترتی تھی یا شاید دونوں کے نصیب ایک دوسرے سے میل کھاتے تھے اور پھر وہیں کھڑے کھڑے عبداللہ اور تایا جی سے سلام دعا لے کر وہ گھر آ گئی۔ عبداللہ کی شادی یقیناً ایک ایسی شادی تھی جسے کئی عرصہ تک نہ صرف ان ماں بیٹیوں نے یاد رکھا بلکہ حاشر اور رشنا نے بھی اکثر منفی انداز میں اس کا ذکر کئی بار کیا سوائے عباس اور بابا کے جنہیں وہاں موجود سادگی خاصی پسند آئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کلاس لے کر باہر نکلی تو سامنے کھڑے سجاول کو دیکھ کر یک دم ہی کھل اٹھی۔

"آج تو میں کچھ اور مانگتی تو وہ بھی مل جاتا۔" سجاول کے قریب پہنچ کر وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔ "جانتے ہو تمہیں دیکھنے کو اس قدر دل مچل رہا تھا کہ بے اختیار یہ خواہش جاگی کہ کاش میں باہر نکلوں اور تم سامنے موجود ہو۔"

"دیکھ لو تمہارے دل نے خواہش کی اور میں سامنے آ گیا مانتی ہو ناں میری محبت کو جو تمہارے دل سے نکلی آواز تک سن لیتی ہے۔" سجاول نے مسکراتے ہوئے ایک نظر درشہوار پر ڈالی جس کی گوری رنگت رائل بلیو ٹاپ میں خوب دمک رہی تھی۔

"واؤ آج تو تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ بولا۔

"صرف آج......؟" وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

"نہیں ہمیشہ تم اتنی ہی خوب صورت لگتی ہو۔" وہ فوراً ہی ہار مانتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہوں۔" اپنے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"آ جاؤ تھوڑی دیر کیفے ٹیریا بیٹھتے ہیں تم پھر گھر چلی جانا۔" سجاول اس سے آگے چلتے ہوئے بولا پھر وہ جب سجاول کی سنگت میں چلتے ہوئے کیفے ٹیریا پہنچی تو اپنی یونیورسٹی کا عام سا کیفے آج اسے ہر لحاظ سے بے حد خاص لگا کیونکہ آج اس کے ساتھ سجاول تھا جس کے ساتھ نے آس پاس کی ہر شے کو ایک محبت بھرا احساس بخش دیا تھا۔

☆......☆......☆

سجاول کے والد الٰہی بخش ایک بار پھر اپنے گاؤں سے الیکشن جیت گئے ان کی جیت کی خبر سن کر درشہوار کو تھوڑی سی حیرت ضرور ہوئی جس کا اظہار وہ بھابی سے کیے بنا نہ رہ سکی۔

"مجھے تو کوئی ایسا کام اس گاؤں میں نظر نہیں آتا جو الٰہی انکل نے گاؤں والوں کی فلاح کے لیے کیا ہو پھر بھی جانے کیوں لوگ ہر سال انہیں ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچا دیتے ہیں۔"

"وہاں اہمیت کام کی نہیں نام کی ہے الٰہی انکل کا خاندان وہاں کا گدی نشین ہے جس کے باعث ان کو وہاں ایک خاص عزت و احترام حاصل ہے بھلا سوچو وہ لوگ جو ان کے قدموں میں بیٹھتے ہوں بھلا کیسے ان کے علاوہ کسی اور کو ووٹ دیں گے۔"

"رشنا صحیح کہہ رہی ہے الٰہی بھائی کے خاندان کا بڑا رعب دبدبہ ہے وہاں اور ان کے ہوتے ہوئے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اور اس گاؤں سے الیکشن جیت جائے سمجھو وہ سیٹ تو ان کی جدی پشتی سیٹ ہے جس کے وہ بادشاہ ہیں۔" ممی نے رشنا کے خیال کی تصدیق کرتے ہوئے فخریہ لہجے میں مزید وضاحت کی۔

"حیرت ہے۔" درشہوار نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا اور پھر اپنی یہ حیرت وہ سجاول سے شیئر کیے بنا نہ رہ سکی اس رات جیسے ہی سجاول کا فون آیا وہ فوراً پوچھ بیٹھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا تم لوگ اپنے گاؤں سے الیکشن کیسے جیت جاتے ہو؟"

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔" درشہوار کی جانب سے کیے جانے والے اس اچانک سوال کو سن کر وہ قدرے

حیرت سے بولا۔

"میں ایک دفعہ تمہارے گاؤں گئی تھی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے وہاں سڑکیں آج بھی کچی ہیں' کوئی اچھا اسکول نہیں۔ وہاں کے رہائشی اچھی تعلیم حاصل کرسکیں' پانی کا معقول انتظام ناپید ہے پھر کیسے وہ لوگ الٰہی انکل کو ووٹ دے دیتے ہیں۔"

"ان ساری باتوں سے ووٹ کا کیا تعلق؟"

"ظاہر ہے جو نمائندہ ان کے ووٹ پر الیکشن جیت کر اسمبلی میں جائے گا اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے ووٹرز کو تمام بنیادی سہولیات فراہم کرے۔" وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"اس کے علاوہ ان کے اور بہت سے بنیادی مسائل ہیں جو بابا جان حل کردیتے ہیں۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی' تعلیم اور پکی سڑکیں ان کے بنیادی مسائل میں شامل نہیں۔" سجاول کے جواب نے اسے قدرے حیران کردیا۔

"ارے یہ تم آج کس بحث میں پڑگئی ہو چھوڑو تمہیں ان سب باتوں سے کیا لینا دینا' بابا جانیں اور ان کے ووٹرز' ہم بلاوجہ کیوں ان کے پیچھے الجھ رہے ہیں۔" درشہوار کی باتوں سے سجاول قدرے چڑتا ہوا بولا۔

"میں نے تو تمہیں تمہارے لیے فون کیا تھا تم بلاوجہ دوسروں کو لے کر میرا موڈ خراب کررہی ہو۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ برا مان گیا ہے جبکہ درشہوار اس کی اس قدر ناراضگی کی وجہ سمجھ نہ پائی۔

"سوری سجاول اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو میرا مقصد تو محض......"

"اٹس اوکے چھوڑو۔" درشہوار کے ایک معذرت بھرے جملے نے اس کے موڈ کو قدرے بحال کردیا جبکہ درشہوار کو ساری رات یہ سوچ کر نیند نہ آئی کہ اس کی باتوں میں ایسا کیا تھا جس نے سجاول جیسے ٹھنڈے مزاج کے مرد کو غصہ دلا دیا۔

☆......☆......☆

سجاول کے بڑے بھائی بلاول کی منگنی تھی لڑکی لندن سے آئی تھی اس تقریب میں شرکت کے لیے درشہوار کئی دنوں سے خاصی ایکسائٹڈ تھی بقول سجاول اس کی ہونے والی بھابی فاریہ خاصی خوب صورت اور قابل لڑکی تھی اب وہ چاہتا تھا کہ اس فیملی فنکشن میں درشہوار سب سے نمایاں نظر آئے یہی وجہ تھی جو درشہوار نے کئی ہفتہ لگا کر اپنے لیے خاصی تیاری کی' اچھے پارلر سے سروس کے ساتھ ساتھ اس نے بال بھی ڈائی کروالیے اور بقول رشنا وہ بالوں کے اس کلر کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت دکھائی دے رہی تھی منگنی کا یہ فنکشن سجاول کے گھر کے بڑے سے لان میں ہی رکھا گیا تھا' ریڈ سلیو لیس قمیص کے ساتھ اورنج دوپٹہ میں درشہوار نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی' گیارہ بجے جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ابھی مہمان آنا ہی شروع ہوئے تھے۔ لان بے حد خوب صورتی سے سجایا گیا تھا جس کے ایک طرف چھوٹا سا جوس کارنر بھی بنایا گیا تھا سروس کے لیے ویٹرز موجود تھے' رنگ و نور کا ایک طوفان ہر طرف امڈا آیا تھا' دھیما دھیما میوزک اعصاب پر خوشگوار اثر ڈال رہا تھا۔ غرض پیسے کی فراوانی ہر طرف دکھائی دے رہی تھی' سجاول اپنے والد کے ساتھ ریسپشن پر ہی موجود تھا جس کے پاس سے گزر کر وہ اندر آ گئی۔

"الٰہی بھائی اپنے بچوں کی خوشیوں پر بڑا پیسہ خرچ کرتے ہیں۔" صوفہ پر بیٹھنے سے قبل ممی نے ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں یہاں آ کر پتہ چلتا ہے کہ زندگی کیا ہوتی ہے؟ ایک وہ عبداللہ بھائی کی شادی تھی اتنا حبس کہ مجھے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہورہا تھا۔" رشنا بھابی آج بھی عبداللہ کی شادی نہ بھولی تھیں۔

"سچی بات ہے انسان جب تک زندہ ہے زندگی تو انجوائے کرے یہ کیا بات ہوئی اپنی زندگی مردوں کی طرح جی کر دنیا سے رخصت ہوجاؤ۔" ہر طرف نظر ڈالتے ہوئے درشہوار نے برا سا منہ بنایا اسی پل ویٹر جوس کے گلاس لیے ان کے قریب آن موجود ہوا سب نے اپنے اپنے گلاس

اٹھائے ہی تھے کہ سجاول آ گیا جسے اپنے سامنے دیکھتے ہی درشہوار کے چہرے پر خوشی کا رنگ ابھرا جو سجاول کے ساتھ ساتھ رشنا کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔

"السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ؟" مخاطب سب تھے مگر نظریں درشہوار کے گرد ہی گھوم رہی تھیں جنہیں محسوس کرتے ہی وہ کچھ کنفیوز سی ہوگئی۔

"وعلیکم السلام بھئی ویسے ہی ہیں جیسے تم کل دیکھ کر آئے تھے۔" ممی نے مسکراتے ہوئے کہا امی کا جواب سنتے ہی وہ درشہوار کی جانب پلٹا۔

"آؤ میں تمہیں اپنی بھابی سے ملواؤں۔" سجاول کے مخاطب کرتے ہی وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بھی آ جائیں بھابی۔" اور پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ لیے وہ اسٹیج پر آ گیا جہاں سلیولیس بلاؤز کے ساتھ بلیک ساڑھی میں فاریہ موجود تھی جسے ماہر بیوٹیشن کے ہاتھوں نے اتنا خوب صورت کر دیا تھا کہ ایک پل کے لیے درشہوار بھی اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا بھول گئی۔ فاریہ ان سے بہت اچھی طرح ملی مگر جانے کیوں درشہوار کو اس کے انداز میں ایک انجانا غرور سا محسوس ہوا جس کی وجہ شاید بلاول جیسے عالیشان مرد کا ساتھ تھا پھر اسی پل درشہوار اس کا موازنہ زارا سے کر بیٹھی، بے شک عبداللہ شکل و صورت کے اعتبار سے بلاول سے کئی گنا خوب صورت تھا اور معاشی لحاظ سے بھی وہ زارا کی فیملی کے مقابلے میں خاصا بہتر تھا پھر بھی زارا کے انداز میں آج تک وہی سادگی تھی جو شروع سے اس کے مزاج کا خاصا رہی، لیکن شاید خوب صورتی فاریہ کو وہ اوصاف تھا جس کی وجہ سے وہ ایک اتنے بڑے سیاسی خاندان کا حصہ بنی تھی اور یہی غرور اس کی شخصیت میں بھی جھلک رہا تھا عالیشان فنکشن کے ساتھ ساتھ کھانا بھی اتنا شاندار تھا جس کا تذکرہ گھر آ کر بھی وہ کئی دنوں تک کرتے رہے اور اس تذکرہ میں کئی بار عبداللہ کا ذکر بھی آیا جس نے بنا جہیز کے نہایت سادگی سے زارا کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زرین کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا جسے تایا جی نے رد کر دیا وجہ کیا تھی یہ جان کر درشہوار حیران رہ گئی۔

"وہ لڑکا ہماری ذات برادری کا نہ تھا اور ہم اپنی ذات برادری کے بنا رشتہ نہیں جوڑتے۔" یہ اظہار خیال اس کے پیارے بابا جان کا تھا جنہیں وہ ہمیشہ سے خاصا لبرل سمجھتی آئی تھی اور یہ ذات برادری والا فارمولا بھی اسے آج ہی سمجھ میں آیا تھا۔

"میں نے تو سنا ہے کہ زرین کو یہ رشتہ خود بھی پسند تھا پھر بھلا تایا جی نے ذات برادری کا مسئلہ کیوں کھڑا کیا۔" وہ حیران تھی کہ صرف ایک اتنی چھوٹی سی بات پر بھی کسی کو ٹھکرایا جاسکتا ہے جبکہ اس کی اجازت ہمارا مذہب نہیں دیتا۔

وہ تو شاید مان بھی جاتے مگر اصل وجہ بابا جان تھے جن کا یہ کہنا تھا کہ غیر برادری میں رشتہ داری کے سبب وہ تایا جی کی فیملی کو چھوڑ دیں گے۔

"یہ بابا جان نے کہا؟" درشہوار تو بھابی کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ سن کر ہی حیران ہوگئی۔

"ہاں دری تم شاید نہیں جانتی کہ بابا جان اس معاملے میں خاصے انتہا پسند ہیں اور صرف بھائی کی محبت کی خاطر تایا جی نے سگی بیٹی کا دل توڑ دیا۔" سکینہ سے ڈسٹنگ کروانے کے ساتھ ساتھ وہ درشہوار کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولیں۔ درشہوار کو یاد آیا آج تک کوئی رشتہ فیملی سے باہر ہوا ہی نہ تھا سوائے عبداللہ کے تو پھر بھلا کیسے پتہ چلتا کہ اس سلسلے میں بابا جان کی رائے کیا ہے؟ یہ بات تو آج پہلی بار اس کے سامنے کھل کر آئی تھی کہ ان کے ہاں ذات برادری کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

"عبداللہ کی بیوی زارا بھی تائی جی کی دور پار کی رشتہ دار ہے جبکہ پروفیسر لسان اللہ نہ صرف غیر ذات بلکہ غیر زبان کا بندہ تھا تو پھر بھلا بابا جان کیسے راضی ہوتے۔" بھابی مسلسل بول رہی تھی جبکہ درشہوار کا ذہن الجھ چکا تھا اس رونما ہونے والے نئے واقعے نے اسے احساس دلایا کہ سجاول بھی ایک غیر ذات اور غیر زبان کا بندہ ہے تو کیا بابا جان اپنی ضد میں اسے بھی زرین کی طرح مایوس اور تہی دامن کر دیں

گے زرین کی تو اماں سے کوئی خاص وابستگی بھی نہ تھی ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے تھے جبکہ اس کی تو جان سجاول میں تھی تو کیا بابا اس سے اس کی جان چھین لیں گے اس خیال کے دماغ میں آتے ہی وہ بے چین ہو اٹھی اب اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟ سچ ہے کبھی کبھی روانی سے چلنے والی خوب صورت زندگی میں کوئی ایسا موڑ آ جاتا ہے جو آپ کی سوچ کے دھاروں کو یکسر تبدیل کر دیتا ہے اور ایسا ہی کچھ شاید مستقبل میں درشہوار کے ساتھ بھی ہونے والا تھا جس سے فی الحال وہ قطعی لاعلم تھی۔

☆......☆......☆

"تمہاری تصویریں بہت خوب صورت آئی ہیں۔ مما جان تو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔" بلاول کی منگنی کی تصاویر آ گئی تھیں اور سجاول انہی کا ذکر کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے جب میں خود خوب صورت ہوں تو تصاویر بھی خوب صورت ہی آئیں گی۔" وہ لاڈ بھرے فخر سے اٹھلائی۔

"تم خوب صورت ہو نہیں، تمہیں میری محبت نے خوب صورت بنا دیا ہے۔" وہ محبت پاش نگاہوں سے اس کی جانب تکتا ہوا بولا۔

"خوب صورت تو خیر میں ہوں ورنہ تم کہاں مجھ سے محبت کرتے۔" اس کا دل چاہا کہ آج وہ اپنی تعریف سنے اور یہ بات سجاول بھی سمجھ گیا تھا۔

"بالکل اس میں کوئی شک نہیں مگر ایک بات یاد رکھنا درشہوار میری محبت کا تعلق تمہاری خوب صورتی سے نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں جس سے محبت کی جائے ان کے چہرے نہیں دیکھے جاتے' جیسے میں نے تم سے محبت تمہارا چہرہ دیکھ کر نہیں کی۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"ایک بات کہوں درشہوار۔" سجاول کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ہاں کہو۔"

"تم بھابی سے کہو وہ گھر میں میرے لیے بات کریں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے امتحانات ختم ہوتے ہی مما سے اپنے رشتے کی بات کر لوں بابا میری اور بلاول کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انہیں اپنی پسند سے آگاہ کر دوں۔" ظاہر ہے ان کے درمیان جو کچھ چل رہا تھا اسے کسی ایک موڑ تک تو پہنچنا تھا اور یہ کوئی ایسی انوکھی بات بھی نہ تھی مگر سجاول کی بات سن کر درشہوار چپ سی ہو گئی۔

"دری......" اسے خاموش دیکھ کر سجاول نے پکارا۔

"آں ہاں......"

"سب ٹھیک تو ہے ناں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میری بات سن کر تم کچھ پریشان سی ہو گئی ہو۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"اچھا پھر تم جلدی بھابی سے بات کر کے مجھے بتا دو ٹھیک ہے۔" کہنے کو تو وہ کہہ آئی مگر گھر آنے تک اس کا دماغ الجھا رہا ابھی کچھ دن قبل تو زرین والا واقعہ ہوا تھا ایسے میں بھلا بھابی سے وہ کس طرح سجاول کے رشتہ کی بات کرتی مگر سجاول نے اگلے دو دن تک اتنی بار یہ بات دہرائی کہ وہ موقع ملتے ہی رشنا کے سامنے ساری بات کر گئی۔

"انکل الٰہی چاہتے ہیں کہ بلاول کے ساتھ ہی سجاول کی شادی بھی کر دی جائے اور سجاول چاہتا ہے کہ آپ گھر میں بات کریں۔" رشنا نے محسوس کیا اس کے لہجے میں ایک اضطراب سا جھلک رہا تھا جس کے پس پردہ کیا حقائق تھے وہ فوراً سمجھ گئی۔

"دیکھو دری تم سجاول کو سمجھاؤ فی الحال زرین کے رشتہ ہونے تک وہ خاموش رہے جیسے ہی تایا جی زرین کا کہیں رشتہ طے کرتے ہیں میں عباس سے سجاول اور تمہاری بات کروں گی' اس سے پہلے فی الحال یہ ناممکن ہے۔" زرین کے رشتے کے سلسلے میں پیدا ہونے والی صورت حال نے ان دونوں کو ہی پریشان کر دیا تھا۔

"ویسے بھابی مجھے بالکل بھی اندازہ نہ تھا کہ اس دور میں ہر بات کی آزادی کے باوجود ہمارے گھرانے میں

ذات برادری کو اہمیت دی جائے گی۔" رشنا کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہ تھا' اس لیے وہ خاموش رہی اور پھر درشہوار نے بھی کسی طرح سجاول کو آمادہ کرلیا کہ فی الحال زرین کے رشتہ طے ہونے تک انہیں خاموش رہنا ہوگا۔

☆......☆......☆

فون کی بیل کب سے بج رہی تھی' درشہوار نے اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈال کر جلدی سے موبائل ڈھونڈا اخلاف توقع دوسری جانب زرین تھی' اسکرین پر جگمگاتا اس کا نام دیکھ کر اس نے فوراً یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم!" ہیلو کہتے ہوئے وہ رک گئی کیونکہ زرین اسے ہمیشہ تنبیہہ کرتی کہ جب میری کال ریسیو کرو تو ہیلو ہائے مت کیا کرو۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو تم؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں' یہ آج تمہیں میری یاد کیسے آ گئی؟"

"یاد تو خیر میں تمہیں ہمیشہ رکھتی ہوں مگر اس وقت ایک خاص کام کے لیے فون کیا تھا اگر تم فری ہو تو......"

"ہاں ضرور بتاؤ کیا کام ہے۔"

"کل شام میری ایک دوست کے گھر ذکر کی محفل ہے اور میں چاہ رہی تھی کہ تم میرے ساتھ چلو۔"

"ذکر کی محفل۔" حیرت سے دہراتے ہوئے درشہوار نے فون اپنے کان سے دور کیا۔

"ہاں بھلا اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے بحثیت مسلمان تم کسی ذکر کی محفل میں نہیں جاسکتیں۔"

"ایسا نہیں ہے زرین مگر میں کبھی گئی نہیں۔"

"تمہاری مرضی ہے دراصل اس نے ہم سب کو ٹاسک دیا تھا کہ اپنے ساتھ کم از کم تین لوگ ضرور لے کر آئیں اس لیے میں تم سے پوچھ بیٹھی کیونکہ میں' زارا اور امی ہم تین ہیں اور اگر تم چلتیں تو مطاہرہ کا دیا ہوا ٹاسک پورا ہو جاتا' بہرحال تمہاری مرضی کوئی زبردستی نہیں ہے۔" اور پھر الوداعی کلمات کے بعد زرین نے فون بند کردیا۔

مگر کچھ دنوں بعد ہی پیش آنے والے ایک واقعے نے اسے مجبور کیا کہ وہ کم از کم ایک بار زرین کے ساتھ ذکر کی محفل میں ضرور شریک ہو۔

☆......☆......☆

وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا درشہوار کے دل کی حالت عجیب ہی ہوتی جارہی تھی' سوتے جاگتے سجاول کا خیال اس کے ذہن کو الجھائے رکھتا' سجاول کا روز بروز بڑھتا مطالبہ کہ وہ اپنے گھر والوں سے بات کرے اُسے پریشان کررہا تھا حالانکہ یہ کسی بھی لڑکی کے لیے خوشی کا مقام تھا وہ جسے چاہے وہ اسے اپنانے پر آمادہ ہو' اس کا ساتھ نبھانے کو تیار ہو مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا سجاول چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر بات کرکے اسے گرین سگنل دے تاکہ وہ اپنی فیملی کو رشتہ کے لیے بھیج سکے جبکہ درشہوار تمام تر آزادی کے باوجود سجاول کا ذکر محض اس لیے گھر میں کسی سے کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی کہ اس کا تعلق ایک غیر ذات اور برادری سے تھا مانا کہ محبت ذات اور برادری نہیں دیکھتی مگر کیا کیا جائے ان بڑوں کا جو اپنے بچوں کو ہر طرح کی آزادی دے کر روایات کی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں آج بھی وہ ان ہی خیالوں میں الجھی ہوئی میسج کے ذریعے سجاول سے بات کررہی تھی جب بابا لاؤنج میں داخل ہوئے ان کے چہرے پر چھائی خوشی اس بات کی غمازی تھی کہ وہ کوئی اچھی خبر سن کر آئے ہیں۔

"السلام علیکم بابا۔" درشہوار کے ساتھ ساتھ رشنا نے بھی انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" بابا وہیں صوفے پر بیٹھ گئے جب ملازم ان کے لیے ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر آئی جسے وہ تین سانسوں میں ختم کرتے ہی ممی کی جانب متوجہ ہوئے جو لاؤنج میں ہی موجود تھیں۔

"مبارک ہو' زرین کا رشتہ ایک بہت اچھے گھرانے میں طے ہوگیا ہے۔"

"ہیں......! یہ کب ہوا؟" ممی یہ خبر سن کر قدرے شاکڈ ہوئیں۔

"آج اور ابھی میں ان کے گھر سے ہی آرہا ہوں'

بھرجائی نے ہی فون کرکے بلوایا تھا چونکہ میں باہر تھا اس لیے تمہیں بتائے بنا ہی چلا گیا سوچا واپس جا کر یہ خوش خبری سب کو سناؤں گا۔"

"اچھا اب کہاں کیا ہے رشتہ؟"

"اپنی ہی برادری کے لوگ ہیں زرین کی طرح لڑکا بھی عالم دین ہے اچھا گھرانہ ہے فروٹ کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"زرین آمادہ ہوگئی اس رشتے پر۔" یہ وہ سوال تھا جس کا جواب سننے میں درشہوار بھی قدرے دلچسپی رکھتی تھی۔

"اس کے آمادہ نہ ہونے کی کیا وجہ تھی؟" ممی کے سوال نے بابا کو حیران کردیا۔

"میں نے سنا تھا کہ وہ پروفیسر صاحب کو پسند کرتی تھی جس کا رشتہ اس سے قبل آیا تھا۔"

"میرا نہیں خیال کہ ایسا کچھ تھا یہ سب تم عورتوں کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں ویسے بھی وہ سب بہن بھائی خاصے سمجھدار ہیں دینی اور باشعور اپنا اچھا برا سمجھنے والے۔" ہمیشہ کی طرح بابا نے ایک بار پھر زرین کی تعریفیں شروع کردیں۔ وہ تعریفیں جن سے ممی کو کسی قدر چڑ تھی۔

"میری بھی بڑی خواہش تھی کہ میرا کوئی بچہ دینی تعلیم حاصل کرتا جس طرح میرے بھائی کے بچوں نے حاصل کی مگر شاید اس میں میری ہی کوتاہی تھی جو میں یہ اعزاز حاصل کرنے کے قابل نہ رہا بہرحال جو بھی ہے شاید اس میں ہی اللہ کی رضا تھی ورنہ یقیناً آج درشہوار بھی زرین کی طرح عالمہ ہوتی۔" درشہوار نے چونک کر ایک نظر بابا کے چہرے پر ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہے تھے جبکہ ان کی بات سنتے ہی ممی کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے تاثرات پھیل گئے۔

"اللہ کا شکر ہے میرے بچوں کو بھی دین کی ساری سوجھ بوجھ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ہم دین و دنیا ساتھ لے کر چلتے ہیں ان کی طرح دنیا چھوڑ کر نہیں بیٹھے۔" غصہ سے کہتی ممی باہر نکل گئیں جبکہ بابا اپنی جگہ بیٹھے مسکراتے رہے اس پل درشہوار نے کچھ سوچا اور اٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھی۔

"ایک بات پوچھوں بابا جانی؟"

"ہاں میرے بچے ضرور پوچھو۔"

"اگر آپ کو اتنا ہی شوق تھا کہ آپ کا بھی کوئی بچہ عالم دین ہوتا تو پھر کیوں آپ نے ایسا نہ کیا اگر آپ ہمارے بچپن میں ہمیں بھی ایسی راہ پر لگادیتے تو میرا نہیں خیال کہ ہم کوئی مزاحمت کرسکتے تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بچہ لیکن میں نے ابھی ابھی یہ کہا تھا کہ اس سارے عمل میں میری کوتاہی شامل حال تھی کیونکہ مجھے طرح دار اور فیشن ایبل خواتین اچھی لگتی تھیں اور یہی وجہ تھی جو میں نے تمہاری ممی سے شادی کی یہ تو گزرتے وقت نے مجھے احساس دلایا کہ شاید کہیں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے ورنہ میں چاہتا تو کم از کم اکلوتی بیٹی ہونے کے ناطے تمہیں ضرور ایک مکمل عالمہ بناتا مگر بہرحال جو میرے رب کو منظور۔" اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بات کرتے ہوئے بابا کی آواز میں ایک حسرت سی اتر آئی ہو وہ حیرت سے اپنے باپ کے چہرے کی جانب تک رہی تھی جب اسے ملازمہ کی آواز نے چونکایا۔

"چھوٹی بی بی آپ کو مالکن بلا رہی ہیں۔" کوئی جواب دیے بنا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ تم لوگوں میں کوئی کمی ہے ہر لحاظ سے تم تینوں میری قابل فخر اولاد ہو نیک اور ایمان دار ہمیشہ میرے حکم کی پاسداری کرنے والی فرماں بردار اولاد بس ایک دل کی خواہش تھی جو میں نے تم سے شیئر کی اس بات کو لے کر کچھ غلط مت سوچنا۔" درشہوار کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بابا نے ہر بات کی وضاحت کی انہیں لگا شاید زرین کی تعریفیں درشہوار کو بھی ناگوار محسوس ہوئی ہیں۔

"اٹس اوکے بابا آپ فکر مت کریں مجھے آپ کی کوئی بات بری نہیں لگی۔" انہیں دلاسہ دیتی وہ باہر نکل گئی لیکن آج کی گفتگو سے اسے کھل کر یہ اندازہ ہوگیا کہ اس کے والد زرین کو اس پر فوقیت کیوں دیتے ہیں؟ یقیناً اس لیے کہ وہ اللہ کا کلام اپنے دل میں اتارنے کا اعزاز رکھتی تھی تو پھر ضرور وہ اللہ کی پسندیدہ بندی تھی جس نے اسے اس قابل

سمجھا ورنہ عام شخص کی کیا مجال جو وہ اللہ کے کلام کو اتنی آسانی سے اپنے سینے میں اتار سکے زرین خاص تھی یہ احساس دیگر تمام باتوں پر غالب آ گیا اور اسے یک دم ہی زرین پر رشک آنے لگا یہی وجہ تھی جو اس نے پہلی بار زرین کو خود فون کیا کہ وہ درس قرآن کی کسی محفل میں جائے تو اسے بھی ساتھ لے جائے۔

☆......☆......☆

اور پھر سجاول کے حوالے سے اسے جو خدشہ تھا وہ پورا ہوگیا' اس کے منع کرنے کے باوجود انکل الٰہی نے بابا سے درشہوار کے رشتے کی بات کرلی اور یہ خبر جب اسے فون پر سجاول نے دی تو وہ حیران رہ گئی۔

''میں نے کہا تھا نہ سجاول جب تک میں نہ کہوں کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔''

''بابا جان نے اپنے طور پر بات کی تھی میں نے انہیں تمہارے متعلق کچھ نہ بتایا اور جانتی ہو تمہارے بابا نے کیا جواب دیا؟'' سجاول کا لہجہ کچھ غلط ہونے کی نشاندہی کررہا تھا۔

''کیا جواب دیا بابا نے؟'' وہ اپنے اندر کی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔

''بڑا عجیب اور دقیانوسی سا جواب تھا ان کا بقول بابا جان کے کہ تمہاری فیملی میں غیر ذات اور برادری میں رشتہ نہیں کیا جاتا مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی درشہوار......'' آخر میں سجاول کا لہجہ شکایتی ہوگیا۔

''جب تم یہ سب کچھ جانتی تھیں تو پھر کیوں مجھے محبت کے اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں سے واپسی مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔''

''میں یہ بات نہیں جانتی تھی سجاول اور اگر جانتی بھی تو یقین جانو کہ محبت ایک ایسا بے اختیار جذبہ ہے جو ذات برادری سے بالاتر ہوتا ہے۔'' اس کا لہجہ اس کے سچ کی گواہی دے رہا تھا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ انکل محض اتنی سی بات پر بابا کو انکار کرسکتے ہیں جبکہ میں سمجھتا رہا کہ وہ اپنی اور بابا کی دوستی کی خاطر کبھی بھی اس رشتے سے منع نہیں کریں گے۔''

''اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ضرور بہتری کی کوئی راہ نکالے گا۔'' اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی ادائیگی نے اسے خود بھی حیران کردیا اس کی گفتگو میں ایسا جملہ غالباً پہلی بار شامل ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے تم خود انکل سے بات کرو اور انہیں اپنے اور میرے متعلق سب کچھ سچ سچ بتادو ہوسکتا ہے تمہاری محبت انہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کردے۔'' سجاول کے نزدیک اس مسئلہ کا حل اس سے بہتر کوئی نہ تھا۔

''میں کوشش کروں گی۔'' سجاول کو دلاسہ دیتے وقت اسے خود بھی یقین نہ تھا کہ آیا وہ خود اپنے باپ کے سامنے جا کر کھڑی ہوسکتی ہے' محبت کے معاملے میں آج پہلی بار اسے اپنا آپ بہت کمزور لگا اسے اندازہ ہوا کہ محبت کرنا بڑے بہادر لوگوں کا کام ہے اس جیسے لوگ جو اپنوں کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں انہیں ایسا قدم اٹھانا ہی نہیں چاہیے۔

☆......☆......☆

درشہوار نے ہوش سنبھالتے ہی بابا کو ہمیشہ نماز اور روزے کا پابند دیکھا البتہ اس کی ممی اس معاملے میں تھوڑا سست تھیں اور یہی سستی ان کی اولاد میں بھی در آئی' ممی کی طرح وہ تینوں بہن بھائی بھی نماز کو یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ وقت ہی نہیں ملا' ان تینوں کی طرح رشنا بھی اس معاملے میں اتنا ہی لاپروا تھی البتہ جب کبھی وہ کسی ایسی خاندانی تقریب میں شریک ہوتے جہاں تایا کی فیملی بھی ہوتی تو صرف ان کو دکھانے کے لیے رشنا اور درشہوار نماز پڑھ لیتیں کیونکہ جانتی تھیں کہ نہ پڑھنے کی صورت میں دونوں کو تائی امی اور تایا ابو سے سخت باتیں سننے کو ملتیں وہ دونوں اس معاملے میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے اور آج اتنے سالوں میں پہلی بار درشہوار کو محسوس ہوا کہ نماز کے سلسلے میں ان کی یہ سختی بجا تھی' اسے حیرت اپنے بابا پر تھی جنہوں نے کبھی یہ نہ چاہا کہ وہ کچھ اور نہ سہی کم از کم گھر میں نماز کی پابندی پر تو سخت رویہ اختیار کرتے درشہوار کی پھوپھو لندن میں رہتی تھیں

مگر اس کے باوجود ان کی دونوں بیٹیاں ایک اچھی مسلمان
تھیں بے شک پھوپو روشنی اور ان کی بیٹیاں خوب ماڈرن
تھیں مگر اس کے باوجود ان کے ہاں نماز قرآن کا خاص
اہتمام کیا جاتا پھر جانے ان کا ماحول سب سے الگ کیوں
ہوگیا کہ اب چاہتے ہوئے بھی اس کے لیے باقاعدگی کے
ساتھ نماز پڑھنا قدرے مشکل ثابت ہورہا تھا مگر پھر بھی وہ
کوشش کرکے عصر اور مغرب کی نماز پڑھنا شروع ہوگئی تھی
اور کبھی تو وہ بھی اکثر رہ جاتی جب وہ سو رہی ہوتی یا گھر سے
باہر کہیں مصروف ہوتی آج اس کی یونیورسٹی کی چھٹی تھی
جب اسے زرین کا فون آگیا۔

"اگر تم کہیں مصروف نہیں تو گھر آجاؤ۔"

"کہیں جانا ہے؟"

"کہیں نہیں آج ہمارے گھر پر ہی درس قرآن کی محفل
ہے میں نے سوچا تمہیں بھی مدعو کرلوں لیکن اس سلسلے میں
کوئی زبردستی نہیں ہے اگر تمہارا دل چاہے تو......"

"ٹھیک ہے میں آجاؤں گی۔" کہنے کو تو اس نے کہہ دیا
مگر جب شام میں تیار ہونے کے لیے الماری کھولی تو سمجھ
میں ہی نہ آیا ایسا کون سا لباس پہنے جو اس محفل میں پہن کر
جانے کے قابل ہو اس کی ساری الماری جینز اور ٹی شرٹ
سے بھری پڑی تھی اکادکا اگر شلوار قمیص تھیں تو وہ بھی
سلیولیس اور بنا دوپٹے کے گھر میں اس کے علاوہ واحد رشنا
تھی جس کے پاس شاید کوئی ایسی شلوار قمیص ہو جو آج اس
کے کام آسکے یہی سوچ کر وہ رشنا کی جانب آگئی۔

"خیریت ہے تمہیں شلوار قمیص کی کیا ضرورت پیش
آگئی۔" ہینگر میں لگے اپنے سارے کپڑے اس کے
سامنے ڈالتے ہوئے رشنا نے سوال کیا۔

"میں تایا ابو کے گھر جارہی ہوں۔"

"خیریت......؟"

"جی......زرین نے بلایا ہے درس کی محفل ہے۔"

"درس کی محفل؟" درشہوار کے جواب سے رشنا کو یک
دم جھٹکا سا لگا جبکہ وہ بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے اپنا
مطلوبہ ڈریس ہاتھ میں لیے کمرے سے باہر نکل گئی اسے
اس طرح جاتا دیکھ کر رشنا کو غم کی ایک کیفیت نے گھیر لیا
اسے لگا شاید سجاول سے ہونے والی ممکنہ دوری کے احساس
نے اس کے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے یہی سوچ کر وہ اس
کے پیچھے ہی کمرے میں آگئی جہاں درشہوار سفید شلوار قمیص
میں ملبوس ہمیشہ سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"دیکھو دری تم بلاوجہ اس مسئلے کو لے کر پریشان نہ ہو۔"

"کس مسئلے کو؟" رشنا کی بات سن کر وہ قدرے حیرت
سے بولی۔

"وہی سجاول والا مسئلہ دراصل انکل الٰہی نے تو بابا سے
صرف اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ہم سے رشتہ داری
کرنا چاہتے ہیں جس پر بابا نے بتایا کہ ہم غیر برادری میں
رشتہ نہیں کرتے اور بس یہ کوئی باقاعدہ رشتہ نہیں ڈالا تم
فکر مت کرو میں عباس سے کہوں گی وہ بابا کو بتائیں کہ تم
سجاول کو پسند کرتی ہو اور ساتھ ہی سجاول سے کہو کہ وہ بھی یہ
بات اپنے گھر والوں کو بتائے۔"

"ٹھیک ہے بھابی مگر فی الحال آپ عباس بھائی سے
کوئی بات مت کریں۔" انہیں رسانیت سے جواب دے
کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور پھر پندرہ منٹ بعد ہی
جب وہ تایا ابو کے گھر پہنچی تو تقریباً سب ہی لوگ آچکے
تھے باوجود کوشش کے اسے اپنا یہ لباس دوسروں کے معاملے
میں کچھ غیر معیوب سا لگا سفید نیٹ کی قمیص کی آستینوں
کے نیچے استر نہ تھا درشہوار نے اپنا دوپٹا اچھی طرح کھول کر
لینے کی کوشش کی تو وہ بھی خاصا چھوٹا نکلا وہ شرمندہ سی ہوگئی
کیونکہ اسے وہاں ہر عورت لپٹی لپٹائی سی دکھائی دے رہی
تھی ذرا اوپر نظر پڑتے ہی ذہن میں یک دم اپنی بھابی رشنا کا
سراپا لہرا گیا جو اس کے گھر سے نکلتے وقت چھوٹی سی ٹی
شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی جبکہ ان کے گھر میں کئی ملازم
مرد موجود تھے۔ اپنے گھر کی خواتین کا موازنہ یہاں موجود
عورتوں سے کرتے ہوئے وہ کچھ عجیب سی ہوگئی۔

"ارے وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آجاؤ۔" زرین
اسے اپنے ساتھ لیے اندر آگئی اسی پل اس کے موبائل پر مما
کی کال آگئی جسے سنے بنا اس نے فون بند کرکے بیگ میں

رکھ دیا جاتی تھی وہ درشہوار بھائی سے اس کے درس میں جانے کا
سن کر پریشان ہوگئی ہوں گی اور اس وقت وہ فی الحال ان
کے کسی سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہ تھی ویسے بھی
یہاں آتے ہوئے اس نے بابا کو بتا دیا تھا کہ وہ تایا جی کے
گھر جارہی ہے اسی لیے وہ بے فکری سے زرین کے ساتھ
بیٹھ گئی سامنے صوفے پر بیٹھی عالمہ قرآن شریف کھولے
سورہ نساء کی کچھ آیات کی تفسیر بیان کررہی تھی جن کا تعلق
عورتوں اور ان کے گھریلو معاملات سے تھا چونکہ آج وہ پہلی
بار کسی ایسی محفل میں شریک ہوئی تھی اس لیے ان کی بیان
کردہ باتوں کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی جب اچانک ایک
لڑکی کی طرف سے کوئی سوال کیا گیا‘ سوال کیا تھا یہ اس نے
نہ سنا مگر اس کا جو جواب عالمہ کی جانب سے آیا اس نے
درشہوار کو بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سن کردیا۔

”دیکھو بیٹا یاد رکھو زندگی میں ہمیشہ ہمیں وہی ملتا ہے جو
ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے اور اس بہتری کا فیصلہ ہمارا
رب کرتا ہے۔“ عالمہ باجی نے سب پر ایک نظر ڈالتے
ہوئے قدرے مسکرا کر کہا۔ ”اور جو فیصلہ ہمارا رب کرتا ہے
یقیناً اس سے بہتر فیصلہ کوئی ہو نہیں سکتا‘ اسی لیے حدیث
قدسی ہے

”اے ابن آدم! ایک تیری چاہت ہے اور اک میری
چاہت ہے‘ ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔“ یہاں تک پہنچ
کر عالمہ باجی رک گئیں اور انہوں نے ایک بار پھر کمرے
میں موجود تمام خواتین پر نظر ڈالی ان کی آواز کے ساتھ ساتھ
چہرے پر بھی اتنی نرمی تھی کہ درشہوار بے خود انہیں دیکھے گئی وہ
سننا چاہتی تھی کہ عالمہ باجی آگے کیا کہہ رہی ہیں اور جیسے ہی
وہ ایک بار پھر سے گویا ہوئیں درشہوار کا سارا وجود کان بن
گیا۔

”اے ابن آدم! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری
چاہت ہے..... پر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے..... پس
اگر تو نے سپرد کردیا اپنے آپ کو..... اس کے جو میری
چاہت ہے..... تو میں بخش دوں گا تجھے وہ جو تیری چاہت
ہے۔ اگر تو نے روگردانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو
میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں جو تیری چاہت ہے پھر ہوگا
وہی جو میری چاہت ہے۔“

الفاظ تھے یا جادو جنہوں نے دھیرے دھیرے درشہوار
کے سارے وجود کو اپنی دسترس میں لے لیا‘ کیا وہ اس قابل
تھی کہ اسے وہ ملتا جو اس کی چاہت تھا؟ نہیں اس نے تو
اپنی زندگی میں کبھی وہ نہیں کیا جو اس کے رب کی چاہت تھی
پھر اسے کیسے ملتا وہ سب جو اس کی چاہت تھا یقیناً اپنی
چاہت پانے کے لیے پہلے اپنے رب کی چاہت پانا
ضروری تھا۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا سارا وجود لرز اٹھا۔

”اور ویسے بھی بیٹا ہمارا مذہب‘ ہمیں کسی نامحرم سے
محبت کا درس نہیں دیتا محبت کے لیے محرم ہونا ضروری
ہے۔“

”محرم اور نامحرم“ یہ دو الفاظ بھی اس نے اپنی زندگی میں
آج پہلی بار سنے تھے ورنہ آج سے پہلے تو اس نے کبھی اس
نقطہ پر سوچا ہی نہ تھا‘ سجاول ایک نامحرم تھا پھر وہ کیسے اس
سے محبت کی دعوی دار تھی‘ کیا اس محبت کی اجازت اس کا
رب دیتا تھا؟

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب خود اس کے پاس بھی نہ تھا‘
پھر نہ جانے اس کے ذہن میں کیا کہ جو وہ قریب بیٹھی
زرین کو مخاطب کر بیٹھی۔

”ایک بات پوچھوں زرین؟“

”ہاں پوچھو۔“

”کیا تم فیصل کے ساتھ جڑنے والے اپنے اس رشتے
سے مطمئن ہو‘ میرا مطلب یہ ہے کہ تم تو شاید پروفیسر امان
اللہ کو پسند کرتی تھیں۔“

”تیرا خیال ہے درشہوار تم غلط سوچ رہی ہو۔“ زرین ہلکا
سا مسکرائی۔

”میرے اور پروفیسر امان اللہ کے درمیان ایسا کچھ بھی
نہ تھا جسے پسند کا نام دیا جائے میں نے تو شاید زندگی میں
کبھی ان سے بات بھی نہ کی‘ یہ الزام مجھ پر اس لیے لگا کہ وہ
میرے ساتھ پڑھتے تھے اور بس ورنہ سچ تو یہ ہے کہ میں
بہت پہلے سے ہی فیصل کو پسند کرتی تھی ہاں ہمارے

درمیان کوئی ایسی محبت نہ تھی کوئی ایسا تعلق نہ تھا جو آج کل
کے زمانے میں دیکھنے کو ملتا ہے بس ایک خاموش محبت تھی
اور خاموش رابطہ تھا جواب بالکل ختم ہوگیا جب مجھے یہ علم ہوا
کہ فیصل کا رشتہ بچپن میں اس کے تایا کے گھر طے ہے۔" وہ
دم سادھے زرین کی وہ باتیں سن رہی تھی جن کا علم اسے آج
سے پہلے نہ ہوا تھا۔

"ویسے بھی فیصل کی امی خاصی ماڈرن خاتون ہیں
بالکل تمہاری ممی جیسی اور انہیں اس حوالے سے میں بالکل
پسند نہ تھی تو ظاہری بات ہے قصہ ختم ان کی پسند میں ڈھلنے
کے لیے میں اپنی شخصیت کو مسخ نہ کرسکتی تھی اور نہ ہی محض
ایک فیصل کی چاہت پانے کی خاطر مجھے اپنے رب کو
ناراض کرنا تھا' اگر میرا یہ حلیہ انہیں ناپسند تھا تو پھر مجھے کوئی
حق نہ تھا کہ میں فیصل کو پانے کے لیے کسی پاتال میں
جا گرتی اسی لیے میں نے اپنے دل ودماغ سے اسے مکمل
طور پر نکال دیا تھا۔" وہ دھیرے دھیرے بولتے ہوئے مسکرا
رہی تھی۔

"تو پھر یہ سب کیسے ہوا؟" درشہوار ابھی بھی حیران تھی۔

"شاید میں نے خود کو اپنے رب کی چاہت کے سپرد
کردیا تھا تو بدلے میں اس نے مجھے میری چاہت سے نواز
دیا اور وہ سب ہوگیا جس کی مجھے امید بھی نہ تھی فیصل کی تایا
زاد نے صرف اس لیے اسے انکار کردیا کہ اس نے دین کو
اپناتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی سنت پوری کی اور داڑھی
رکھ لی اس کی یہ داڑھی جہاں اس کا بچپن کا رشتہ ختم کرنے کا
باعث بنی وہاں وہ اسے میرے قریب لے آئی جس کے
لیے میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے' میں یہ نہیں
کہوں گی کہ اس کی کزن بدنصیب تھی جس نے محض اپنی کم
عقلی کے باعث فیصل جیسے ہیرے کو گنوادیا بلکہ میں یہ کہوں
گی کہ میں خوش نصیب ہوں' جس کے مقدر میں فیصل لکھ دیا
گیا۔" درشہوار نے محسوس کیا محض الفاظ کی تبدیلی نے جملے
کی بدصورتی کو بالکل ختم کردیا اسے زرین کا اپنے لیے
استعمال کردہ لفظ خوش نصیب بہت اچھا لگا۔

"جانتی ہو کل تک مجھ پر باتیں کرنے والی ثریا آنٹی کا
اپنا بیٹا آج ایک مکمل مسلمان بن چکا ہے اس کا ظاہر وباطن
دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں سرشار ہوچکے
ہیں یقیناً ایک شخص کی محبت نے مجھے اپنے دین سے نہیں
بھٹکایا کیونکہ میرے لیے کسی بھی دنیاوی محبت سے زیادہ
میرے اللہ کی محبت اہم تھی اور آج اللہ کی محبت نے میری
خالی جھولی مرادوں سے بھردی بے شک میرا رب ہمارے
حق میں بہتر فیصلے کرتا ہے اور اس کا یہ ایک بہتر فیصلہ تھا
جس کی بنیاد پر ذات کو سامنے رکھتے ہوئے پروفیسر امان
اللہ کو ٹھکرادیا گیا اگر اس وقت ذات برادری کو اہمیت نہ دی
جاتی تو سوچو ذرا میں آج فیصل کو کیسے حاصل کرتی؟ اس
کے لیے میں اپنے پروردگار کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے
جس نے اپنی حکمت سے مجھے میری محبت سے نواز دیا۔"
درشہوار نے دیکھا شکر گزاری اس کی رگ رگ سے جھلک
رہی تھی۔ اس کا رواں رواں اللہ کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا جس
کا احساس کسی بھی باشعور شخص کو زرین کا چہرہ دیکھ کر بخوبی
ہوسکتا تھا' اس کی اس کیفیت نے درشہوار کے وجود میں
جھرجھری سی بھردی اور وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ دری کہاں جارہی ہو۔" زرین نے اسے
ہاتھ سے پکڑ کر روکا اور وہ بنا مزاحمت کسی روبوٹ کی مانند
دوبارہ وہیں بیٹھ گئی کچھ دیر بعد عالمہ باجی نے دعا میں ایسا
انداز اپنایا تھا کہ بے اختیار ہی اس کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑی
آج زندگی میں پہلی بار اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی
ساری زندگی عمل سے خالی ہے اس کے پاس کوئی ایسا عمل نہ
تھا جس کو سامنے رکھ کر وہ اپنے رب سے کچھ مانگ سکتی وہ
تہی دست تھی بالکل خالی ہاتھ جس میں دنیا تو بھری تھی مگر
دین کا کہیں دور تک نام ونشان نہ تھا یقیناً اسے بھی وہ کرنا
چاہیے تھا جس میں اس کا رب راضی ہوتا اور پھر لازمی وہ
اس کا مقدر بن جاتا جو وہ چاہتی تھی تو پھر ضروری ٹھہرا کہ خود کو
اپنے رب کی رضا میں ڈھال دے اس احساس کے پیدا
ہوتے ہی وہ اندر تک پرسکون ہوگئی اور اسی پل اس نے
ایک ایسا اہم فیصلہ کیا جو شاید وہ ساری زندگی بھی نہ کرپاتی

سچ ہے کبھی کبھی اور اک کا ایک پل ہماری ساری حیات کو

بدل دیتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے جو ساری زندگی کی عبادت بھی نہیں کر سکتی اور ایسا ہی کچھ درشہوار کے ساتھ بھی ہو چکا تھا جس کا باطن بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

"میں سردار بھائی کو اتنا دقیانوسی نہ سمجھتی تھی۔" ممی نے اپنے ناخن فائل کرتے ہوئے سجاول کو نکا جوان کے منہ سے نکلنے والے اس اچانک جملے کو سن کر کچھ حیران سا ہوا تھا۔

"حیران مت ہو۔" وہ ماں تھیں غالباً اسی لیے سجاول کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر اس کے دل کی بات سمجھ گئیں۔

"میں نے کئی بار تمہاری آنکھوں میں درشہوار کی محبت کے جگنو چمکتے دیکھیں ہیں اور جان گئی تھی کہ تم دونوں کے درمیان کچھ چل رہا ہے اسی لیے تمہارے بابا سے کہا کہ وہ سردار صاحب سے بات کریں۔"

"اوہ......" وہ اب سمجھا کہ بابا نے درشہوار کے والد سے بات کیوں کی تھی۔

"لیکن معاف کرنا بیٹا مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ صرف ذات برادری کو فوقیت دیتے ہوئے اپنی بیٹی کا دل اس طرح توڑ دیں گے۔"

"اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے ممی دراصل انکل وہ سب نہیں جانتے جو آپ جانتی ہیں۔" اس نے جلدی سے اپنی ماں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا۔

"انکل نہ سہی آنٹی تو جانتی ہوں گی آخر بیٹی کی ماں ہے کیسے نہیں جانتی کہ بیٹی کے دلی جذبات کیا ہیں؟ اور اگر نہیں جانتی تو پھر نہایت ہی بے خبر ماں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی کچھ نہیں جانتیں کیونکہ اس معاملے میں درشہوار شروع سے ہی خاصی محتاط رہی ہے۔"

"میں نہیں مانتی۔" ممی نے نفی میں اپنی گردن ہلائی۔

"آخر تم بچپن سے ان کے گھر آ جا رہے ہو پھر بھلا انہیں کیوں نہیں علم کہ اندرون خانہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے بلاوجہ کی ڈرامے بازی۔" سجاول نے چونک کر اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں پھیلی واضح ناگواری اس بات کا ثبوت تھی کہ انہیں انکل کی جانب سے کیا جانے والا انکار سخت ناگوار گزرا ہے۔

"پلیز ممی آپ غلط سوچ رہی ہیں اور ویسے بھی انکل اور بابا کے درمیان اس حوالے سے جو بھی گفتگو ہوئی وہ مردانہ میں ہوئی جس کا علم گھر کے اندر اس وقت ہوا جب انکل نے غیر ذات کا ایشو بابا تک پہنچایا تھا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ فی الحال وہ اپنی بیٹی کی دلی حالت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے انہوں نے بظاہر ایک سرسری سی گفتگو کا جواب بھی سرسری انداز میں دے دیا بات ختم' ہم کون سا باقاعدہ رشتہ لے کر گئے تھے جو انکار کی صورت میں آپ اتنا غصہ کر رہی ہیں پلیز آپ ریلیکس ہو جائیں میں نے دری سے کہہ دیا ہے وہ اپنے بابا سے خود بات کر کے انہیں سب کچھ بتا دے گی اور میرا خیال ہے کہ اس کے بعد انکل کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور پھر آپ بابا کے ساتھ ان کے گھر جا کر رشتہ طے کر دیجیے گا۔"

"میرا نہیں خیال کہ وہ مانیں گے پھر بھی تم اگر چاہو تو ایک کوشش کر کے دیکھ سکتے ہو ورنہ میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو اپنے دل و دماغ سے نکال کر آس پاس نظر ڈالو دنیا حسین لڑکیوں سے بھری پڑی ہے بلاوجہ اپنا ٹائم ضائع مت کرو۔"

"محبت میں ٹائم ضائع نہیں ہوتا ممی اور نہ ہی محبت ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرتی ہے۔"

"دیکھو بیٹا ہر کہانی کا کوئی نہ کوئی انجام ضرور ہوتا ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ جلد از جلد اپنی محبت کو بھی کسی انجام تک پہنچا دو ورنہ میں نے تمہارے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے اس سے ملو اور اپنا فیصلہ دو۔" سجاول چونک گیا اسے اب سمجھ آیا کہ ممی کی اس ساری گفتگو کا مقصد کیا تھا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم درشہوار کے علاوہ کسی سے شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ حقیقی زندگی اور فلموں میں بڑا فرق ہوتا ہے یہاں حقائق کو سامنے رکھ کر جینا پڑتا ہے خوابوں میں محبوب کے ساتھ زندگی بسر نہیں ہوتی ویسے

بھی فائقہ کا تعلق ایک ایلیٹ کلاس گھرانے سے ہے اس کے والد سینیٹر رہ چکے ہیں اور آج کل ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ اعلیٰ بھی ہیں اور ایسے رشتے سے تمہارے والد کو بہت فائدہ ہوگا لہٰذا اگر محبت نہ ملے تو پھر اپنے اور اپنی فیملی کے فائدے کا سوچو زندگی گزارنی ہے تو پھر من پسند ساتھی نہ سہی فائدہ مند ساتھی چن لو۔“

ممی خالص کاروباری انداز میں اسے سمجھاتے ہوئے بھول گئی تھیں کہ محبت کوئی کاروبار نہیں اور نہ ہی فائدہ مند ساتھی، من پسند کو بھلانے میں کارآمد ہوسکتا ہے، کیونکہ فی الحال اس کے دل میں جو جگہ درشہوار کی تھی وہ کوئی اور نہ لے سکتا تھا مگر یہ بات اس لمحہ ممی کو سمجھانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا اسی لیے وہ خاموشی سے ان کی ساری باتیں سنتا گیا۔

☆......☆......☆

وہ صبح سے کچھ بے چین تھی، رات تایا جی کے گھر سے واپس آ کر اس نے عشاء کی نماز پڑھی تو ایسا لگا جیسے اس کی نماز میں خشوع وخضوع نہیں جو کسی مسلمان کی نماز میں ہونا چاہیے نماز پڑھتے وقت اس کا دل کسی بھی جذبے سے قطعی عاری تھا اور اسی خیال نے اسے بے چینی عطا کردی تھی وہ چاہتی تھی کہ نماز کو صرف فرض سمجھ کر ادا نہ کرے بلکہ نماز میں اللہ کی محبت کا تصور اس کے دل کو گداز کردے ایسی نماز جو اللہ کے نزدیک اسے پسندیدہ بندی بنادے وہ اپنے رب کی عبادت دل وجان سے کرنا چاہتی تھی اس کی محبت میں ڈوب جانا چاہتی تھی جو شاید اتنی آسانی سے ممکن نہ تھا۔ وہ اس کی راہ میں فنا ہونا چاہتی تھی سارا دن اسی سوچ کو اپنے دل ودماغ میں بسائے وہ رات بابا کے گھر آتے ہی ان کے پاس جا پہنچی آج شاید اس کی زندگی کا یہ پہلا دن تھا جب اس نے صبح سے اپنا فون بند کر رکھا تھا اسے پورے چوبیس گھنٹے ہوگئے تھے سجاول سے بات کیے ہوئے مگر اب اس کے دل میں سجاول سے زیادہ اپنے رب کی ناراضگی کا احساس اجاگر ہوچکا تھا اور اس احساس نے باقی سارے احساسات کو ختم کردیا تھا رب کی ناراضگی سجاول کی ناراضگی پر غالب آچکی تھی اور سجاول سے بات کرنے کا خیال تک اس کے دل سے نکل چکا تھا۔ وہ اس وقت جب بابا کے پاس اسٹڈی روم میں پہنچی تو سردار صاحب اسے دیکھتے مسکرا کر بولے۔

”ارے آؤ میرا بچہ میں ابھی تمہیں ہی یاد کررہا تھا۔“

”کیوں بابا خیریت؟“ آہستہ سے کہتی وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔

”بالکل خیریت ہے یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لے کر آیا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے قریب رکھی چابی اس کی جانب بڑھا دی۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ دیکھ چکی تھی کہ بابا کے ہاتھ میں تھمی چابی یقیناً کسی گاڑی کی ہے۔

”بچہ اس دن تم شکایت کررہی تھیں کہ حاشر تمہیں اپنی گاڑی استعمال کرنے کے لیے نہیں دیتا تو میں نے سوچا کیوں نہ اپنی بیٹی کے لیے بھی ایک گاڑی لے لی جائے تمہیں پہلے اس لیے نہ بتایا کہ تمہاری ممی کا ارادہ تمہیں سرپرائز دینے کا تھا۔“

”تھینک یو بابا۔“ درشہوار نے بے دلی سے چابی ان کے ہاتھ سے تھام کر شکریہ ادا کیا جسے فوراً ہی سردار صاحب نے محسوس کرلیا اور اب جب غور کیا تو انہیں درشہوار کچھ پریشان اور الجھی ہوئی محسوس ہوئی۔

”کیا بات ہے دری سب ٹھیک تو ہے ناں۔“ درشہوار کا ہاتھ تھام کر انہوں نے نہایت فکرمندی سے پوچھا۔

”آپ سے ایک بات کرنی تھی بابا لیکن پہلے وعدہ کریں میں جو کہوں اس پر آپ نے انکار نہیں کرنا۔“

”ایسی کیا بات ہوگئی جب کہ تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے آج تک تمہاری کسی جائز بات کو نہیں ٹھکرایا پھر اتنی بے یقینی کی وجہ؟“ انہیں خدشہ لاحق ہوا درشہوار شاید کچھ ایسا کہنے والی ہے جو ان کے لیے ناقابل قبول ہوگا۔

”مجھے نہیں علم بابا میں جو کہنے والی ہوں وہ آپ کے نزدیک درست ہے یا غلط لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ یہ میری زندگی کا ایک بہت ہی درست فیصلہ ہے جو میں

نے بالغ ہونے کی حیثیت سے کیا اور اب ایک باپ ہونے کے ناطے آپ کا فرض ہے کہ مجھے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت دیں۔" وہ آج بڑی مشکل زبان بول رہی تھی سردار صاحب نے دیکھا اس کا سر دوپٹہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ انہیں شدید ترین حیرت ہوئی کہ اپنی بیٹی میں رونما ہونے والی اس نئی تبدیلی کا انہیں اتنی دیر سے احساس کیوں ہوا۔

"تم بولو میں سن رہا ہوں۔" انہوں نے دیکھا درشہوار کے ہونٹ لرز رہے تھے شاید وہ اندر ہی اندر رو رہی تھی۔

"کیا ہم صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان تھے' کیا اسلام صرف نسل در نسل منتقل ہونے کا نام ہے' کیا ہمارے اعمال زیرو اور نام مسلمان ہماری بخشش کروا سکے گا؟" وہ شاکڈ ہوگئے وہ تو کبھی سوچ ہی نہ سکتے تھے کہ درشہوار اس طرح کی گفتگو بھی کرسکتی ہے ایسے سوال پوچھ سکتی ہے جس کا جواب دیتے ہوئے انہیں بھی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"جواب دیں بابا...... بحیثیت مسلمان ہمارا پہلا فرض کیا ہے؟ کیا ایک مسلمان کے لیے اپنے رب کو راضی رکھنا ضروری نہیں؟ پھر کیوں بابا ہم سب کو راضی کرتے ہوئے اپنے رب کو بھول جاتے ہیں۔" انہیں حیرت ہوئی درشہوار زاروقطار رو رہی تھی جب اسی پل فرحین اندر داخل ہوئی اور بیٹی کو اس طرح روتا دیکھ کر ہکابکا رہ گئی۔

"کیا ہوا اسے؟" وہ تیزی سے درشہوار کی جانب بڑھیں۔

"کچھ نہیں۔" سردار صاحب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو بچہ مجھے بتاؤ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں۔" کمرے میں فرحین کی موجودگی کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے وہ درشہوار سے مخاطب ہوئے۔

"میں جاننا چاہتی ہوں ہمارا مذہب کیا ہے؟ اس کے کیا تقاضے ہیں' میں ان پر پورا اترنا چاہتی ہوں' میں دین اسلام کی سچی پیروکار بننا چاہتی ہوں ایسی پیروکار جو اپنے رب سے قریب ہوتا کہ کل مرنے کے بعد داغ دار دامن لے کر اپنے رب کے حضور حاضر نہ ہوں' مجھے ایمان سے خالی نماز ادا نہیں کرنی' میں وہ عبادت کرنا چاہتی ہوں جو مجھے میرے رب سے ہم کلام کردے۔" اس کی باتیں فرحین کے دماغ کو سلگا گئیں وہ ایک پل میں ہی سمجھ گئیں کہ درشہوار کے دماغ میں بھرے اس فتور کے پیچھے یقیناً زرین کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ کل وہاں کسی تقریب میں گئی تھی مگر اس وقت وہ خاموشی سے سننا چاہتی تھیں کہ درشہوار کیا کہنا چاہ رہی ہے یہی وجہ تھی کہ وہ چپ چاپ اپنی جگہ کھڑی رہیں۔

"بابا میں دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے میری خواہش ہے کیا آپ مجھے اس مدرسہ میں داخل کروا دیں جہاں زرین پڑھتی تھی۔"

"واٹ......! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے جو منہ میں آیا بکے چلی جارہی ہو۔" غصہ میں آگے بڑھ کر مما نے زور سے اس کا بازو کھینچا مگر تکلیف یا غصہ کا کوئی بھی تاثر درشہوار کے چہرے پر نہ ابھرا وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"جانتی ہو اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے تمہیں ہاسٹل میں رہنا پڑے گا۔" مما پر توجہ دیے بنا بابا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بتایا۔

"ہاں میں جانتی ہوں کہ وہاں پڑھنے کے لیے رہائش بھی وہیں اختیار کرنا ہوگی سب کچھ دیکھ کر اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہی میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"تو پھر کوئی ایسا دینی ادارہ دیکھ لو جہاں تم صبح جاؤ اور رات میں گھر واپس آجاؤ۔" جانے کیوں سردار صاحب کا دل اسے کہیں اس طرح چھوڑنے پر آمادہ نہ ہورہا تھا۔

"میں نماز فجر سے لے کر عشاء تک دین کی مکمل آگہی چاہتی ہوں' جس کے لیے مجھے مدرسہ میں رہائش اختیار کرنا ضروری ہے' ویسے بھی وہ مدرسہ ہمارے گھر سے دو گھنٹہ کے فاصلے پر ہے جہاں روز آنے اور جانے سے نہ صرف میرا

ٹائم ضائع ہوگا بلکہ تھکن کے باعث شاید میں کچھ سمجھ بھی نہ پاؤں اسی لیے بہتر ہوگا کہ میں وہاں رہ کر تسلی اور سکون سے دینی علم حاصل کرسکوں' وہ علم جس کا حکم ہمیں ہمارے رب اور ہمارے پیارے رسول ﷺ نے دیا ہے۔" سردار صاحب نے دیکھا اپنی بات مکمل کرکے وہ پُرسکون سی ہوگئی تھی شاید اس کے اندر کا اضطراب ختم ہوگیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم تیاری شروع کرو میں اس سلسلے میں عبداللہ اور زرین سے بات کرتا ہوں۔"

"یہ تو بچی ہے اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے پر آپ تو کچھ عقل کریں اس زمانے میں بھلا کون اپنی جوان بچیوں کو مدرسے میں چھوڑتا ہے۔" ممی نے تیزی سے آگے بڑھ کر بابا کو سمجھانا چاہا۔

"درشہوار تمہاری نہیں میری بھی بیٹی ہے اور میں وہی کروں گا جو وہ کہے گی' جو مجھے اس کے حق میں بہتر نظر آئے گا۔"

"مگر سردار صاحب......"

"پلیز فرحین ابھی آپ یہاں سے جائیں مجھے فیصلہ کرنے دیں کہ کیا کرنا ہے۔" ممی سمجھ گئیں کہ بابا ان سے مزید بات نہیں کرنا چاہتے انہوں نے ایک نظر سر جھکائے بیٹھی درشہوار پر ڈالی انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے درشہوار کسی بری نظر کی زد میں آگئی ہے مگر اس وقت ان کی یہ بات کوئی سننے اور سمجھنے کو تیار نہ تھا' لہٰذا مزید کچھ کہنا انہیں بے کار لگا جب ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

درشہوار کا داخلہ دارالعلوم اسلامیہ میں ہوگیا یہ ایک ایسی خبر تھی جس نے سنا اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں' اس نے اپنے فون سے سم نکال دی تھی مگر پھر بھی جانے سے پہلے وہ ایک بار سجاول سے ملنا چاہتی تھی اس سے بات کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ کئی بار رشنا کے ذریعے اسے پیغام بھیج چکا تھا وہ اسے ملنے کے لیے بےتاب تھا جانے کیوں ممی کی طرح اسے بھی یہ یقین تھا کہ درشہوار پر کسی نے کچھ کیا ہے [illegible] ملنے کا سوچ کر آج جب وہ اپنی

آخری شاپنگ کرنے مال آئی تو رشنا نے وہاں سجاول کو بھی بلوالیا تھا' جس کے ساتھ وہ دونوں ایک کیفے میں آگئیں۔

سجاول تو درشہوار کو دیکھ کر ہکابکا رہ گیا اسے یہ یقین کرنے میں ہی کتنا ٹائم لگ گیا کہ سامنے بیٹھی ڈھکی چھپی لڑکی اس کی اپنی درشہوار ہے وہ درشہوار جس کی ڈریسنگ کا وہ دیوانہ تھا جو جدید لباس میں ایسی قیامت لگتی کہ ایک دفعہ دیکھنے کے بعد سجاول کا دل چاہتا کہ دوبارہ جاکر اس سے ملے مگر آج یہ کیا؟ اس کے سامنے بیٹھی لڑکی اتنی تبدیل ہوگئی تھی کہ وہ مارے حیرت کے کئی لمحے بول ہی نہ پایا کالی چادر میں سر سے پاؤں تک خود کو چھپائے میک اپ سے قطعی عاری چہرہ جو بالکل سفید تھا' کاجل سے محروم آنکھیں عجیب ویران سی دکھ رہی تھیں رشنا ان دونوں کو اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گئی جب اس نے درشہوار کو مخاطب کیا۔

"دیکھو دری کسی بھی مسئلے کا یہ حل نہیں ہے کہ ہم دنیا چھوڑ دیں' دنیا سے منہ چھپا کر جینا زندگی نہیں ہے دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھو یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ تم مجھے حاصل نہیں کرسکتیں یقین کرو میں پوری کوشش کررہا ہوں اس سلسلے میں میری عباس سے بھی بات ہوئی ہے مجھے امید ہے کہ وہ بھی میری مدد کرے گا بس تم اپنی یہ فضول سی ضد چھوڑ دو وہی درشہوار بن جاؤ پہلے والی جس سے میں محبت کرتا تھا' ہنس مکھ دل کو چھو لینے والی درشہوار۔" جملہ مکمل کرکے وہ کہنیوں کے بل ٹیبل پر آگے کی جانب جھکا اس نے دیکھا درشہوار نے اپنے دونوں ہاتھ چادر میں چھپا رکھے تھے بےاختیار سجاول کا جی چاہا وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام لے ویسے بھی عام طور پر وہ جب بھی درشہوار سے بات کرتا تھا ہمیشہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں رکھتا تھا مگر آج تو درشہوار بالکل اجنبی بنی ایسے بیٹھی تھی کہ چاہتے ہوئے بھی سجاول اسے نہ چھو سکا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو سجاول میرے اس فیصلے کا تعلق تم سے نہیں ہے۔" اپنی نظریں جھکائے وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ تو میرے رب کی طرف سے عطا کردہ ایک ہدایت ہے جو مجھے زرین کے طفیل ملی اور اب میں اسے کھونا نہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

چاہتی ہاں البتہ یہ ضرور چاہوں گی کہ تم میرا انتظار کرنا اب میں پورے چار سال بعد تم سے ملوں گی یہاں اسی کیفے میں اور ان شاءاللہ اگر تم میرے نصیب میں ہوئے تو میرا تم سے تعلق نامحرم سے محرم میں تبدیل ہوجائے گا مجھے یقین ہے جب میں اپنے رب کی رضا میں ڈھل جاؤں گی تو وہ مجھے میری چاہت سے ضرور نوازے گا کیونکہ یہ میرے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔"

"دیکھو درشہوار چار سال بہت ہوتے ہیں یہاں تو ایک پل کا پتہ نہیں زندگی تو ایک لمحہ میں بدل جاتی ہے اور پھر سوچو ذرا میں کس طرح تمہارے بن یہ چار سال گزاروں گا میرا تو تمہیں دیکھے بنا ایک دن نہیں گزرتا میرے ساتھ ایسا مت کرو میں نہیں رہ پاؤں گا تمہارے بنا۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولا۔

"میں نے اپنا فون بند کردیا ہے کیونکہ مدرسے میں فون استعمال کرنے کی اجازت نہیں اس لیے ان چار سالوں میں میرا تم سے کوئی رابطہ نہ ہوسکے گا ویسے بھی میں نے اپنی زندگی کے بیس سال دنیا کو سمجھنے میں گزار دیئے اب یہ چار سال دین کو سمجھنا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال دی جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دنیا کی محبت کے ساتھ ساتھ میری محبت بھی اپنے دل سے نکال رہی ہو۔" وہ شکوہ کناں ہوا۔

"دلوں میں چھپی محبت ہو یا نفرت آسانی سے نہیں نکلتی' ہوسکے تو میرا انتظار کرلینا ورنہ میں آج تمہیں اپنی طرف سے آزاد کرکے جارہی ہوں' جو نصیب میں ہوئے تو واپس آکر خود تمہیں پالوں گی' ورنہ سمجھوں گی تم میرا مقدر ہی نہ تھے اور جو چیز مقدر میں نہ ہو اس کا شکوہ کرنا بے کار ہے۔" جملہ مکمل کرتے ہی وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ "اللہ حافظ سجاول فی امان اللہ۔"

سجاول اپنی جگہ ساکت بیٹھا رہ گیا اور وہ باہر نکل گئی سجاول کو ایسا محسوس ہوا جیسے آج وہ آخری بار درشہوار کو دیکھ رہا ہو۔ شاید اس کے بعد وہ دوبارہ اسے نہ دیکھ پائے گا' اس احساس کے ساتھ ہی اس کا دل بھر آیا اور آنکھیں نم ہوگئیں۔

☆......☆......☆

"تمہیں پتہ ہے درشہوار نے برقعہ اوڑھ لیا ہے؟" یہ واحد جملہ تھا جو درشہوار کے جانے کے چھ ماہ بعد اس نے ممی سے سنا تھا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"بتانا کس نے ہے میں نے خود دیکھا' جمعہ والے دن میں سردار بھائی کی جانب گئی تھی جب وہ آئی' مجھے تو حیرت ہے کیسے کوئی خود کو اتنا تبدیل کرسکتا ہے وہ تو ایک نئی درشہوار تھی بالکل بدلی ہوئی۔"

"جی......" اس سے زیادہ وہ کچھ کہنے کے قابل نہ تھا۔

"اور ہاں یاد آیا آج تم کہیں مصروف تو نہیں ہو' رات فائقہ کی فیملی ڈنر پر آرہی ہے۔" اسے یاد کرنے میں کچھ وقت لگا اور پھر ایک ہی پل میں یاد بھی آگیا۔

"پلیز ممی آپ بابا کو منع کردیں مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی۔"

"میں تو منع نہیں کرسکتی تم میں اگر ہمت ہے تو منع کردو۔" جانتی تھیں کہ وہ اپنے بابا سے بات کرتے ہوئے آج بھی اتنا ہی ڈرتا ہے جتنا بچپن میں ڈرتا تھا۔

"پلیز ممی......!" اس نے ایک بار پھر التجا کی۔

"دیکھو سجاول تم اچھی طرح جانتے ہو ہم آزاد خیال لوگ ہیں' ہماری پارٹی اور دعوتوں میں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں ایسے میں اب درشہوار ہمارے گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ تمہاری کوئی اور پسند ہو تو بتادو ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔" ممی نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنایا' ویسے بھی وہ ایک بار جو فیصلہ کرلیتیں اس میں دوبارہ ترمیم کرنا ناممکن ہوتا۔

"اس بات کی آپ ٹینشن مت لیں وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور شادی کے بعد جیسے میں چاہوں گا ویسی ہی زندگی وہ گزارے گی۔"

"غلط سوچ ہے تمہاری اب وہ جس ماحول کو اپنا چکی

بہاسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑے گی اس لیے بہتر ہوگا کہ تم اس کا خیال ہی چھوڑ دو اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔" اپنا دوٹوک فیصلہ سناتے ہوئے ممی وہاں سے چلی گئیں جبکہ سجاول کرسی سے ٹیک لگائے جانے کن سوچوں میں گم ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ کی زندگی باہر کی دنیا سے بالکل مختلف تھی' باہر والے اضطراب اور ہلچل سے عاری ایک سادہ اور پُرسکون سی زندگی جہاں کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہ تھا' جہاں ہر بندہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہوئے جی رہا تھا' اپنی دنیا اور اپنی ہی آخرت' دوسروں کی زندگی میں کسی کا کوئی عمل دخل نہ تھا' یہاں کے ماحول نے درشہوار کی شخصیت پر بھی بہت اثر کیا اس کے لہجے کی تیزی' نرمی میں تبدیل ہوگئی اب وہ صرف اپنی نہ کہتی تھی بلکہ دوسروں کی بھی سنتی تھی' یہاں تک کہ چھٹیوں میں جب وہ گھر جاتی اس کا یہ بدلاؤ بھابی اور ممی دونوں کو پریشان کردیتا۔

"جانے میری بچی کو کس کی نظر لگ گئی ہے ہنستی کھیلتی درشہوار تو ستر سالہ بڑھیا لگنے لگی ہے۔" ہر بار اسے اپنی ماں کا یہ تبصرہ سننے کو ملتا اور وہ مسکرا دیتی کیونکہ اب بحث مباحثہ کرنے کی اس کی عادت بھی ختم ہوگئی تھی۔ اس کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا' ایک ایسا ٹھہراؤ جس نے اسے پُرسکون کردیا تھا قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں وہ مزہ اور سکون تھا جو دنیاوی علوم میں نہ تھا اور اسی سکون کے ساتھ اس کی زندگی کے مزید دو سال آگے بڑھ گئے' اس دوران زرین کی شادی ہوگئی جس میں وہ چاہ کر بھی شریک نہ ہوسکی کیونکہ ان دنوں اس کے امتحانات ہورہے تھے' زارا ایک خوب صورت بیٹے کی ماں بن گئی جبکہ رشنا کی گود ابھی تک خالی تھی بقول اس کے فی الحال وہ اولاد کے جھمیلے میں نہ پڑنا چاہتی تھی اور اب جب جب وہ زارا اور رشنا کا موازنہ کرتی ہمیشہ زارا کا پلڑہ ہی بھاری دکھائی دیتا اور اسے حیرت ہوتی رشنا کتنی بے خبری کی زندگی جی رہی ہے' یہی وجہ تھی جو وہ ہر پل رشنا اور ممی کے لیے ہدایت کی دعا کرتی' البتہ سجاول تو

یہ وہ یاد تھی جس سے باوجود کوشش کے وہ دست بردار نہ ہوسکی تنہائی کا جب بھی کوئی لمحہ اسے میسر آتا' وہ سجاول کو ضرور یاد کرتی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ اس کے دل کو بھی اپنی جانب مائل کردے' اس بار وہ کافی عرصہ بعد اپنے گھر آئی تو اسے رشنا کچھ بجھی بجھی سی لگی' ایسے جیسے اس سے کچھ چھپا رہی ہو' مگر چونکہ اب درشہوار کی جستجو کی عادت قدرے کم ہوگئی تھی اس لیے اس نے کریدنا مناسب نہ سمجھا مگر رات تک اسے خود ہی معلوم ہوگیا کہ رشنا کی پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ اس وقت جب وہ رات کسی کتاب کی تلاش میں پاپا کی اسٹڈی میں آئی تو ٹیبل پر موجود ایک نہایت نفیس اور قیمتی کارڈ نے بے اختیار اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ کارڈ ہاتھ میں لے کر اسے کھولتے ہی سامنے جگمگانے والے نام نے جیسے درشہوار کے حواس سلب کرلیے وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ سجاول کی یاد' اس کا پیار بھلا دینا ایک آسان ترین کام ہے' آج اسے پتہ چلا کہ کچھ یادیں اتنی آسانی سے نہیں بھلائی جاسکتیں' کارڈ پر جگمگاتے سجاول الٰہی کے نام کے ساتھ لکھے فائقہ حیات کے نام نے اس کے جسم سے جان ہی کھینچ لی اور وہ خود کو سنبھالتی بمشکل وہیں زمین پر بیٹھ گئی تو سجاول کا کہنا سچ ہوا کہ چار سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے' یہاں تو اس نے دو سال انتظار نہ کیا تو چار سال کیا کرتا؟ اس کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے جب یک دم جانے کیسے اس کے ذہن میں آنے والے اس جملے نے ایک ہی پل میں اسے مضبوطی عطا کردی تھی۔

"پر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔"

تو طے یہ ہوا کہ سجاول اس کے رب کی چاہت نہ تھی اس کا مقدر نہ تھا اور نہ نصیب میں لکھا ہوتا تو اسے ضرور مل جاتا' اور جو چیز نصیب میں نہ ہو اس پر وہی روتے ہیں جو اپنے رب پر یقین نہیں رکھتے ورنہ تو یہ طے ہے کہ جب وہ کسی سے کچھ چھینتا ہے تو اس کا نعم البدل ضرور عطا کرتا ہے جو لی جانے والی شے سے کہیں اعلیٰ ہوتا ہے اس خیال کے ساتھ ہی اس نے اپنے آنسو پونچھے اور اٹھ کھڑی ہوئی جب اسی پل دروازہ کھول کر رشنا اندر داخل ہوئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" کہتے ہوئے وہ رک گئی کیونکہ اسے وہ شادی کارڈ نظر آ گیا تھا جو ابھی بھی درشہوار کے ہاتھ میں تھا۔

"اوہ...... تو تمہیں پتہ چل ہی گیا۔" بات کرتے ہوئے رشنا نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوگئی۔

"ظاہر ہے یہ کوئی ایسی خبر نہ تھی جسے آپ مجھ سے چھپانے کی کوشش میں کامیاب ہوجاتیں۔" ہاتھ میں پکڑا کارڈ سامنے موجود ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بالکل عام سے انداز میں بولی' کچھ دیر قبل دل میں پیدا ہونے والے جذبات واحساسات بالکل ختم ہوچکے تھے۔

"آپ لوگ شادی میں گئے تھے؟"

"ہاں بظاہر تو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے سجاول اس شادی پر خوش نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے تمہاری یاد میں رو بھی رہا تھا مگر پھر......" اتنا کہہ کر رشنا خاموش ہوگئی۔

"پھر کیا......؟" درشہوار ساری بات جلد از جلد سننا چاہتی تھی۔

"پھر یہ کہ آج کل وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنی مون کے لیے بنکاک گیا ہوا ہے۔" درشہوار نے محسوس کیا کہ رشنا کے لہجے میں ہلکا سا غصہ آ گیا جس کا سبب یقیناً درشہوار کی ذات تھی لیکن وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"یہ تو اچھی بات ہے کیونکہ اس سارے قصے میں اس انجان لڑکی کا کوئی قصور نہیں جو مسز سجاول بن کر ان کے گھر آئی ہے اور مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر کہ وہ ایک اچھے مسلمان مرد کی طرح اپنی بیوی کے حقوق پورے کررہا ہے ورنہ جو میری آڑ میں وہ اس کی حق تلفی کرتا تو شاید اس گناہ پر میں خود کو ساری زندگی معاف نہ کرسکتی۔"

"کیا ہوگیا ہے تمہیں درشہوار...... کیوں ہر دم اتنا ایب نارمل ری ایکٹ کرنے لگی ہو۔" رشنا کو اس کی دماغی حالت پر شک ہوا وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ سجاول کی بے وفائی درشہوار کو توڑ کر رکھ دے گی' اسے اس طرح مطمئن دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"یہ ایب نارمل رویہ نہیں ہے بھابی ایک سیدھی اور اصول کی بات ہے جو سجاول کا مقدر تھا وہ اسے مل گیا اگر وہ میرا ہوتا تو کسی فائقہ کا نصیب نہ بنتا کیونکہ کوئی کسی کا نصیب نہیں چھین سکتا اور ایک بات بتاؤں آپ کو۔" وہ ایک پل سانس لینے کو رکی۔

"اگر ہم انسان یہ چھوٹی سی بات سمجھ جائیں ناں تو زندگی قدرے آسان ہوجائے اور یہ چھینا جھپٹی ختم ہوجائے۔" اپنی بات مکمل کرکے وہ اسٹڈی سے باہر نکل گئی جبکہ اپنی جگہ کھڑی رشنا نے اسے جاتا دیکھا اور خود بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئی جو بھی تھا اسے خوشی ہوئی کہ سجاول کے اس رویے نے درشہوار کو زندگی سے مایوس نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

تمام تر کوشش کے باوجود سجاول اپنے دل ودماغ سے درشہوار کی یاد کو نکالنے میں ناکام رہا تھا' عجیب بات تو یہ تھی کہ وہ جب تک فائقہ کے ساتھ ہوتا درشہوار کو بھول جاتا مگر جیسے ہی تنہائی میسر آتی فائقہ کہیں دور جا کھڑی ہوتی اور اس کی جگہ درشہوار لے لیتی۔ اس کا دل چاہتا وہ درشہوار سے بات کرے وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا' سننا چاہتا تھا مگر کیسے؟ اس نے تو اپنی طرف آنے والا ہر راستہ بند کردیا تھا اور یہی بند راستے اسے اپنی منزل سے دور لے گئے تھے' اس کی منزل تو سجاول تھا' جو کسی اور مسافر کا حق ٹھہرا تھا اور وہ خود شاید ابھی تک کہیں راہوں میں بھٹک رہی تھی اور یہی سوچ سجاول کو اکثر بے چین کردیتی اور جب وہ بے چین ہوتا تو رشنا کو فون کرکے درخواست کرتا کہ اس بار جب درشہوار گھر آئے تو صرف ایک بار اس سے بات کرنے' مگر ہر بار وعدہ کے باوجود رشنا کبھی بھی اس کی دری سے بات نہ کرواپاتی۔

کیونکہ وہ خود بھی جان چکی تھی کہ اب درشہوار نے شاید سجاول سے کبھی بات نہیں کرنی اسی بنا پر وہ اسے سجاول کا کوئی پیغام نہ دیتی تھی جبکہ دوسری جانب سجاول ہر دم اس کی طرف سے آنے والے کسی پیغام کا منتظر رہتا' وہ سجاول جسے فائقہ کی صورت میں اپنی منزل مل گئی تھی آج بھی بے چین تھا اور وہ درشہوار جو سجاول کو کھوچکی تھی اس کے باوجود مطمئن

تھی تو یقیناً دونوں میں یہ واضح فرق یقین اور بھروسہ کا تھا وہ بھروسہ جو دری کو اپنے رب پر تھا' وہ بھروسہ شاید سجاول کو آج تک حاصل نہ ہوا جس کے سبب بے چینی اس کا مقدر ٹھہری اور وہ سب کچھ حاصل کر کے بھی مایوس تھا۔

☆......☆......☆

درشہوار واپس آ گئی ایک بالکل بدلی ہوئی زندگی کے ساتھ' اسے اپنے بابا کی آنکھوں میں دکھائی دینے والے فخر اور خوشی نے سرخرو کر دیا تھا جبکہ ممی کا رویہ ابھی تک اس کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا اس فیصلہ کے بعد ہوا تھا' تایا جی اور تائی ماں کے ساتھ عبداللہ' زارا اور زرین سب بہت خوش تھے کہ اس نے اپنی آخرت سنوار لی تھی۔ سب کے لیے یہ خوشی کی بات تھی۔

گھر آتے ہی بہت ساری خبریں بھی اس کی منتظر تھیں' زرین ایک بیٹی کی ماں بن گئی تھی جبکہ زارا کچھ دنوں سے دل کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ پریگنینٹ بھی تھی' اس کی یہ کیفیت خطرے کا سبب تھی کہ اس کا بلڈ پریشر کنٹرول نہیں ہو رہا تھا اور اسی سبب عبداللہ بہت پریشان تھا' اپنی بیوی کے لیے' عبداللہ کی یہ پریشانی درشہوار کو بہت اچھی لگی ان دو خبروں کے ساتھ ایک تیسری بڑی خبر بھی اس کی منتظر تھی' حاشر اپنی کلاس فیلو زرغونہ کو پسند کرنے لگا تھا' جس کا تعلق غیر ذات و برداری سے تھا اور اسی بات کو لے کر بابا سخت ناراض تھے جبکہ ان کی ناراضگی کے باوجود حاشر اپنی پسند سے دست بردار ہونے پر قطعی آمادہ نہ تھا۔

"اگر بابا نہ مانے تو میں گھر چھوڑ دوں گا۔" اس کے الفاظ درشہوار کو حیران کر گئے تھے۔

"ایک لڑکی کی خاطر تم اپنے بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ جاؤ گے؟ یہ کیسی محبت ہے حاشر جو تمہیں بغاوت پر اکسا رہی ہے؟"

"یہ بغاوت محبت کی خاطر نہیں ہے شہوار' یہ بغاوت ان نظریات کے خلاف ہے جنہیں بنیاد بنا کر ہمیں ہماری خوشیوں سے محروم کیا جا رہا ہے' سوچو ذرا اس ترقی یافتہ دور میں ہم آج بھی چودہ سو سال پیچھے ہیں' جہاں انسانیت پر ذات برادری کو ترجیح دی جاتی تھی' کیا فائدہ ہمارے مسلمان ہونے کا جب ہمیں دین ہی کی سوجھ بوجھ نہ ہو۔" اس کے الفاظ شہوار کو آئینہ دکھا گئے۔

"تم انتظار کرو میں بابا سے بات کرتی ہوں' اللہ ضرور بہتری کی کوئی سبیل نکالے گا۔"

"کوئی فائدہ نہیں میں انہیں ہر طرح سمجھا کر تھک گیا ہوں مگر ان کی سمجھ میں میری کوئی بات نہیں آ رہی۔"

"ہو سکتا ہے میرے سمجھانے سے سمجھ جائیں' تم مجھے ایک موقع تو دو۔" حاشر کو یقین دہانی کروا کے وہ بابا کی جانب آ گئی' وہ درشہوار جو اپنی محبت کے معاملے میں کمزور پڑ گئی تھی بھائی کی محبت نے اسے مضبوط کر دیا یا شاید حاشر کے الفاظ نے اسے اپنے باپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"ذات برادری کے علاوہ اس لڑکی کا گھرانہ ہمارے معیار کا نہیں۔" بابا کے نزدیک شادی کی ایک دوسری وجہ آج اسے پتہ چلی کہ رشتہ جوڑنے کے لیے ذات برادری کے علاوہ معیار بھی دیکھا جاتا ہے۔

"اگر آپ کے نزدیک اہمیت صرف معیار کی ہے تو ایک بات پوچھوں بابا؟" کئی سالوں سے دل میں دبا ایک شکوہ اس کے لبوں کو چھونے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"ضرور پوچھو......"

"سجاول تو ہمارے معیار کا تھا پھر آپ نے ذات برادری کو بنیاد بنا کر انکل الٰہی کو انکار کیوں کیا؟"

"سجاول......" بابا ایک دم چونکے۔

"تو کیا اس رشتے میں تمہاری منشاء شامل تھی؟" جواب سے پہلے انہوں نے اپنا سوال کر دیا۔

"اگر ایسا تھا تو تمہیں یہ بات مجھے پہلے بتانا چاہیے تھی۔" وہ ایک دم پریشان ہو گئے۔

"پھر کیا ہوتا کیا آپ ذات والی شرط ختم کر دیتے؟"

"شاید ہاں۔" درشہوار نے چونک کر اپنے باپ کے جھکے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں پچھتاوے کی گہری لہر تھی۔

"بیٹا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں میری بچی' میں تمہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کبھی تہی دست نہیں دیکھ سکتا اب یہ احساس مجھے مار ڈالے گا کہ میں نے اپنی بیٹی سے وہ چھین لیا جسے وہ اپنانا چاہتی تھی۔"

"آپ اس بات کو لے کر پریشان مت ہوں بابا سجاول اگر میرا نصیب ہوتا تو مجھے ضرور ملتا وہ فائقہ کا مقدر تھا اسی کو مبارک ہو مجھے کسی سے کوئی گلہ یا شکوہ نہیں۔" اس نے سردار صاحب کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگاتے ہوئے انہیں یقین دلایا۔

"جو گزر چکا ہے اس کا ذکر بے کار ہے بات اس کی کریں جو ابھی موجود ہے حاشر زرغونہ سے بے حد محبت کرتا ہے اسے اس کی محبت سے دور مت کریں۔"

"لیکن زرغونہ کا باپ ایک کریانہ کی دکان چلاتا ہے لوگ کیا کہیں گے کہ سردار عبدالرب کا سمدھی ایک دکان دار ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔" انہوں نے اپنی گردن انکار میں ہلائی۔

"ذات پات' برادری' خاندان' معیار یہ سب غیر مسلموں کے ہتھیار ہیں ایک مسلمان رشتہ کرتے وقت صرف تقویٰ اور دین داری دیکھتا ہے وہ آپ دیکھیں اور اگر آپ کو ایسا لگے کہ زرغونہ کا گھرانہ دین سے دور ہے تو پھر بے شک انکار کردیں' مگر ان بلاوجہ کی باتوں کو لے کر اپنے بچے کی خوشیاں خراب مت کریں۔"

اور پھر اس کی باتوں میں جانے ایسا کیا سحر تھا کہ سردار صاحب جیسا سخت مزاج بندہ مان گیا اور حاشر کا زرغونہ سے نکاح طے کردیا گیا' اس خاندان میں اتنے سالوں بعد رونما ہونے والی یہ پہلی تبدیلی تھی جس نے سب کو حیران کردیا یہ شاید حاشر کی نیک نیتی کا صلہ تھا جو اسے زرغونہ کی شکل میں مل گیا تھا۔

☆......☆......☆

"آپ اسے منع کردیں بھابی میں اس سے نہیں مل سکتی کیونکہ اس طرح میں غیر ارادی طور پر فائقہ کی حق تلفی کا سبب بن جاؤں گی اور ویسے بھی ہمارے دین میں غیر مرد سے ملنے کی اجازت نہیں۔" رشنا کی بات سن کر وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولی۔

"صرف ایک بار مل لو شہوار وہ بہت پریشان ہے وہ تمہارے لیے اپنے دل میں شرمندگی محسوس کررہا ہے وہ سمجھ رہا ہے کہ تمہارا دل دکھانے کے باعث آج تک اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہے۔"

"اوہ...." اب ساری بات درشہوار کی سمجھ میں آئی۔

"آپ اس سے کہہ دیں کہ میں نے معاف کردیا اب اپنے حق میں وہ اللہ سے معافی طلب کرے کیونکہ وہی ہے جو اسے اولاد جیسی نعمت سے نواز سکتا ہے۔"

"پھر بھی اگر ہوسکے تو ایک بار اس سے مل لو شاید اس طرح اسے سکون قلب مل جائے۔"

"لیکن وہ تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہا ہے تو پھر بے سکونی کس بات کی؟"

"پتہ نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اکثر اوقات ہر طرح کے سکھ کے باوجود کہیں نہ کہیں کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جو بے سکونی کی پھانس بن کر ہمارے دلوں میں ترازو ہوجاتا ہے۔"

"میں اتنا فلسفہ نہیں جانتی بھابی پھر بھی آپ اگر کہتی ہیں تو میں ایک بار سجاول سے ملنے کے لیے تیار ہوں مگر صرف آخری بار اس کے بعد وہ مجھے کوئی پیغام نہ بھیجے۔"

"ٹھیک ہے۔" رشنا کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ سجاول سے ملنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

"زارا مرگئی۔" یہ ایک ایسی خبر تھی جس نے ہر اس شخص کو غم سے نڈھال کردیا جو اس سے وابستہ تھا' زارا کی جوان موت نے سب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا' سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ تھی کہ اس کی موت ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دینے کے بعد واقع ہوئی' ایک ایسی بچی جس نے آنکھ کھولتے ہی دنیا بنا ماں کے دیکھی' زارا کے دکھ میں اس کی بیٹی کسی کو بھی یاد نہ تھی جسے درشہوار نے آگے بڑھ کر سنبھالا اور تین دن بنا جتائے اس کی بچی کی ذمہ داری اس طرح اٹھائی کہ شاید اسے احساس بھی نہ ہوا کہ اس کی گود میں نہیں ہے

لیکن تین دن بعد جب وہ گھر واپس آئی تو عبداللہ کے لیے اکیلے بچی سنبھالنا مشکل ہوگیا جبکہ زرین بھی واپس جاچکی تھی اور رہ گئیں تائی ماں تو وہ پہلے ہی جوڑوں کے درد میں مبتلا ہونے کے باعث چلنے پھرنے سے قاصر تھیں تو بھلا بچی کیسے سنبھالتیں۔

"اس سے تو اچھا تھا بچی بھی ماں کے ساتھ ہی مر جاتی، اب اس بیچاری کو کون سنبھالے گا عبداللہ کے لیے تو پہلے ہی بیٹا سنبھالنا قدرے مشکل ہورہا ہے حالانکہ وہ تو ماشاء اللہ چار سال کا ہونے والا ہے۔" رشنا کے اظہار افسوس کرنے کا اپنا ہی طریقہ تھا جو درشہوار کو ذرا اچھا نہ لگا۔

"توبہ کریں بھابی ہم کون ہوتے ہیں پیدا ہوئی بچی کی موت کی دعا کرنے والے، جس نے دی ہے وہ ہی اس کی پرورش بھی کرے گا۔"

"پرورش کرنے کے لیے زمین پر کسی کا ہونا ضروری ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی رشنا کا انداز طنزیہ ہوگیا جسے محسوس کرکے درشہوار خاموش ہوگئی کیونکہ وہ اس سلسلے میں مزید بحث کرکے بات کو طول نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

سجاول کو یقین ہی نہ آیا کہ اس کے سامنے موجود ہستی درشہوار ہے، کالے برقعے میں اس طرح لپٹی کہ صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں، وہ جو الفاظ کا ذخیرہ جمع کرکے آیا تھا اس کے سامنے بیٹھتے ہی جیسے سب بھول گیا، ذہن بالکل خالی ہوگیا بولا تو صرف یہ۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں شہوار تمہارا انتظار نہ کرسکا، تم تو جانتی ہو بابا جان ایک سیاسی آدمی ہیں اور اپنی سیاست چمکانے کے لیے انہیں فائقہ کے والد کی خدمات درکار تھیں جس کے لیے مجھے استعمال کیا گیا اور میں چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کرسکا، وجہ تم تھیں کیونکہ تم میری دسترس سے دور جاچکی تھیں اگر تم یہاں ہوتیں تو میں شاید کچھ کوشش کرتا مگر......"

"کوئی بات نہیں سجاول مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، یہ سب کچھ اسی طرح ہونا تھا لہٰذا ہوگیا اب اپنے دماغ کو فضول باتوں میں مت الجھاؤ، اللہ کی رضا میں راضی ہوجاؤ، سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ نہایت اطمینان سے بولی اور سجاول جو یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی جدائی نے درشہوار کو توڑ کر رکھ دیا ہوگا اسے اس طرح مطمئن اور آسودہ دیکھ کر حیران رہ گیا، وہ تو یہاں درشہوار کے آنسو پونچھنے آیا تھا مگر صورت حال اس کے تصور سے بالکل مختلف لگی وہ تو اسے پہلے سے بھی مضبوط دکھائی دی۔

"تم سے ایک درخواست کرنی تھی شہوار اگر قبول کرسکو تو......" کچھ نہیں بولی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے اپنا فون نمبر دے دو یقین جانو تنگ نہیں کروں گا۔" اس کے لہجے میں بے چارگی سی در آئی۔ "بس اتنی اجازت دے دو جب کبھی ڈپریشن میں تمہاری یاد ستائے تو تمہیں ایک میسج یا فون کرلوں۔" درشہوار اس کی بات سن کر ذرا سا مسکرادی۔

"ڈپریشن آج کے دور کے ہر ایسے انسان کا مسئلہ ہے جو اپنے رب سے دور ہے مجھے میسج یا فون کرنے سے زیادہ اچھا نہ ہوگا کہ تم نماز پڑھو اور اللہ کی عبادت میں دل لگاؤ یقین جانو تمہارے سارے مسئلے حل ہوجائیں گے اور ادھوری زندگی مت جیو میرا خیال اپنے دماغ سے نکال کر صرف فائقہ کے ہوجاؤ۔"

"یہ سب تمہارے لیے بہت آسان ہوگا میرے لیے نہیں۔"

"اگر میرے لیے آسان ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح شادی کرکے خوشحال زندگی گزار رہی ہوتی۔" آہستہ سے کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کی بات نے سجاول کو لاجواب کردیا۔

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں تم سے دوبارہ کبھی رابطہ کرسکوں۔"

"نہیں کیونکہ میں دو کشتیوں میں سوار زندگی نہیں گزار سکتی، میرا عقیدہ ہے جو نہیں ملا وہ نصیب نہ تھا اور جو نصیب میں ہے وہ ضرور ملے گا اس لیے اللہ نے ہمیں صبر اور شکر کا حکم دیا ہے کیونکہ دنیا میں سب کچھ ہماری مرضی سے نہیں

ہوتا۔" دھیمے سے جواب دیتی وہ باہر نکل گئی جاتے وقت کوئی سلام نہ دعا یہاں تک کہ اللہ حافظ بھی نہ کہا' چار سال قبل اس کیفے میں بیٹھے سجاول کو جو یہ احساس ہوا تھا کہ اس نے درشہوار کو کھو دیا آج اس کا یہ احساس یقین میں بدل گیا واقعی اس نے درشہوار کو کھو دیا تھا۔

☆......☆......☆

عبداللہ اپنی بیٹی مریم کو لے کر بہت پریشان تھا' کبھی وہ بچی زرین لے جاتی اور کبھی وہ اسے درشہوار کے پاس چھوڑ جاتا مگر یہ مستقل حل نہ تھا اس لیے تایا جی چاہتے تھے کہ وہ عقد کرلے جس کے لیے فی الحال عبداللہ تیار نہ تھا کیونکہ وہ اتنی جلدی زارا کی یاد کو خود سے جدا نہ کرسکتا تھا اور دوسری جانب وہ اپنے بچے کسی سوتیلی ماں کے حوالے کرنے کے حق میں بھی نہ تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کب تک چلے گا؟" صبح سے آئی مریم کے رونے دھونے نے ممی کو بھی پریشان کردیا تھا۔

"آج اس کی طبیعت خراب ہے ممی اس لیے رو رہی ہے ورنہ عام طور پر تو یہ بڑی صابر بچی ہے۔" درشہوار نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں آج کی بات نہیں کررہی ہمیشہ کے لیے بات کررہی ہوں' آخر یہ سب ایسے کب تک چلے گا' تین ماہ ہوگئے زارا کو...... عبداللہ کو چاہیے اب دوسری شادی کرلے اپنا نہ سہی اپنے بچوں کا ہی کچھ احساس کرنا چاہیے اسے۔"

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں مگر یہ سب ان کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔" شہوار نے آہستہ سے جواب دے کر مریم کو گود میں اٹھالیا' جو اس کی گود میں آتے ہی بالکل خاموش ہوگئی تھی۔

"آپ نے دیکھا ممی میری گود میں آتے ہی یہ کس طرح خاموش ہوجاتی ہے۔" پیار سے مریم کی کمر سہلاتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"ظاہر ہے بچوں کے نزدیک تو ماں وہی ہوتی ہے جس کی گود کی گرمائش اسے پیار کا احساس دلائے اور اس غریب نے تو آنکھ کھولتے ہی تمہیں ہی دیکھا اور تمہارے لمس کو محسوس کیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مجھے اپنی ماں سمجھ رہی ہے۔" درشہوار نے حیرت سے انہیں تکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔" جواب دے کر ممی باہر نکل گئیں مگر درشہوار کے لیے سوچ کا ایک نیا در کھول گئیں یہ احساس کہ مریم اسے اپنی ماں سمجھ رہی ہے، بہت عجیب ضرور لگا مگر برا نہیں۔

☆......☆......☆

درشہوار کی زندگی شاید ایسی تبدیلیوں کا نام تھی جو دوسروں کو چونکانے کے لیے ہوتی ہیں مدرسہ اور عالمہ کے بعد ایک اور نئی تبدیلی اس وقت آئی جب اس نے زرین سے عبداللہ کے رشتہ کے لیے ہاں کی' یہ ایک شام کی بات تھی جب زرین اس سے ملنے آئی تھی وہ جب سے آئی تھی عبداللہ کی زندگی میں آنے والی مشکلات کا ہی ذکر کررہی تھی جب وہ اچانک بولی۔

"میری بڑی خواہش تھی شہوار کہ تمہیں اپنی بھابی بناتی مگر پہلے یہ اس لیے ممکن نہ تھا کہ تم عبداللہ کی شرعی خواہش پر پوری نہ اترتی تھیں۔" صاف گوئی سے کہتی وہ اسے دیکھ کر مسکرادی۔

"اور اب جب یہ ممکن ہوا تو عبداللہ دو بچوں کا باپ بن گیا اور اب چاہتے ہوئے بھی میں اپنی اس خواہش کا اظہار تم سے نہیں کرسکتی۔"

"کیوں کیا عبداللہ بھائی دوسری شادی پر راضی ہوگئے ہیں؟" زرین کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"ہاں اور ظاہر ہے وہ اس طرح زندگی کب تک گزار سکیں گے دوسری شادی تو کرنی ہی ہے اور اس کی اجازت تو ہمارے مذہب نے بھی دی ہے۔"

"تو پھر تم تایا جی سے بات کرلو میں عبداللہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں اور یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی کہ میں دو ایسے بچوں کو سہارا دوں جو بچپن میں ہی اپنی ماں کی شفقت سے محروم ہوگئے۔"

"سوچ لو درشہوار یہ بہت مشکل عمل ہے۔"

"اللہ کا ساتھ ہو تو ہر مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔"
کہنے کو تو اس نے کہہ دیا مگر یہ سب اتنا آسان نہ تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا اس کا فیصلہ سنتے ہی گھر کا ہر فرد اس کی مخالفت کے لیے آن کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جانتی ہو عبداللہ تم سے پانچ سال بڑا ایک شادی شدہ مرد اور دو بچوں کا باپ بھی۔"

"میں یہ سب جانتی ہوں جو آپ مجھے بتا رہی ہیں۔" اس نے ممی کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"جو بھی ہے میں تمہیں کبھی بھی عبداللہ سے شادی کی اجازت نہ دوں گی۔" ممی نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا اور وہ خاموش ہو گئی لیکن اسی شام رشنا نے اس سے ایک ایسی بات کی جسے سن کر وہ بالکل ششدر رہ گئی۔

"سجاول کا فون آیا تھا...... وہ تم سے دوسری شادی کرنے کا خواہش مند ہے اس سلسلے میں اس نے اپنی ممی سے بات بھی کی ہے جبکہ فائقہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔" شادی کے تین سال بعد ہی وہ اولاد نہ ہونے سے اس قدر مایوس ہو گیا کہ بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی پر تیار ہے؟ سجاول کی جانب سے ملنے والے پیغام نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو اس کی وجہ اولاد نہیں بلکہ تمہاری محبت ہے جو وہ بھلا نہیں پا رہا۔"

"آپ اسے منع کر دیں کیونکہ میں عبداللہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے مریم سے محبت ہو گئی ہے بالکل ویسی محبت جو ایک ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے اور اب میں اس بچی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"بیوقوفی مت کرو دُرِشہوار تم جوان اور خوب صورت ہو تمہارے لیے رشتوں کی کمی نہیں بلاوجہ ایسے مرد سے شادی مت کرو جو پہلے ہی دو حصوں میں بٹا ہوا ایک طرف زارا کی محبت اور دوسری طرف اس کے بچے۔"

"جو محبت میرے نصیب میں ہو گی وہ مجھے ضرور ملے گی اور زارا کی موت کے بعد بھی اگر عبداللہ اس سے محبت کرتا ہے تو یقیناً [illegible]

ہوں۔"

"تمہاری تو ہر بات ہی نرالی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔" غصہ سے جواب دے کر رشنا باہر نکل گئی مگر چند ہی ماہ بعد عبداللہ اور دُرِشہوار کا رشتہ اس طرح طے ہوا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ممی کو ہاں کرنا پڑی کیونکہ مریم دُرِشہوار کی جدائی میں اتنی بیمار ہوئی کہ بمشکل اسے بچایا جا سکا' ان حالات کو دیکھتے ہوئے بہتر سمجھا گیا کہ عبداللہ اور دُرِشہوار کی شادی کر دی جائے اور اس طرح وہ مسز عبداللہ بن کر اس شخص کے آنگن میں آ گئی جس سے اسے کبھی محبت نہ ہوئی تھی سوائے اس کے کہ وہ اس کی خوب صورتی سے متاثر تھی مگر یہ نہ سوچا تھا کہ یہ شخص اس کی زندگی کا مالک و مختار بنا دیا جائے گا' تو سچ یہ ہوا کہ اللہ ہمارے لیے ہمیشہ وہی فیصلہ کرتا ہے جو ہمارے حق میں بہترین ثابت ہو' جس کا احساس مریم کے ساتھ ساتھ عبداللہ اور شہروز کی محبت نے اسے دلایا' اتنی محبت اور خوشیاں اس کا مقدر بنیں کہ وہ سب کچھ بھول گئی' اسے یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ مریم اور شہروز کی ماں ہے اور شاید اسے اللہ نے بہت پہلے اس لیے چن لیا تھا۔

اس کے مقدر میں تو عبداللہ جیسا نیک شخص لکھا تھا پھر بھلا کیسے وہ سجاول کی ہوتی' بے شک میرے رب کے فیصلے بہترین ہوتے ہیں جو ہم نہیں جان پاتے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

قسط نمبر 16

شب روز تیری چاہ میں

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شقران اپنے گھر میں رجاب کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اس کے چہرے پر زخم کے نشان موجود ہوتے ہیں جو شیزان نے ہی دیئے ہوتے ہیں جب ہی وہ گھر سے بھاگ جاتا ہے اور فون کرتے رجا سے رجاب کی تصویر واٹس ایپ پر منگواتا ہے۔ دراج کا ہاسٹل میں دل نہیں لگ رہا ہوتا ہے تب وہ اپارٹمنٹ آ جاتی ہے لیکن عرش کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے جو شہرام کے گھر میں داخل ہو رہا ہوتا ہے دراج اس کے وہاں سے جانے کا انتظار کرتی ہے اور اس کے جاتے ہی شہرام کے پاس پہنچ کر اسے زنائشہ کے حوالے سے بتا کر عرش کے خلاف محاذ کھڑا کر دیتی ہے۔ زنائشہ اب عرش کے ساتھ کو قبول کر گئی تھی جو حادثات عرش کے ساتھ پیش آئے تھے ان پر یقین کرتی دراج کو بھی اس حوالے سے بتانا چاہتی ہے عرش کے سوا اس کا ویسے بھی اس دنیا میں سہارا موجود نہیں ہوتا ایک مضبوط رشتہ اس کا عرش سے ہی ہوتا ہے دراج بھی اس کا ساتھ اس وقت تک دیتی جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی یہ بات زنائشہ سمجھ گئی تھی۔ شقران عرش کو ساری صورت حال بتا کر حیران کر دیتا ہے اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں رجاب شہرام کو کچھ نہ بتا دے اور اسی خوف میں گھر اوہ عرش کے پاس مدد کے لیے آتا ہے عرش اسے حالات کا سامنا کرنے کا کہتا ہے۔ دراج عرش کے گھر پہنچ کر ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے شہرام کو عرش سے اس حرکت کی امید نہیں ہوتی ہے وہ غصہ میں آ کر عرش اور زنائشہ کو اپنے ساتھ گھر لے آتے ہیں دراج عرش کو اپنے عتاب کا نشانہ بناتی زنائشہ کو ساتھ لے جانے کی بات کرتی ہے جبکہ دوسری طرف زنائشہ خاموش رہتی معاملے کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے شہرام کا غصہ زنائشہ پر ہوتا ہے جس پر عرش بے جا صفائیاں پیش کرتا شہرام کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے تب شہرام اسے گھر سے نکال دیتا ہے دراج کو بھی زرکاش غصہ میں وہاں سے لے جاتا ہے۔ سحر شہرام کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے اس کی نظر میں زنائشہ عرش کی بیوی تھی اور اب اسے اس کے ساتھ ہی رہنا تھا یہ بات فی الحال شہرام سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ رجاب کو اب اپنا مقصد پورا ہوتا محسوس ہوتا ہے جس شخص نے اس کے چہرے کو داغدار کیا تھا وہ اب اس کے سامنے آ گیا تھا وہ زرق کو ساری حقیقت بتاتی ہے لیکن انتقام لینے والی بات وہ حذف کر جاتی ہے۔ دراج زرکاش سے زنائشہ کی خبر لینے اور اسے ساتھ لانے کی بات کرتی ہے زرکاش غصہ میں اسے زنائشہ کے متعلق بات کرنے سے منع کر دیتا ہے اور جلد ہی اپنے گھر والوں سے شادی کی بات کرنے کا کہتا ہے۔ دوسری طرف شقران عرش کو گھر کے تمام حالات بتا کر پریشان کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❋......❋......❋......❋

لان میں بکھری رات کے گہرے سناٹے اردگرد ہی نہیں اس کے اندر بھی بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ دراج کی کھلکھلاہٹیں اس کی بے ساختگی شوخیاں اس کے چہرے کی رعنائیاں کچھ بھی تو ان سناٹوں کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ اتنے محبت کرنے والے رشتوں کو ناراض کر کے آخر کس طرح وہ دراج کے ساتھ اپنی زندگی کا آغاز کر سکے گا؟

آخر کیسے وہ ان سب کے دل سے دراج کی نفرت کو مٹا سکے گا؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا آگے بڑھنے کا کوئی راستہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ زندگی میں کہیں نہ کہیں پہنچ کر انسان صرف اپنے لیے بھی جینا چاہتا ہے۔ اپنی ذات اپنی خوشیوں اور ارمانوں کو سب سے آگے رکھنا چاہتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔ زندگی کے ان گنت قیمتی سال خود سے بندھے رشتوں کی امیدوں پر کھرا اترتے اترتے کم از کم اب وہ بھی اپنا یہ حق استعمال کرنا چاہتا تھا مگر نفرتیں اور عداوتیں مول لے کر نہیں۔ اپنا حق استعمال کرنے کے لیے اسے کتنے دشوار گزار راستے سے گزرنا ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی اس کا چین سکون ختم ہو جاتا تھا۔ گہری خاموشی کو فون کی آواز نے یک دم توڑ کر اسے بھی سوچوں سے نکالا تھا۔

''سوری...... میں کچن میں کافی بنا رہی تھی اور فون کمرے میں ہی تھا۔ اس لیے کال ریسیو نہ کر سکی۔'' دراج کی آواز ابھری تھی۔

''اتنی رات میں تم کمرے سے باہر کیسے ہو سب جاگ رہے ہیں کیا؟''

''نہیں بس میں اور اسد بھائی ہی جاگ رہے ہیں وہ بے چارے تو کافی دیر سے امان بھائی کا PC ٹھیک کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور مجھ بے چاری کا تو آپ کو پتہ ہی ہے۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔

''دراج...... رات کے اس پہر تمہیں کمرے تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ میں جانتا ہوں وہاں سب تمہارے اپنے ہیں مگر پھر بھی تمہیں وہاں سب سے اور خاص طور پر اسد سے اپنے رشتے کی نزاکت کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔''

''اب تو یہ رشتہ اتنا پرانا ہو گیا ہے اور کتنا خیال رکھوں نزاکتوں کا؟ ایک تو آپ کی ان ہی باتوں کی وجہ سے میں کبھی اسد بھائی سے بے تکلف ہی نہ ہو سکی۔ ایک ہی تو بہنوئی ہیں میرے۔ اتنے معصوم سے......اور پھر میں ان کی آدھی گھر والی بھی تو ہوں۔ کیا ہو گیا اگر میں نے ان سے کافی کا پوچھ لیا تو......''

''بے کار بات نہ کیا کرو۔'' زرکاش کے ناگوار لہجے پر وہ کھلکھلائی۔

''آپ کیوں جل رہے ہیں اسد بھائی سے' آپ کی تو پوری گھر والی بنوں گی پھر صبح شام آپ کے لیے کافی بناؤں گی کیا یاد کریں گے۔'' وہ شرارت سے بولتی اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔ ''اچھا یہ بتائیں سب خیریت تو ہے؟''

''سچ بتاؤں...... اس وقت شدت سے تمہاری یاد آ رہی تھی۔ تمہاری آواز سننا چاہتا تھا سو کال کی۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا جو دراج کو چونکا گیا۔

''دراج...... میں کہتا نہیں ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے اپنے اردگرد تمہاری کمی محسوس نہیں ہوتی' تم یہ جانتی ہو کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' زرکاش کے مدھم گمبھیر لہجے نے اس کے دل کو چھوا تھا۔

''زرکاش...... آپ میرے لیے اپنے جذبات کا اظہار لفظوں میں کریں یا نہ کریں۔ مجھے ہر صورت یہ پتہ ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یقیناً اس محبت سے کئی گنا زیادہ جو محبت میرے دل میں آپ کے لیے ہے۔'' دراج کے دھیمے لہجے نے اس کے بے قرار دل کو کچھ قرار پہنچایا تھا۔

''دراج بس اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میری زندگی میں معتبر مقام کی حق دار تم ہو۔ وہ حق تمہیں دینے کی میں ہر ممکن کوشش کروں گا...... تم سے جب جب بات کرتا ہوں تو میرا یقین اور مضبوط ہوتا ہے کہ میں تمہاری نظروں میں بھی سرخرو رہوں گا۔''

''ضرور ایسا ہی ہوگا بس آپ اداس مت ہوا کریں میں اپنی ہی نظروں میں شرمندہ ہو جاتی ہوں' جب آپ کو پریشان دیکھتی ہوں آپ بس مسکراتے ہوئے خوش باش ہی اچھے لگتے ہیں مجھے۔''

''تو میں کب تمہارے لیے مجنوں بنا گھومتا ہوں' خوش ہی تو رہتا ہوں۔'' اس کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ مسکرائی۔

"زرکاش......کوئی خیر خبر لی آپ نے زنائشہ کی؟ آپ کے حکم پر ہی تو چپ چاپ ایک طرف ہوگئی ہوں مگر میں اس کے لیے پریشان ہوں۔"

"پھر وہی بات۔" زرکاش زچ ہوا۔

"تمہیں مجھ پر یقین ہے تو پھر چپ چاپ ہی رہو۔ عرش سے بات ہوئی تھی میری سب ٹھیک ہے۔ زنائشہ شہرام کے گھر میں ہی ہے۔ تمہاری تسلی کے لیے ایک دو دن میں کوشش کروں گا کہ شہرام کی طرف جا کر خود زنائشہ سے ملاقات کروں۔"

"یہ زیادہ ٹھیک ہے آپ خود اس سے بات کریں گے تو مجھے تسلی ہو جائے گی۔" دراج نے فوراً تائید کی۔

"شذرا آپی تو آ چکی ہوں گی گھر' کیسی ہیں وہ اور بچے؟"

"ہاں ٹھیک ہے وہ اور بچے بھی۔ کافی رونق ہو جاتی ہے اس کے بچوں سے گھر میں۔"

"آپ نے ابھی میرے اور اپنے بارے میں کوئی بات نہیں کی گھر میں؟" بالآخر وہ سوال دراج نے ہی کیا جو اس کا کم ہوتا اضطراب پھر بڑھا گیا تھا۔

"کروں گا بات' موقع ملتے ہی تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہوگا۔" سچ اسے بتانے کی وہ ہمت نہ کر سکا تھا۔ اپنی ہی آواز زرکاش کو اجنبی لگ رہی تھی۔

"دراج کیا ہوا چپ کیوں ہوگئیں؟" اس کی خاموشی نے زرکاش کو چونکایا۔

"کچھ نہیں......بس یونہی؟" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"زرکاش......آپ ٹھیک ہیں کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟" بالآخر دل میں جاگتے اندیشوں پر وہ سوال کیے بنا نہ رہ سکی۔

"میں ٹھیک ہوں دراج۔ وہم نہ کرو اگر کوئی پریشانی ہوتی تو پہلے ہی تمہیں بتا دیتا' چھپاؤں گا کیوں۔" زرکاش کے مطمئن کرنے والے انداز پر وہ خاموش رہی۔

"اچھا یہ بتاؤ کیسا وقت گزر رہا ہے رائمہ کی طرف کتنے دن اور وہاں رکنے کا ارادہ ہے؟" ہلکے پھلکے لہجے میں سوال کرتا وہ موضوع بدل گیا۔

❁......❁......❁......❁

بہت ہمت کرنے کے بعد سحر اس کے روبرو بیٹھی تھیں۔ جو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی سپاٹ نظروں سے ان کو ہی دیکھ رہی تھی۔ عرش کو اپنا فیصلہ سنا کر اب وہ چپ کی چادر اوڑھ چکی تھی مگر ندامت سے چور ہونے کے باوجود سحر کو اس سے بات تو کرنی ہی تھی۔

"سوچا تھا کہ کتنا خوشیوں بھرا دن ہوگا وہ جب تم دوبارہ عرش کی زندگی میں لوٹ آؤ گی۔ تمہارے لیے اس کی تڑپ اس کے بے قراریوں سے ہم بہت پہلے واقف تھے۔ ہم سب گواہ رہے ہیں تم یہاں موجود نہیں تھی مگر عرش کی وجہ سے اس گھر میں ہر جگہ موجود تھیں۔" سپاٹ نظروں سے زنائشہ ان کو دیکھ رہی تھی جو اس سے نگاہ ملائے بغیر دھیمے لہجے میں اپنی بات کہہ رہی تھی۔

"اس گھر کے افراد تمہارے لیے اجنبی ہیں مگر ہم سب تم سے مانوس ہیں۔ شاید تم اسی دن سے اس گھر میں ہو جس دن عرش نے یہاں پہلا قدم رکھا تھا اور ہماری زندگی میں بھی......کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہماری طرف سے اتنا تکلیف دہ استقبال تمہیں ملے گا پہلے سے اب تک جانے کیا کچھ غلط ہو چکا ہے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو مگر یہ سچ ہے کہ تمہاری

تلاش میں عرش کے بعد سب سے زیادہ متحرک شہرام ہی رہے ہیں۔" ایک پل کو رک کر سحر نے اسے دیکھا۔

"زنائشہ...... وہ ایسے بالکل نہیں ہیں جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ پیش آئے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ ان کو تمہاری طرف سے کیا پریشانی لاحق ہے۔ کون سے خدشات ہیں' میں واقعی نہیں سمجھ پارہی ہوں کہ ان کو ہوا کیا ہے۔ ان کا بس چلتا تو تمہاری تلاش میں وہ پاتال تک میں اتر جاتے صرف عرش کے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لیے' صرف اسے پُرسکون دیکھنے کے لیے' اتنی محبت کرتے ہیں وہ عرش سے' وہ عرش کے لیے شروع دن سے اتنے ہی مہربان اور شفیق ہیں جیسا کہ کوئی بھی باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ تمہیں بار بار یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ تم پہلے سے عرش کی زندگی میں موجود رہی ہو سچ کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ عرش کی زندگی میں تم ہی تھیں اور تم ہی رہو گی۔ سب سے زیادہ بہتر تو تم ہی جانتی ہو عرش کو وہ اسی قابل ہے کہ اس کی قدر اور محبت کی جائے۔ بہت عزت کرتا ہے وہ شہرام کی' ان کا سب سے زیادہ فرماں بردار بھی عرش ہی ہے۔ جن حالات میں عرش ہماری زندگی میں آیا ان کی وجہ سے شہرام اس کے لیے بہت زیادہ حساس ہیں۔ عرش کے نزدیک تمہاری قدر و اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود شہرام شاید تمہیں اپنی جگہ پر یا برابر تمہیں نہیں دیکھ پا رہے۔ شاید یہ تقسیم برداشت نہیں کر پا رہے جس کا اندازہ ان کو اب تمہارے آنے کے بعد ہوا ہے۔ اگر عرش اپنے گھر میں تمہاری موجودگی سے ان کو آگاہ کر دیتا تو شاید عرش کی طرف سے اور تمہاری طرف سے بھی وہ اتنے بے یقین نہ ہوتے۔" خاموش ہو کر سحر نے بغور اس کے تاثرات دیکھے مگر اس کی آنکھوں کی طرح چہرہ بھی ہر تاثر سے عاری تھا۔

"زنائشہ...... شہرام نے عرش کے سامنے یہ قبول کیا ہے کہ غصے میں ان سے غلطی ہوگئی ہے۔ ان کو اس حد تک جانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم نے جواب میں کتنی ہی کڑوی بات کیوں نہ کی ہو مگر ان کو اپنے مقام کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے تھا کہ تم یہاں عرش کی امانت ہو۔ زنائشہ میں تم سے بس التجا ہی کرسکتی ہوں کہ ان کو عرش کے بڑے بھائی کی حیثیت سے ایک موقع دو' وہ عرش کی نفرت برداشت کرسکیں گے نہ اس کی قطع تعلقی کو سہہ سکیں گے۔ ان کو عرش کی نظروں سے اس کے دل سے اترنے سے تم ہی اب بچا سکتی ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا کوئی موقع نہیں آنے دوں گی کہ اس گھر میں کوئی تمہاری تحقیر یا تذلیل کرے۔ اس گھر میں تمہیں وہی عزت اور مقام ملے گا جس کی تم مستحق ہو۔ میری طرف سے بھی عرش کو بہت مایوسی ہوئی ہے پر اس نے شکایت کا ایک لفظ بھی مجھ سے نہیں کہا۔ اپنی بڑی بہن سمجھ کر مجھے یہ موقع دو کہ کچھ تلافی کرسکوں۔ میں اندازہ کرسکتی ہوں کہ یہاں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تمہاری طبیعت خراب ہوتی جارہی ہے۔ ذہنی طور پر بھی تم بہت ڈسٹرب ہو' کل سے تم نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں' صرف میرے کہنے پر تھوڑا سا کھانا میرے ساتھ کھا لو۔ اتنے مان سے کہہ رہی ہوں اپنی بہن کا تھوڑا مان رکھ کر ہاں کہہ دو۔ شہرام کے تلخ رویوں پر میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔" سحر اس کا ہاتھ پکڑے ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زنائشہ کے دل و دماغ میں اس وقت کچھ نہیں تھا۔ کسی خیال' کسی اشتعال کا شائبہ تک نہ تھا۔ چاہت اور خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ جب کہ سحر کے چہرے پر بکھرتی خوشی اور آنکھوں میں موجود تشکر قابل دید تھا۔

❁......❁......❁......❁

ذہنی انتشار کے باعث طبیعت بھی اس قدر مضمحل ہورہی تھی کہ وہ میٹنگ کینسل کرتا آفس سے اٹھ گیا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ دوپہر کے جس وقت وہ گھر پہنچا گیٹ کے باہر موجود اماں کے بڑے بیٹے نے اسے چونکا دیا۔

"ایک گھنٹہ پہلے چچی جان کو یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اب ان کا فون آیا تو واپس لینے آیا ہوں۔ وہ بس آرہی ہیں۔"

زرکاش کے استفسار پر اماں کے بیٹے نے بتایا تھا۔ رائمہ کی اچانک اس وقت آمد کا سن کر ہی وہ معاملے کی سنگینی سے آگاہ ہوچکا تھا۔ اسی دوران رائمہ بھی آگئی تھی۔ اس کے چہرے یا رویے سے زرکاش کو کسی بھی تلخ صورت حال کا اندازہ نہیں ہوا

تھا۔

"کافی دن ہوگئے تھے تائی امی سے ملے ہوئے۔ اماں نے آج کالج سے چھٹی کی تھی تو سوچا اسی کے ساتھ آ کر خیریت پتہ کرلوں۔ اسی بہانے شنذرا سے بھی ملاقات ہوگئی۔" رائمہ کی مسکراہٹ زرکاش کو مصنوعی لگی۔

"لیکن میں تو ابھی آیا ہوں اماں کو جانے دو میں تمہیں شام تک گھر ڈراپ کردوں گا۔"

"دراج اگر گھر پر ہوتی تو آپ کے لیے ضرور رک جاتی مگر وہ رات ہی ہاسٹل گئی ہے۔ بچے اسکول سے آنے والے ہیں۔ ربیعہ بھابی کو بہت پریشان کریں گے۔ اگلی بار اسد کے ساتھ آپ کی موجودگی میں آؤں گی پر ابھی اجازت دیں۔" زرکاش کو اندازہ ہوگیا تھا کہ رائمہ اس کے سامنے بھی مزید ٹھہرنا نہیں چاہتی لہٰذا اصرار نہ کرسکا۔ توقع کے عین طابق لاؤنج میں ہی صبغہ کے ساتھ اسے شزا اور شنذرا موجود نظر آئیں۔ جو کچھ وہ رائمہ کے چہرے پر نہ دیکھ سکا تھا وہ سب اسے اپنی ماں اور بہنوں کے چہرے پر نظر آ رہا تھا۔

"امی...... رابطے دیکھے آپ نے کس قدر تیز ترین ہیں۔ بہن کو یہاں آپ نے طلب کیا تو پیچھے سے اس نے سپورٹ زرکاش بھائی کو بنا کر بھیج دیا۔" شزا کے طنزیہ لہجے پر زرکاش نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میرے اس وقت گھر آنے کی وجہ رائمہ نہیں...... میں خود اسے گیٹ پر دیکھ کر حیران ہوا تھا۔"

"آپ نے کہہ دیا اور ہم نے یقین کرلیا۔ وہ دن گئے اب۔" شزا تلخ لہجے میں بولی۔

"ہاں میں جانتا ہوں کہ میری ایک خواہش نے سب کا یقین مجھ پر سے ختم کردیا ہے مگر سچ وہی ہے جو میں نے کہا ہے نہ رائمہ نے مجھے یہاں آنے کی کوئی وجہ بتائی اور نہ میں نے اسے کریدا مگر میں جانتا ہوں کہ اسے یہاں بلایا گیا ہے لیکن ابھی اس معاملے میں اسے شامل نہیں کرنا چاہیے تھا۔" زرکاش ضبط کرتا بولا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ جیسے رائمہ کو کچھ خبر ہی نہیں، بہن نے بات شادی تک پہنچادی۔ ہمارے گھر کا سکون درہم برہم کرر کھا ہے۔" شنذرا ناگواری سے بولی۔

"سکون درہم برہم ہوا ہے تو اس کی وجہ میں ہوں۔ رائمہ کو واقعی میرے اور دراج کے معاملے کی کچھ خبر نہیں۔ امی اسے یہاں بلانے سے پہلے آپ ایک بار مجھے بتا دیتیں۔" زرکاش نے شدید تاسف سے خاموش بیٹھیں صبغہ کو دیکھا۔

"بہن آسمان میں چھید کررہی ہے اور رائمہ کو خبر ہی نہیں۔ ساری خبریں ہیں رائمہ کو وہ بھی کوئی معصوم نہیں ہے۔ آستین کا سانپ ہے۔" شزا زہرخند لہجے میں بولی۔

"شزا تمہیں دراج کے بارے میں جو کہنا ہے ضرور کہو مگر رائمہ کے بارے میں کوئی غلط بات مت کرنا، وہ انجان ہے ہر بات سے، اس کا کوئی قصور نہیں ہے کہ ایسے گھٹیا لفظ اس کے لیے استعمال کیے جائیں۔" زرکاش اس کی ناگواری مزید برداشت نہیں کرسکا۔

"گھٹیا لوگوں کے لیے میں ایسے ہی گھٹیا لفظ استعمال کروں گی۔ اپنی بہن کے کرتوں سے آخر رائمہ بھی کیسے انجان رہ سکتی ہے۔ کب خبر ہوگی اسے؟ تب جب بہن گود میں نشانی لے کر جائے گی اپنی عیاریوں کی۔" شزا غصے میں بولتی زرکاش کے ضبط کو انتہا پر لے گئی تھی وہ تو غنیمت ہوا کہ صبغہ درمیان میں بولتیں زرکاش کو کچھ کہنے سے روک گئیں۔

"شزا...... غصے میں ہوش نہ گنواؤ۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تم کس سے مخاطب ہو۔ اب اپنے گھر بار کی ہو۔ بات کرنے سے پہلے دیکھ لیا کرو کہ کس کے سامنے کیا کہنا ہے۔" صبغہ کے سخت ناگوار لہجے پر شزا کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ مزید کچھ بھی کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھتی کمرے سے نکل گئی۔

"امی اپنے گھر بار کی تو میں بھی ہوں اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر کے معاملات میں ہم بہنوں کا عمل دخل اب نہ

ہونے کے برابر ہو چکا ہے تو ٹھیک ہے۔ اپنے بیٹوں کے معاملات آپ خود دیکھیں۔ ہماری رائے کی کیا اہمیت' شادی کے بعد ماں باپ بھائیوں پر سے سارے حق ختم ہو جانے کی روایت ڈال دیں۔" شنذرا تھے سے اکھڑتی بولی۔

"شنذرا مجھے کم از کم تم سے ایسی تنگ نظری کی امید نہیں تھی' کم از کم تم تو یہ سب نہ کہو۔" زرکاش نے سخت تاسف سے شنذرا کو دیکھا مگر وہ ایک نگاہ بھی اسے دیکھے بنا اٹھ کر چلی گئی۔

"امی یہ سب کہاں سے کہاں جا رہا ہے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا...... میرے لیے ان دونوں کو اس طرح بدگمان اور خفا دیکھنا کسی اذیت سے کم نہیں...... یہ دونوں کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ کس قدر عزیز ہیں مجھے۔" زرکاش تھکے ہارے انداز میں صبغہ سے مخاطب ہوا۔

"وہ غصے میں کچھ نہیں سوچ رہیں تو تم نے بھی اپنی خواہش کے سامنے ان دونوں کو اہمیت نہیں دی زرکاش...... شنزا اپنے باپ سے زیادہ تمہارے لیے حساس رہی ہے' شیراز سے زیادہ محبت وہ تم سے کرتی ہے' اس کا بگڑنا مشتعل ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ اس گھر میں پہلی خوشی آنے والی ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہے اس میں خدانخواستہ کچھ غلط ہو گیا تو کیا جواب دوں گی میں احمر کو اور کیا منہ دکھاؤں گی میں اپنے بھائی کو۔ شنذرا نے ہمیشہ ہر معاملے میں تمہارا ساتھ دیا مگر اب وہ ایسا نہیں کر پا رہی تو اس کی وجوہات بھی تم جانتے ہو مگر تمہیں اپنی خواہش کے سامنے کسی کا بھی لحاظ احساس باقی نہیں رہا۔" صبغہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھتیں بولیں۔

"سب کا احساس ہے مجھے' سب کی پروا رہی ہے مجھے' آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ دونوں کام ایک تواتر سے میں آج تک کرتا رہا ہوں مگر اس سب کے درمیان میں خود کہاں ہوں؟ ہوں بھی یا نہیں میں خود نہیں جانتا۔" سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ پھر رکا نہیں تھا۔

⬤......⬤......⬤......⬤

کیبن میں داخل ہو کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ جو دیوار کے ساتھ موجود سیاہ لیدر کی کاؤچ نما سیٹ پر چت لیٹا گہری نیند میں نظر آ رہا تھا۔ باہر گیرج میں معمول کی طرح کام ہو رہا تھا۔ لب بھینچے کچھ فاصلے پر کھڑا وہ عرش کے چہرے کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نکلتیں چنگاریاں مقابل کو بھسم کر دینے کے لیے کافی تھیں۔ اشتعال بڑھ رہا تھا رگوں میں ابلتا خون اسے سب کچھ کر گزر جانے کے لیے اکسا رہا تھا۔ غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی جیکٹ کی اندرونی پاکٹ کی سمت ہاتھ بڑھایا اور جب ہاتھ باہر آیا تو خالی نہیں تھا۔ ایک ریوالور اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے راسب کا چہرہ آیا پھر رجاب کا۔ اپنی انتھک محنت اور جدوجہد بھی مگر جب اس کے سامنے زنائشہ کا چہرہ اور اس کے ساتھ عرش کا چہرہ نظر آتا وہ سب کچھ بھول جاتا۔ اب بھی اسے صرف یہ یاد تھا کہ زنائشہ کو ایک غلط انسان سے نجات دلانی ہے' آزاد کروانا ہے ایک بدکار شخص کی قید سے' اسی گیرج میں عرش سے اسے اپنی پچھلی ملاقات یاد تھی عرش کا کوئی سچ' کوئی حقیقت اس اذیت کو کم نہیں کر سکی تھی کہ زنائشہ کس طرح حالات کے تھپیڑوں میں الجھ کر ایک ایسے شخص کے نرغے میں پھنس چکی ہے جو کسی بھی طور اس کے قابل نہ تھا۔ ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کرتا وہ خون رنگ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا جو نیند میں سینے پر دھرا ہاتھ ہٹا گیا تھا۔ زرق کی نظریں اس کے سینے سے پھسل کر گرتے سیل فون پر ٹھہر گئی تھیں۔ ایک نظر عرش کی بند آنکھوں پر ڈال کر وہ پنجوں کے بل بیٹھا اور جانے کس تجسس میں فون اٹھا کر چیک کرنا شروع کر دیا۔ فون میں اسے کچھ بچوں کی تصویریں نظر آئیں جو اس کے لیے اجنبی تھے لیکن ایک تصویر نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔ وہ تصویر شہرام اور سحر کی تھی جو اس کے لیے قطعی انجان نہیں تھے۔ وہ مزید آگے بڑھا تو ایک تصویر پر اس کی نظر ہی نہیں دل بھی ٹھہر گیا تھا۔ تصویر میں زنائشہ کا چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ تکیے پر سر رکھے وہ گہری نیند سوئی کتنی معصوم لگ رہی تھی' کتنا سکون تھا

اس کے چہرے پر کتنی پاکیزگی تھی اس کے نقوش میں دل میں اٹھتی درد کی لہریں اس کی آنکھوں تک پہنچ گئی تھیں۔ جانے کتنی مدت بعد وہ زنائشہ کے چہرے کو اتنے نزدیک سے دیکھ رہا تھا اس کے نقوش میں زرق کو اپنے ماں باپ کے نقش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے بھولے بسرے چہرے اسے یاد آ رہے تھے جن کے لیے وہ کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔ اس کی بہن ماں باپ کی ایک واحد نشانی تھی جس کی حفاظت تک کرنے کے وہ قابل نہ تھا۔ وہ بے آواز رو رہا تھا۔ آنکھیں زنائشہ کی تصویر پر برس رہی تھیں۔ اس کی گھٹی گھٹی مدھم ہچکیوں نے عرش کو کس وقت بیدار کیا وہ خود نہیں جان پایا تھا۔

''زرق......'' عرش چونک کر اٹھ بیٹھا مگر زرق اس کی طرف متوجہ ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ درد کے سمندر میں اترا ہچکیاں بھر رہا تھا جبکہ عرش کی نگاہ اس کے دوسرے ہاتھ میں موجود ریوالور پر ٹھہر گئی۔ حیران بیٹھا وہ چند لمحوں تک معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے زرق کے ہاتھ سے اپنا فون بھی نہیں لیا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے وہ زرق کا شانہ تھپتھپاتا اپنی جگہ سے اٹھا۔

''یہاں سے اٹھو چیئر پر بیٹھ جاؤ۔ میں آتا ہوں۔ کوئی کال بھی آئے تو ریسیو مت کرنا۔'' اسے تاکید کرتا عرش واش روم کی سمت بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد خود کو سنبھالتے ہوئے زرق نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور ریوالور گلاس ٹیبل کے کنارے پر رکھتا چیئر پر بیٹھ گیا۔ عرش کا فون اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اگلی تصویر میں زنائشہ کسی گلاس وال کے قریب کھڑی نظر آ رہی تھی۔ یہ تصویر دور سے لی گئی تھی مگر واضح تھی اور یقیناً یہ بھی زنائشہ کی بے خبری میں کھینچی گئی تھی' یک ٹک وہ اسے دیکھتا رہا جو گلاس وال کے باہر جانے کس چیز پر نظر جمائے کھڑی تھی۔ زرق کا دل پگھلا جا رہا تھا اسے پلکوں میں چھپا کر رکھنے کے بجائے وہ کس طرح اس کی بے قدری کرتا رہا تھا' کس طرح اسے زمانے کے سرد و گرم حالات میں گھلتا چھوڑ کر خاموش تماشائی بنا رہا تھا' اس کی محویت اس وقت ٹوٹی جب گیرج کا ہی ایک لڑکا چائے لے کر اندر آیا۔ چائے ٹیبل پر رکھتا وہ لڑکا ریوالور کو دیکھ کر چونکا۔

''چائے پی لو پھر جس ارادے سے آئے تھے اس پر بھی عمل کر لینا۔ فکر مت کرو میں یہیں تمہارے سامنے ہی رہوں گا۔'' واش روم سے نکل کر وہ سامنے بیٹھ کر بولا۔ زرق نے فون اس کے سامنے رکھ دیا اور خاموشی سے چائے کے گھونٹ لینا شروع کر دیے۔

''ویسے مجھے یہ اچھا لگا جان کر کہ میرے علاوہ بھی کوئی ہے جو زنائشہ کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے......لیکن ایک بات ضرور کہوں گا اس کے لیے کچھ اچھا اب تک نہیں کر سکے ہو تو کچھ برا بھی مت کرو۔'' عرش کے سنجیدہ لہجے پر زرق نے ایک نگاہ بس اسے دیکھا۔

''مجھے اپنی زندگی صرف اس لیے عزیز ہے کہ زنائشہ کو میری ضرورت ہے۔ اس کی خوشیوں کے لیے میرا سانس لینا ضروری ہے لیکن پھر بھی موت تو برحق ہے اس سے ڈرتا نہیں پر تم کیوں اپنے ہاتھ میرے خون سے رنگ کر اپنی برسوں کی محنت تباہ کرنے چلے ہو۔ ذرا صبر کر جاؤ' جس قسم کے حالات میں' میں گرفتار ہو چکا ہوں اس میں پاگل ہو کر میں خود ہی گلے میں پھندا لگا کر تمہارا ارمان پورا کر دوں گا۔'' عرش کے تلخ لہجے نے زرق کو الجھا دیا۔

''میرا اور زنائشہ کا تعلق تمہاری غیرت پر تازیانہ بن کر لگا تھا۔ اپنی جنون میں تم مجھے صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنا چاہتے ہو۔ یقیناً تمہارے سینے میں بھی کچھ ٹھنڈ پڑ جائے گی یہ جان کر کہ زنائشہ اب میرے گھر میں نہیں ہے چلی گئی ہے وہ۔'' عرش کے تلخ لہجے پر زرق کے تاثرات بدل گئے تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......! کہاں چلی گئی ہے؟'' زرق از حد پریشان ہوا تھا۔

''میرے بھائی بھابی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ ان کے گھر میں ہی ہے زنائشہ۔ ایک تم ہی ظالم سماج نہیں ہو

ایک ایک کر کے سب بیدار ہورہے ہیں۔ اب سب کو روایات یاد آرہی ہیں۔ اپنے حق یاد آرہے ہیں۔ غیرتیں جاگ اٹھی ہیں۔ پہلے سب آرام سے بیٹھے تھے۔'' وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

''ابھی اور جانے کتنی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔ زنائشہ میرے ساتھ اپنے گھر آنا چاہتی تھی پر کیا کروں بھائی کی نافرمانی تو نہیں کرسکتا' نہ ہی ان کی اجازت کے بغیر زنائشہ کو گھر لے جاسکتا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد تمہارے بارے میں زنائشہ کو بتا کر تمہیں اس کے سامنے کھڑا کردوں گا' ایسا کرنے سے مجھے ساری دنیا کی دولت نہیں ملنے والی تھی۔ میں صرف زنائشہ کی خوشی کی خاطر تمہارے سامنے جھکتا رہا ہوں مگر اب مجھ سے ایسی کوئی توقع مت رکھنا۔ اب تم یہ دعا کرو کہ وہ میری شکل دیکھنے کے لیے تیار ہوجائے ورنہ میں اسے تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنے دوں گا۔ جب وہ مجھ سے راضی نہیں تو تم سے بھی کیوں راضی ہو۔'' ناگوار لہجے میں وہ بولا' جب کہ زرق خاموش بیٹھا رہا تھا۔

''ویسے تمہارے کس بل بھی ابھی نکلے نہیں ہیں۔ سب کچھ بتا چکا ہوں کچھ نہیں چھپایا مگر تمہارے دل سے کینہ ختم نہ ہوا۔ کسی کی جان لینے کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے' اپنی بہن کے ہاتھ میں یہ ریوالور ذرا تھما کر دیکھنا مجھ سے پہلے تمہارا کام تمام کرے گی۔'' عرش مزید ناگواری سے بولا۔

''تمہارے فون میں شہرام اور ان کی وائف کی تصویر دیکھی ہے میں نے۔'' زرق اچانک بولا۔

''ہاں وہی تو بھائی بھابی ہیں میرے۔ تم ان کو کیسے جانتے ہو؟'' چونکتے ہوئے عرش نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری ان دونوں سے گھر پر ملاقات ہوچکی ہے۔ شہرام میرے بھائی کے دوست ہیں۔''

''نام کیا بتایا تھا تم نے اپنے بھائی کا؟'' عرش نے پوچھا۔

''راسب......'' زرق کے جواب پر عرش کے تاثرات بدلے۔

''ان سے تو میری ملاقات بھی ہوچکی ہے یہ وہی ہیں جو تمہیں سپورٹ کرتے رہے ہیں اور......'' یک دم عرش رکا تھا رجاب کا نام لیتے ہوئے۔

''ہاں میری زندگی میں میرے بھائی کا وہی مقام ہے جو تمہاری زندگی میں تمہارے بھائی کا ہے۔ وہ میرے محسن ہیں۔ ان کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔'' زرق کے کہنے پر عرش نے بغور اسے دیکھا۔

''پھر اب کیا ارادے ہیں تمہارے...... کیا تم اب اپنے بھائی کے ذریعے زنائشہ تک پہنچو گے؟''

''نہیں وہ زنائشہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اس تک مجھے تم ہی لے کر جاؤ گے۔'' زرق کے کہنے پر عرش نے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھا' جب کہ زرق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میرے گھر میں بھی کوئی تمہارا ذکر زنائشہ کے سامنے نہیں کرے گا۔ فی الحال یہی مناسب ہے۔'' عرش نے کہا جب کہ زرق اس پر سے نگاہ ہٹاتا گلاس ڈور کی سمت بڑھا مگر پھر یک دم رک کر پلٹا۔

''میں جس ارادے سے آیا تھا مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں...... ارادے پر عمل نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں آج بھی بزدل یا کمزور ہوں' بات صرف اتنی ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے لیے کڑوا گھونٹ پینا پڑتا ہے اور تم میرے لیے وہی کڑوا گھونٹ ہو۔'' زرق سرد نظروں سے اسے دیکھتا بولا۔

''میرے بھی کچھ ایسے ہی خیالات ہیں تمہارے بارے میں۔'' عرش کے ناگوار لہجے پر وہ مزید کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔

ایک دن پہلے ہی تو ہاسٹل آئی تھی کہ رائمہ نے دوسرے ہی دن اسے گھر پہنچنے کی تاکید کی بلکہ اتنی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا کہ اسے فون کرنے سے پہلے ہی اماں کے بیٹے کو ہاسٹل روانہ بھی کردیا۔ اس کے ہمراہی میں وہ رائمہ کے گھر پہنچی۔ فوری طور پر سب کے سامنے تو کوئی بات نہ ہوسکی مگر رائمہ کے تاثرات سے اسے کسی معاملے کی سنگینی کا احساس ہوگیا تھا۔ اندازہ تو اسے تب ہی ہوگیا تھا جب رائمہ نے فون پر مختصر الفاظ میں اسے گھر آنے کی تاکید کی تھی۔ ربیعہ اپنے بچوں کے ساتھ میکے جارہی تھیں۔ اسد کو آفس سے دیر سے آنا تھا۔ ربیعہ وغیرہ کے رخصت ہوتے ہی اس کا صبر بھی ختم ہوگیا۔ اسے شدید قسم کا دھچکہ لگا جب اس کے استفسار پر رائمہ کچھ بھی کہنے سے پہلے رو دی تھی۔

''بجیا بتائیں تو مجھے آخر ہوا کیا ہے...... کیوں اس طرح رو رہی ہیں؟ میری پریشانی کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں آپ۔''

''اور تم بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ تمہاری وجہ سے کس قدر بے عزت کیا گیا ہے مجھے۔'' رائمہ غصے میں اس پر برس اسے دنگ کر گئی۔

''تمہیں کیا لگتا تھا کہ تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی تو مجھے کچھ خبر ہی نہ ہوگی؟ تم میری بہن ہو' تمہارے دن رات سے میں کیسے بے خبر رہ سکتی ہوں۔ کیسے انجان رہ سکتی ہوں' اس سب سے جو زرکاش بھائی کے لیے تمہارے دل میں ہے۔'' رائمہ کے غصیلے لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں اوقات سے باہر نکلنے کی' زرکاش بھائی اور اپنے درمیان موجود فرق نظر نہیں آیا تمہیں؟ زمین آسمان بھی کبھی ایک ہوتے ہیں...... ساری دنیا میں ایک وہی ملے تھے تمہیں...... تائی امی نے فون پر مجھے گھر آنے کا حکم دیا۔ وہ تو شکر ہوا کہ اسد میرے ساتھ نہیں تھے۔ تائی امی اور ان کی بیٹیوں نے جو کچھ تمہارے بارے میں کہا جس طرح میری تذلیل کی وہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شیراز ملک میں ہوتا تو وہ یہاں آکر سب کے سامنے مجھے اور تمہیں بے عزت کرتا۔ اپنے شوہر اور سسرال والوں کے سامنے تم پر لگائے گئے کس کس الزام کا میں جواب دیتی۔ جواب تو ان تینوں کے سامنے بھی میں کوئی نہ دے سکی تمہاری وجہ سے مجھے خاموشی سے سب کچھ سننا پڑا کیونکہ تمہاری جراُتوں' ہٹ دھرمیوں اور من مانیوں نے مجھے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔''

''بجیا کیا کہتی ہیں وہ تینوں؟'' دراج کا لہجہ سرد تھا۔

''کیا...... کیا بتاؤں تمہیں...... ان کی ہرتان اسی جملے پر ٹوٹتی رہی کہ روپے پیسے کے لالچ میں تم نے ان کے بیٹے کو ورغلایا ہے اس کام پر' میں نے تمہارا ساتھ دیا ہے ہم دونوں کی ملی بھگت کی وجہ سے ان کا بیٹا ان کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔''

''بجیا اگر ان سب کو ایسا لگتا ہے تو سو بار لگے' اتنا ہی دل پھٹ رہا ہے تو باندھ کر رکھ لیں کھونٹے سے زرکاش کو' کس نے روکا ہے۔ نکال دیں ان کے دل دماغ سے مجھے۔ جو کرنا چاہیے وہ تو ہو نہیں سکتا ان ماں بیٹیوں سے۔ مجھ پر یا آپ پر الزامات لگا کر صرف ان کا حسد اور بغض اس نکل سکتی ہے اور تو کچھ نہیں ہوسکتا ان لوگوں سے' اب پتہ چلے گا اچھی طرح سے زرکاش کو بھی جن کے لیے برسوں سے اپنا خون پسینہ ایک کرتے رہے ہیں وہی سب کس طرح ان کی پشت پر چھرا گھونپ رہے ہیں۔ یہ اہمیت ہے ان کی اپنے گھر والوں کی نظر میں۔ کھلیں گی اب ان کی بھی آنکھیں۔'' دراج غصے میں بھڑک اٹھی۔

''میں بس تمہارے لب کھولنے کے انتظار میں خود بھی خاموش رہی مگر میرے خدشات روز بروز جڑ پکڑتے آج سچ ثابت ہو رہے ہیں۔ زرکاش بھائی کی فطرت سے تم بھی اچھی طرح واقف ہو دراج۔ وہ اپنی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے۔ اپنے گھر والوں کے سامنے وہ تمہارے لیے کبھی نہیں ڈٹ سکیں گے۔ تائی امی کی مرضی ان کی اجازت کے بغیر وہ کبھی تم سے شادی نہیں کرسکتے۔ تائی امی ہمیشہ اپنی بیٹیوں اور شیر اندمہ کے کہنے پر چلی ہیں۔ جب ان کی اولادیں

تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں تو پھر تائی امی کیسے زرکاش بھائی کو تم سے شادی کی اجازت دیں گی؟'' رائمہ سخت پریشانی اور تاسف میں تھی۔

''یہ سب تو میں بھی نہیں جانتی لیکن زرکاش میرے علاوہ کسی اور جانب دیکھیں یہ آپ کی بھی غلط فہمی ہے۔ ان کو میرے لیے نہیں اپنے لیے اپنی ماں بہنوں کے سامنے زبان کھولنی پڑے گی۔ میں زرکاش کے باپ کی جاگیر ہرگز نہیں ہوں جسے وہ اپنے گھر والوں کی خوشیوں پر قربان کردیں گے۔ شادی تو زرکاش کو مجھ سے ہی کرنی پڑے گی ورنہ جس درراج کو میں نے اپنے اندر سلا دیا ہے پھر اسے جاگنے میں بھی وقت نہیں لگے گا۔ ابھی تو میں صرف ایک حد تک زرکاش کے حواسوں پر قابض ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ہر حد بھول جاؤں اور وہ سب کے سب جس عالیشان گھر میں فرعون بنے بیٹھے ہیں راتوں رات سڑک پر آجائیں۔''

''پاگل مت بنو درراج...... ہوش کے ناخن لو زرکاش بھائی کسی حال میں تمہاری خاطر اپنی ماں بہنوں کو نہیں چھوڑیں گے۔''

''میں بھی ایسا کرنے پر انہیں کب مجبور کرتی ہوں۔ انسانیت اور رشتوں کے حقوق یاد ہیں مجھے۔ فتنہ پرور خودغرض وہ لوگ ہیں جو گدھ بنے نوچتے رہے ہیں زرکاش کو اور اب ان کی خواہشوں وخوشیوں کو بھی نگل جانا چاہتے ہیں مگر اس مخلص انسان کے لیے ایک کڑوا گھونٹ نہیں پی سکتے۔ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگ رہے انہوں نے تو بس نچھاور کرنا سیکھا ہے۔ مجھ سے وہ محبت کرتے ہیں۔ شادی کرنا چاہتے ہیں یہ کوئی گناہ نہیں ہے؟'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ بھرے انداز میں بولی۔

''تمہارے یہ سب کہتے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ زرکاش بھائی کے گھر کا کوئی فرد تمہارے لیے راضی نہیں ہوگا۔ یہ اٹل حقیقت ہے مجھے ان سب کی باتوں سے اندازہ ہو چکا ہے کہ اگر زرکاش بھائی نے ان سب کی مرضی کے خلاف جا کر تم سے شادی کر بھی لی تو آگے جا کر مسائل کا سامنا تمہیں ہی کرنا پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ابھی عقل سے کام لو کچھ نہیں بگڑا ابھی تم زرکاش بھائی کو سمجھا سکتی ہو روک سکتی ہو ان کو...... تمہارے لیے اچھے رشتوں کی کمی نہیں میں جانتی ہوں زرکاش بھائی کی جگہ کسی اور کو دینا تمہارے لیے دشوار ہوگا مگر کیا تم ساری زندگی ایک ناپسندیدہ ہستی بن کر رہنا قبول کر سکتی ہو؟ زرکاش بھائی کی زندگی کا حصہ بن کر تمہیں کبھی وہ عزت وہ مقام نہیں مل سکے گا جس کی تم مستحق ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب ایک دن تمہیں زرکاش بھائی سے ہی محروم کردیں۔ اس وقت کیا کرسکو گی؟'' رائمہ نے سمجھانے والے انداز میں اسے خبردار کرنا چاہا۔

''مجھے زرکاش سے محروم کرنا اتنا ہی ان سب کے لیے آسان ہوتا تو وہ ماں بیٹیاں چور راستے سے آپ پر حملہ نہ کرتیں۔ مجھے ان سب سے کوئی مقام کوئی عزت نہیں چاہیے۔ مجھے جو کچھ چاہیے تھا وہ میں بہت پہلے ہی ان سب سے چھین چکی ہوں۔ یہ وہ ماں بیٹیاں بھی جان چکی ہیں۔ اسی لیے اب انگاروں پر لوٹ رہی ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اور یہ میرے لیے کن اچھے رشتوں کی بات کررہی ہیں آپ؟ آپ کی نظر میں کیا ہے ایک اچھا رشتہ ساری زندگی کے لیے ایک ایسے شخص کے ساتھ بندھ جانا جس کی ایک اچھی جاب ہو۔ جس کا ایک گھر ہو اور اس گھر کا ایک کمرہ جہاں اس کی بیوی ملکہ بن کر رہے اور کمرے سے باہر اس کے گھر والوں کی خدمت میں ہلکان ہوتی رہے۔'' اس کے سرد لہجے پر رائمہ نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا۔

''جو شخص میری بنیادی ضرورتیں بھی بمشکل پوری کرسکے اس سے شادی کرنے سے تو بہتر ہے کہ میں شادی ہی نہ کروں۔ جو لباس میں نے پہن رکھا ہے اس کی قیمت کا آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں جو سینڈلز میرے پیروں میں ہوتی ہیں ان کی قیمت دو چار ہزار نہیں ہے ہر ماہ جس سلون میں میں جاتی ہوں وہاں میری فرینڈز جانے کے لیے بس سوچتی رہ جاتی ہیں۔ امپورٹڈ کاسمیٹکس کے سوا مجھے کچھ اچھا نہیں آتا۔ دو دن بھی مسلسل ہاسٹل کا کھانا کھالوں تو میرا ہاضمہ بگڑ جاتا

ہے۔اپنے باپ کی زندگی میں میں نے ایک چاندی کا چھلا تک انگلی میں نہیں پہنا مگر آج میرے پاس گولڈ کی اتنی جیولری ہے کہ سب بینک کے لاکر میں محفوظ کرنی پڑتی ہے میرے بینک بیلنس کا آپ صرف اندازہ ہی لگا سکتی ہیں۔ یہ سب کس کی بدولت ہے..... ڈھونڈ کر دے سکیں گی مجھے کوئی زرکاش جیسا؟'' اس کے طنزیہ لہجے پر رائمہ بس گنگ رہ گئی تھی۔

''زرکاش کی وجہ سے ہاسٹل میں میری عزت ہے ایک مقام ہے۔ ہر لڑکی میری قسمت پر رشک کرتی ہے۔ زرکاش نے اپنے جس گھر ہر چیز کو میرے اختیار میں دے رکھا ہے اس گھر میں قدم رکھنے کا میں صرف خواب ہی دیکھ سکتی تھی میں اگر زرکاش سے ابھی دنیا کے آخری کونے میں بھی جانے کی فرمائش کردوں تو ان کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ وہ مجھے وہاں تک لے جانے میں ایک دن نہیں لگائیں گے۔ بجیا..... نہ زرکاش کے علاوہ کوئی شخص مجھے افورڈ کر سکتا ہے نہ میرا ان کے سوا کسی اور کے ساتھ گزارا ہے۔ زرکاش کے پاس جو کچھ ہے جو سہولتیں جو آسائشیں انہوں نے مجھے دے رکھی ہیں ان سے قطع نظر زرکاش کی جگہ کسی اور کو نہ دینے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں کم از کم آپ تو میری اس محبت کی گہرائی کا اندازہ کرسکتی ہیں۔ ہر سچ پر ایک یہی سچ بھاری ہے کہ زرکاش جیسا انسان میرے لیے دنیا میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ اگر مجھ سے ہر آسائش چھین کر مجھے اپنے ساتھ کسی ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ مکان میں بھی رکھیں گے تو مجھے کوئی غم نہیں ہوگا۔ میرے لیے ان کا ساتھ ان کا قرب ہی کافی ہوگا۔'' دراج کی آنکھیں نم اور لہجہ دھیما ہوتا چلا گیا تھا۔

''بجیا..... آپ جانتی ہیں کہ میں جو کہتی ہوں وہ کرتی بھی ہوں ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ میں مخالفتوں سے ڈر کر زرکاش سے دستبردار ہوجاؤں۔ نہ ہی یہ زرکاش کے لیے ممکن ہے آپ مجھ سے یہ امید نہ رکھیں کہ میں حالات سے گھبرا کر اپنی اور زرکاش کی زندگی کو آگ بھی لگاسکتی ہوں۔ لیکن ممکن تو یہ بھی کسی طور پر نہیں کہ میری وجہ سے میری بہن کی تذلیل ہو۔ زرکاش کو اپنی ماں بہنوں سے باز پرس کرنی ہوگی۔ ان سب کو ان کی حد میں رکھنے کا کام زرکاش کا ہے۔ ورنہ یہ کام میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو زرکاش بھی لپیٹ میں آئیں گے۔''

''دراج..... خبردار جو تم نے زرکاش کو کچھ بتایا یا کوئی ہنگامہ کھڑا کرنے کا سامان کیا تم نے کس مشکل میں دھکیل دیا ہے خود کو بھی اور مجھ کو بھی۔'' رائمہ زچ ہوتی بری طرح ڈسٹرب ہوئی۔

''فکر مت کریں اب آئندہ بھی ان سب کی زبانیں آپ کے سامنے زہر نہیں اگلیں گی مگر جو ہوچکا ہے اس کی جواب طلبی زرکاش کو کرنی پڑے گی۔ ان کی اپنی بہنوں سے زیادہ آپ نے ان کی عزت کی ہے۔ نہ میں خاموش رہوں گی آپ کی بے عزتی پر نہ زرکاش کو خاموش رہنے دوں گی۔'' دراج قطعی انداز میں بولی۔

❁......❁......❁......❁

اب کیا کروں گا وہاں آ کر..... کس طرح سامنا کروں اس کا' کیا منہ دکھاؤں گا اسے؟ اس گھر میں صرف زنائشہ کی تذلیل نہیں ہوئی۔ میرے جذبوں اور محبت کی بھی تذلیل ہوئی ہے۔ غم اس بات کا ہے کہ تذلیل کرنے والے میرے اپنے ہیں۔ زنائشہ کسی سے واقف نہیں تھی بھائی کے سامنے اس سے گستاخی سرزد ہوئی تھی تو یہ میری ذمہ داری تھی کہ اس سے باز پرس کرتا۔ صحیح غلط کے بارے میں سمجھاتا۔ اس وقت مجھے کیوں نہیں بلایا گیا؟ بھائی تو واقف تھے اس گھر میں زنائشہ کے مقام واہمیت سے اس پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے بھائی نے میرے بارے میں بھی یہ نہیں سوچا کہ مجھ پر کیا گزرے گی میں زنائشہ کے چہرے کو نہیں پہچان سکا تھا اس سے زیادہ اور کیا کہوں تم سے اس وقت میں زمین آسمان ایک کردینے کے درپے تھا مگر مجھے ضبط کے انگاروں پر چلنا پڑا کیونکہ میرے سامنے کوئی اور نہیں بھائی تھے ان کے اس عمل سے چہرے سے زیادہ زخمی میرا دل ہوا ہے جس کی اذیت میرا سکون ختم کرچکی ہے۔'' غصے میں بے قابو وہ شفران کے سامنے بول رہا تھا۔ شفران یہی چاہتا تھا کہ وہ اندر چھپا اشتعال باہر نکالے۔ دو دن سے عرش نے سب سے ہی سارے رابطے ختم کررکھے تھے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آج تیسری بار گیراج آنے پر بالآخر وہ شفران کے ہاتھ آ ہی گیا تھا۔

''اب اس مقام پر آ کر زنائشہ سے ہر تعلق ختم کر دینے کا مطالبہ سننا میرے لیے موت کی اذیت سے گزرنے جیسا ہے' میں بار بار اس اذیت سے نہیں گزر سکتا۔ نہ مجھ میں حوصلہ باقی رہا ہے نہ میں اس کے لیے اب اور صبر کر سکتا ہوں۔''

''عرش جو کچھ ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا یہ بھائی بھی قبول کر رہے ہیں لیکن تم اس طرح سب سے کٹ کر سارے رابطے ختم کر کے بیٹھ جاؤ گے تو جو غلط ہوا ہے وہ ٹھیک کیسے ہوگا...... زنائشہ کی طبیعت بہت ناساز ہو چکی ہے اس کی خاطر ہی سہی مگر گھر تو آؤ۔ تم وہاں ہو گے تو یقیناً اس کی طبیعت سنبھلے گی۔ بھابی کو بھی ڈھارس ملے گی۔ تمہاری گمشدگی پر وہ بھی پریشان ہیں۔ حالات یونہی بگڑے رہے تو آگے جا کر بہت مشکل ہو جائے گا۔ تمہارے لیے بھائی اور زنائشہ کو ساتھ لے کر چلنا۔'' شفران نے تشویش کا اظہار کیا۔

''یہ سب بھائی کو سوچنا چاہیے تھا وہ گھر کے بڑے ہیں جب انہوں نے ہی اپنے ظرف کو وسیع نہ کیا تو اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ زنائشہ اب جو کرے وہ کم ہے۔ اسے میری زندگی' میرے گھر میں عزت اگر نہیں ملے گی' میرے اپنوں سے جو میرے محسن ہیں جنہوں نے مجھے نئی زندگی دی' اگر ان سے احترام نہیں ملے گا تو وہ میری محبت کیا کرے گی۔ اس پر لعنت بھیج کر جانے کی ہی بات کرے گی۔'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''مجھے بھائی سے قطعی یہ امید نہیں تھی۔ میرے لیے یقین کرنا مشکل ہے کہ زنائشہ اور میرے تعلق پر اس طرح وہ انگلی اٹھا کر اسے بے توقیر کر چکے ہیں۔ کیا ثابت کرنا چاہتے تھے وہ زنائشہ کو یہ سنا کر کہ وہ میرے قابل نہیں' میرے لائق نہیں یا میں کتنی اونچائی پر ہوں اور وہ کتنی پستی میں رہنے والی...... تو میں بھی اسی پستی سے آیا ہوں اور یہ حقیقت ہے زنائشہ اور میں جانتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا معنی رکھتے ہیں۔ بھائی کی جانچ پڑتال اور اپنی ذات پر ان کے تجزیے زنائشہ تو کیا کوئی بھی عورت برداشت نہیں کر سکتی۔ اپنے شوہر کی موجودگی میں تو بالکل نہیں۔ جب میں ہی اس کی ڈھال نہیں بن سکوں گا تو وہ مجھ سے الگ ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو کیا کرے اور...... زنائشہ کے لیے میرے جذبات کو بھائی سے زیادہ بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا...... مگر اب ایسا لگ رہا ہے کہ ان کو کچھ یاد نہیں رہا یا پھر وہ سب کچھ سمجھتے بھی نہیں سمجھنا چاہ رہے اپنے اشتعال میں...... وہ میرا گزرا کل ہی نہیں میرا آج' میرا آنے والا کل بھی ہے۔ کوئی بھی ہم دونوں کے کھوئے ہوئے سنہری ماہ وسال نہیں لوٹا سکتا۔ کم از کم اب تو ہم ایک دوسرے سے محروم رہنے کے مستحق نہیں ہیں۔'' وہ شدید بگڑے ہوئے بلند لہجے میں بولا۔

''میں بات کرتا ہوں بھائی سے تم ابھی گھر نہیں آنا چاہتے تو ٹھیک ہے میں فورس نہیں کرتا۔ زنائشہ کی طرف سے مطمئن رہو۔ ہم اسے کہیں جانے دیں گے نہ تمہارے خدشات سچ ثابت ہوں گے خود کو اور پریشان مت کرو یہ سب سوچ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' شفران کی تسلی پر وہ بس سر جھٹک کر رہ گیا۔ شفران کے جانے کے بعد وہ مسلسل مضطرب سوچوں میں غلطاں گلاس وال سے آسمان کے بگڑتے تیوروں کو دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

لاؤنج میں آ ناوہ شہرام کی طرف ہی متوجہ تھا جو کچھ پریشان سے سحر سے مخاطب تھے۔

''گھر کا ماحول پہلے ہی بگڑا ہوا ہے تمہیں ضرورت ہی کیا تھی ایسی کوئی بات کرنے کی۔''

''شہرام میرا بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا فون پر ندا سے بات کر رہی تھی تو ان کے بعد رجاب سے سلام دعا کی بچوں کا ذکر آیا تو میں نے اسے بتایا حسن اور حسین کے لیے کوئی اچھا ٹیوٹر نہیں مل رہا۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ وہ خود ہی ان دونوں کو گھر آ کر پڑھانے کی بات کر دے گی میں اسے منع تو نہیں کر سکتی تھی۔'' رجاب کے نام پر شفران چونکا۔

''ظاہر ہے منع کرنا ناممکن ہے۔ بہرحال اب تم نے ہی سب سے زیادہ اس چیز کا خیال رکھنا ہے کہ ہمارے گھر میں

آنے والے ہر فرد کو چاہے وہ امام ہی کیوں نہ ہو سب کو یہی کہہ کر زنائشہ سے متعارف کرواتا کہ وہ میرے دوست کی بہن ہے اور کچھ عرصہ ہم سب کے درمیان رہے گی کسی کو بھی عرش اس کے تعلق کی بھنک تک نہیں لگنی چاہیے۔''

''شہرام آخر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عرش سے اس کا تعلق کیسے چھپ سکتا ہے؟'' سحر نے دنگ نظروں سے خاموش کھڑے شتران کو دیکھا۔

''سوال مت کرو فی الحال جو کہا ہے بس وہ یاد رکھو۔ اس کی وجہ بھی بہت جلد بتا دوں گا۔'' شہرام اکھڑے لہجے میں بولتے صوفے پر بیٹھ گئے۔ شتران نے ایک نظر خاموشی سے پیچ و تاب کھاتیں سحر کو دیکھا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے خود بھی نشست سنبھال لی۔

''بھائی آپ نے جو بھی تاکید کی اس میں یقیناً عرش کے لیے بھلائی چھپی ہوگی لیکن زنائشہ کے معاملے کو میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ جو حالات سامنے ہیں ان سے ہٹ کر دیکھا جائے تو وہ ایک بے ضرر سی لڑکی ہے' مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اس سے آپ کو کیا ان سیکورٹی ہے۔ آپ کے دل میں جو کچھ بھی ہے آپ مجھ سے کہہ سکتے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔'' بہت سنبھل کر شتران نے دھیمے لہجے میں ان کو مخاطب کیا۔ جواباً فوری طور پر شہرام کچھ بول نہیں سکے۔

''شتران مجھے لگتا ہے کہ کہیں تو کچھ نہ کچھ غلط ہے۔ یہ لڑکی کسی طور عرش کے ساتھ آنکھوں میں سما رہی ہے نہ دل میں۔ میں جانتا ہوں عرش اس کے لیے آگ میں بھی کود سکتا ہے مگر اس لڑکی کی نظر میں عرش کی حیثیت تو دو کوڑی کی بھی نہیں لگتی مجھے۔'' شہرام کے تشویش ناک لہجے نے سحر اور شتران دونوں کو ہی دنگ کر دیا۔

''بھائی آپ کو نہیں لگتا کہ یہ رائے قائم کرنے میں آپ نے عجلت سے کام لیا ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ کن تلخ حالات میں اس گھر میں آئی ہے اور پھر وہ ایک لڑکی ہے' عرش کی طرح وہ کھل کر سب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیسے کر سکتی ہے؟'' شتران نے حیرت سے کہا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست لیکن جو کچھ میں محسوس کر چکا ہوں اسے غلط قرار نہیں دے سکتے اور بات صرف یہیں تک نہیں ہے پہلے وہ سامنے نہ ہو کر بھی عرش کے اعصاب پر قابض تھی اب وہ سامنے ہے تو مجھے یہ یقین ہو رہا ہے کہ ہر طرح سے اس پر قابو پا کر وہ ہم سب سے اسے الگ کر دے گی۔ اس کی دھمکیوں نے میرا سکون غرق کر دیا ہے عرش کی خاطر میں نے ضبط کی بہت کوشش کی تھی مگر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔'' وہ مضطرب لہجے میں بولے۔

''بھائی آپ کے خدشات اگر درست ہیں تو یہی وقت ہے اس سے اپنائیت کے ساتھ پیش آنے کا' ہمیں اپنے ظرف کو بڑا کرنا ہوگا' درگزر سے کام لینا ہوگا پھر ہمیں یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی کہ عرش سے ہم سب الگ نہیں۔ وہ خود یہ سچ قبول کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ آپ کو عرش پر تو بھروسہ ہے وہ زنائشہ کو بھی یہ اجازت نہیں دے گا کہ کسی بھی وجہ سے ہمیں ہمارے مقام سے ہٹایا جائے۔''

''ہاں یہ تو اندازہ ہے' دو دن گزر چکے ہیں آ کر شکل تک نہیں دکھائی اب وہ یہاں صرف اس کی خاطر ہی آئے گا جس کی وجہ سے مجھ سے منہ پھیر گیا ہے۔ میری یا تم سب کی اب اہمیت ہی کیا رہ گئی ہے اس کی نظر میں۔'' شہرام تلخی سے بولے۔

''اس حد تک عرش سے بدگمان نہ ہوں آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ یہاں صرف اس لیے نہیں آ رہا کیونکہ وہ آپ سے ناراض ہے' کیا اسے حق نہیں رہا آپ سے ناراض ہونے کا؟'' شتران کے سوال پر وہ خاموش رہے۔

''اسے صرف زنائشہ کی پروا ہوتی تو آپ کے حکم اور اجازت کے بغیر زنائشہ کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور آپ زنائشہ کو ہی دیکھ لیں دو دن گزرنے کے باوجود وہ ہمارے گھر میں ہی ہے۔ وہ ابھی اگر یہاں سے جانا چاہے تو ہم میں سے کون زبردستی اسے روک سکتا ہے کیونکہ ہم اس کے سگے نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا

رشتہ ہے جس پر وہ یہاں مزید ٹھہرے مگر وہ یہیں ہمارے درمیان موجود ہے وجہ صرف عرش نہیں ہے بلکہ اس لیے بھی کہ کسی حد تک اسے اندازہ ہو چکا ہے کہ ہم سب عرش سے الگ نہیں ہیں۔" شفقران اپنے لفظوں پر زور دیتا بولا۔

"بھابی زنائشہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" شہرام کی خاموشی پر شفقران نے سحر سے پوچھا۔

"ڈاکٹر نے تو کہا تھا صبح تک بخار اتر جائے گا مگر ابھی تو بخار تیز ہے۔" سحر نے فکرمندی سے بتایا۔

"اور ہاں ایک بات مت بھول لیے گا کہ زنائشہ کے سامنے اس کے بھائی کا ذکر بالکل نہیں کرنا۔ اس کا نام بھی زنائشہ کے سامنے زبان پر کوئی نہ لائے کیونکہ زنائشہ کا اس سے بالکل کوئی رابطہ نہیں...... عرش کو جب بہتر لگے گا وہ زنائشہ کو خود اس کے بھائی کے بارے میں بتا دے گا۔" شفقران کے دھیمے رازدارانہ لہجے پر کسی کو سوال کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ کال بیل کی آواز پر سب ادھر متوجہ ہو گئے تھے۔

"اس وقت اتنے خراب موسم میں کون آ گیا؟" سحر حیرانگی سے بولیں۔

"عرش ہے جاؤ جلدی۔" شہرام کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شفقران آگے بڑھ گیا۔

"میں اس سے ملنے آیا ہوں۔" دھیمے لہجے میں وہ یوں مخاطب ہوا جیسے ان سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ بے اختیار سحر کی نگاہ شہرام کی جانب اٹھی۔ ان کے اثبات میں سر ہلانے پر سحر نے اسے دیکھا۔

"جاؤ سو رہی ہے جگانا مت اسے۔" ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سحر نے کہا۔ خاموشی سے شہرام اسے دیکھتے رہے جو کسی بھی جانب دیکھے بغیر تیز قدموں سے ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گیا۔ خوابناک مدھم روشنی میں اس کے خوابیدہ نقاہت زدہ نقوش دیکھتا وہ بیڈ کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں دھواں دھواں اور دل آہنی شکنجے میں جکڑا جا رہا تھا۔ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر عرش نے اس کا جلتا ہاتھ دھیرے سے اپنے یخ بستہ ہاتھ میں لیتے ہوئے لبوں سے لگا لیا تھا۔ دو دن میں اس کی حالت وہی ہو گئی تھی جس میں وہ اسے ہاسٹل سے اپنے گھر لے گیا تھا یا وہ اس سے بھی زیادہ ڈھے چکی تھی۔ چہرہ مرجھائے پھول جیسا ہو چکا تھا۔ عرش کا دل شدت سے مچلا اس کی آواز سننے کے لیے اس کی آنکھوں میں اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے مگر اچانک یہ احساس دل میں جاگتا اسے تڑپا گیا تھا کہ جیسے گزرے دو دن میں وہ اسے نام لے کر پکارنے کا حق بھی کہیں کھو چکا ہے مگر جذبے بول رہے تھے لبس اسے پکار رہا تھا جو ارد گرد سے غافل تھی مگر پھر بند پلکوں پر ٹھہرتا دو انگاروں جیسا جلتا عکس اسے غفلت سے باہر نکالنے لگا تھا۔ اس کی کھلتی نیم وا آنکھوں کی سرخیوں میں عرش کا دل ڈوبا تھا۔ سانس روکے عرش اس کے کسی ردعمل کا منتظر رہا مگر زنائشہ کی بھاری بوجھل پلکیں دوبارہ جھک گئی تھیں۔ اس کا ہاتھ اپنے سلگتے سینے سے لگائے وہ شاید ساری رات یونہی گزار دیتا اگر عقب سے دستک کے ساتھ سحر کی پکار نہ سنائی دیتی۔ وہ بس ایک پل کو ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"عرش......" اس سے پہلے کہ وہ دہلیز پار کر جاتا سحر نے اسے روکا۔

"ڈاکٹر اسے چیک کر گئے ہیں صبح تک بخار اتر جائے گا۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا جس کا تمہیں خدشہ ہے نہ وہ اس گھر سے کہیں جا رہی ہے نہ تم دور...... میں نے اس سے بات کی ہے وہ یقیناً میری بات سمجھ رہی ہے۔" سحر کے تسلی دینے پر وہ کچھ بھی بولے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کسی بھی جانب دیکھے بغیر وہ لاؤنج سے گزرتا گیٹ سے بس باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر عقب سے آتی شہرام کی پکار نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا مگر وہ بس رکا تھا پلٹ کر اس نے شہرام کی جانب نہیں دیکھا۔

"عرش...... غلطی کیا صرف تم سے ہی سرزد ہو سکتی ہے۔ مجھ سے نہیں؟ کیا میں اب اس قابل بھی نہیں رہا ہوں کہ تم میری جانب دیکھ سکو۔" شہرام کے کمزور دو زخمی لہجے میں کہے گئے یہ جملے عرش کے لیے بھاری ضرب سے کم نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ شہرام مایوس ہو کر اس کے سامنے سے ہٹ جاتے وہ سب کچھ بھولتا بے اختیار ان کے گلے سے لگ گیا۔

''اس طرح ناراض مت ہوا کرو میرے لیے اس گھر سے کیا ساری دنیا سے رونق ختم ہو جاتی ہے۔'' اس کی پشت کو تھپتھپاتے شہرام بولے۔

''آپ اس سے نفرت کرتے ہیں...... اسے پسند نہیں کرتے۔'' وہ لرزتے لہجے میں بولا۔

''تم یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہو لیکن میں بس یہ کہوں گا کہ جسے تم چاہتے ہو ہم سب پر بھی فرض ہے کہ اسے چاہیں...... اس کی عزت کریں۔'' شہرام کے گہرے سنجیدہ لہجے پر سحر نے سکون کا سانس لیا تھا۔

❁......❁❁......❁

''میرے لیے زرق سے رجاب کے تعلق کے انکشاف سے زیادہ تشویش ناک یہ بات ہے کہ زرق سے تمہیں اس حد تک خطرہ لاحق ہے اس کے ارادے جانتے ہوئے بھی تم اس کی طرف سے کیسے مطمئن رہ سکتے ہو۔ عرش...... اس پر بھروسہ کرکے تم بہت بڑی غلطی کرو گے۔'' شفقران کی تشویش اس کے تاثرات سے بھی عیاں تھی عرش نے کافی کا سپ لے کر ایک نگاہ اسے دیکھا اور پھر دوبارہ گلاس ونڈو سے باہر پھیلی تاریکی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس کی شدت کم ہوتی جارہی تھی۔

''جانتے ہو اس بات سے زیادہ بے چین کردینے والی چیز کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ اس دنیا میں ایک انسان ایسا ہے جو آپ سے اس حد تک نفرت کرتا ہے کہ جان لینے تک پرآمادہ ہوجائے۔'' باہر نگاہ جمائے وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

''ماضی میں بھی مجھے کبھی زرق سے نفرت نہیں تھی وہ تو اس وقت انتہائی قابل رحم تھا۔ اس نے جب، جب میرے سامنے زنائشہ کو مارا اس پر ہاتھ اٹھایا میرا دل چاہتا تھا کہ اسے اٹھا کر کہیں دور پھینک دوں مگر وہ تو پہلے ہی موت کے راستے پر چل رہا تھا اور پھر میں جانتا تھا کہ زنائشہ کو اس سے محبت ہے اس نے قبول کبھی نہیں کیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا۔ زرق اب بہت بدل چکا ہے مجھے اس کی پروا صرف زنائشہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لیے بھی ہے کہ اس کا تعلق میرے گزرے کل سے ہے۔ وہ مجھے جاننے کے ساتھ پہچانتا بھی ہے، میرے گرد ایسے چند ہی لوگ ہیں اور وہ مجھے عزیز ہیں۔ زرق بھی ان میں سے ایک ہے۔ مجھے افسوس صرف اس چیز کا ہے کہ میرا اخلاص، نیک نیتی بھی اس کے دل میں تھوڑی سی جگہ نہ بنا سکی۔ لیکن اثر کہیں نہ کہیں تو ہوا ہے۔ میں بس یہ امید ہی رکھ سکتا ہوں کہ وہ زنائشہ سے ملنے تک اپنی نفرت اور اشتعال کو قابو میں رکھے۔'' خاموش ہوکر عرش نے شفقران کو دیکھا۔ جو پرسوچ انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

''میں چاہتے ہوئے بھی زرق کے سامنے رجاب کا نام زبان پر نہیں لاسکا۔ رجاب کے بھائی سے زرق کا مضبوط تعلق ہے تو ظاہر ہے رجاب سے بھی اس کا تعلق گہرا ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ابھی خاموشی اختیار رکھیں۔ رجاب نے اس گھر میں آنے کا ایک راستہ بالآخر بنا ہی لیا ہے تاکہ وہ تم تک پہنچ سکے۔ ہمیں ابھی اس کی طرف سے کسی پیش قدمی کا انتظار کرنا ہوگا۔'' عرش نے بغور اسے دیکھتے ہوئے تائیدی لہجے میں کہا۔

''میں کسی بھی سنگینی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا ہوں عرش۔ جانتا ہوں مکافات عمل شروع ہونے جارہا ہے کسی پر قیامت ڈھانے کے بعد اب اس قیامت کے قہر کا سامنا مجھے کرنا ہی ہوگا۔ اس نے مجھ تک پہنچنے کا راستہ تو نکال لیا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ میں کتنی دیر تک اس کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑا رہ سکوں گا کس طرح ہر دن اس کی آنکھوں میں اپنا کریہہ چہرہ دیکھ سکوں گا؟'' شفقران کا لہجہ بہت کھوکھلا تھا۔

''عرش...... اگر اس کا زرق سے واقعی بہت گہرا تعلق ہوا اور اگر اس نے زرق کو میرے متعلق ہر سچائی سے آگاہ کردیا تو زرق میری وجہ سے تم سے اور زیادہ متنفر ہوسکتا ہے۔ تمہارے اور زنائشہ کے درمیان دیوار بھی کھڑی کرسکتا ہے۔'' شفقران نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''ابھی سے قیاس آرائیوں میں خود کو پریشان مت کرو۔ یہ معاملہ میرا اور زرق کا نہیں۔ تمہارا اور رجاب کا ہے۔ پہلے

اسے یہاں آنے دو۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اس نے تمہارے بارے میں ابھی کسی کو بھی نہیں بتایا...... وہ کیا چاہتی ہے؟ اس کا کیا ارادہ ہے؟ ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہے۔ تم کہیں بھاگ نہیں رہے اس کے سامنے ہی ہو۔ اس کے تیوروں سے سب اندازہ ہو جائے گا۔ زرق کو دماغ پر سوار مت کرو۔ تمہاری ساری توجہ صرف رجاب تک محدود رہنی چاہیے۔'' عرش کے سمجھانے پر شفران خاموش رہا مگر اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے موجود تھے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے بھائی کو اب زنائشہ کے میرے ساتھ گھر جانے پر اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' عرش نے پوچھا۔

''یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''بہرحال زنائشہ کی طبیعت کی وجہ سے تو ابھی بھابی خود اسے یہاں سے نہیں جانے دیں گی اور تمہیں اب اتنی فکر کیوں ہے۔ بھائی بہت حد تک کنوینس ہو چکے ہیں۔ جب چاہو زنائشہ کا ہاتھ پکڑو ساتھ لے جاؤ۔ یہ گھر بھی تم دونوں کا ہے اور وہ گھر بھی۔''

''پتہ نہیں شفران...... دل کو عجیب وسوسے کیوں رہتے ہیں گزرے وقت کی سختیوں کے بعد اب اس کا آنکھوں سے اوجھل ہونا ہی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ خیر مطمئن تو میں ہوں کہ وہ میرے گھر میں میرے محسنوں کے درمیان ہی تو ہے۔'' وہ گہرے سنجیدہ لہجے میں خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

❁......❁......❁......❁

''مجھے یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے تم آخر کس طرح سب کچھ بھلا کر اپنے ساتھ ساتھ ہم سب کی ریاضتوں پر بھی پانی پھیرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ تمہارا ضمیر آخر کس طرح اتنے گھٹیا اور مجرمانہ فعل پر آمادہ ہوا۔ تمہیں کسی صورت ایسا بھیانک اور انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا یا میرے سامنے اپنی بزدلی کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جانتے ہو اگر آغا جان کو تمہاری اس حرکت کا علم ہوا تو کیا گزرے گی ان پر ان کا بھروسہ تم پر سے ختم ہو گیا تو کیا رہ جائے گا باقی ہمارے اور تمہارے درمیان؟ مگر تم نے ایک بار بھی ہم سب کے بارے میں نہیں سوچا اپنی بہن کے لیے تم سب کو بھلا گئے۔ یہ تک نہ سوچا کہ تمہارے ہاتھ کسی انسان کے خون سے رنگے دیکھ کر ہمیں کس قیامت سے گزرنا پڑے گا۔'' رجاب شدید غم و غصے میں اس پر برس رہی تھی جو سر جھکائے ندامت سے چور تھا۔ وہ اس ردعمل کے لیے تیار تھا۔ جانتا تھا کہ رجاب سے اس کا یہ سچ برداشت نہیں ہوگا۔ یہ اس کا احساس جرم ہی تھا جو اسے رجاب کے سامنے زبان کھولنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ جو تم کرنے چلے تھے وہ تمہاری بہن کی بھلائی کے لیے تھا؟ نہیں اس شخص کو قتل تم صرف اپنی تسکین کے لیے کرتے کیونکہ تم اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنی بہن سے ملے بغیر کوئی قدم مت اٹھانا' پہلے اس کی خبر لو اس سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ کیا وہ اس شخص کے ساتھ خوش ہے یا نہیں؟ اس سے چھٹکارا چاہتی بھی ہے یا نہیں...... پھر کوئی فیصلہ کرنا مگر تم نے ایک بار پھر اپنی بہن کے معاملے میں خودغرضی کا مظاہرہ کیا ہے زرق۔ تم نے صرف اس بات کو اہمیت دی کہ تم کیا چاہتے ہو یہ نہیں سوچا کہ انجانے میں کہیں تم اپنی بہن کی زندگی مکمل برباد کرنے تو نہیں جا رہے ہو' اس شخص نے کچھ نہیں چھپایا تم سے' خود تم تک وہ آتا رہا' اس کے دل میں چور ہوتا تو تم یہ پتہ نہیں لگا سکتے تھے کہ تمہاری بہن ہاسٹل سے غائب ہو کر کس دنیا میں جا چھپی ہے' مگر تم جانتے ہو کہ اس وقت تمہاری بہن اس شخص کے محسنوں کے درمیان موجود ہے۔ اس شخص کو تم سے کسی فائدے کی امید نہیں ہو سکتی کسی نقصان کا خطرہ ضرور ہو سکتا ہے مگر پھر بھی اگر جو وہ تمہارے پیچھے آ رہا ہے تو صرف اس لیے کہ تم اس کی بیوی کے بھائی ہو۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری بہن تمہیں معاف کر کے تمہیں قبول کرے۔'' خاموش ہوتی رجاب اس پر سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

''رجاب پتہ نہیں اچانک کون سا جنون دماغ پر سوار ہوا تھا کہ مجھے واقعی کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا تم جس قدر مجھے برا بھلا

کہو کم ہے میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آئندہ میری طرف سے تمہیں کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔ اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کردو۔'' زرق کے شرمسار لہجے اور تاثرات پر رجاب نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

''زرق وہ شخص تمہارے لیے کتنا ہی قابل نفرت اور ناقابل قبول ہو مگر تمہیں یہ سچ قبول کرنا ہوگا کہ وہ تمہاری بہن کی زندگی میں بہت اہم مقام رکھتا ہے اور فی الحال تم سے بھی زیادہ مضبوط تعلق وہ شخص تمہاری بہن سے رکھتا ہے۔ تم بس یہ یاد رکھو کہ تمہیں اپنی بہن کی خوشی عزیز ہے تمہیں اس کی نظروں میں اور گرنا نہیں ہے بلکہ اس مقام تک پہنچنا ہے جسے تم نے خود گنوایا تھا۔'' رجاب کے سمجھانے والے لہجے پر وہ بس خاموش رہا۔

''اب تو مجھے جلد از جلد شہرام بھائی اور سحر بھابی کے گھر جانا ہے تاکہ میں وہاں تمہاری بہن سے ملاقات کرسکوں۔'' رجاب کے پُر اشتیاق لہجے پر زرق نے اسے دیکھا۔

''فکرمت کرو میں تمہارا ذکر اس کے سامنے نہیں کرنے والی۔ ویسے بھی تمہارے اور اس کے معاملے کی ذمہ داری اس کا شوہر لے چکا ہے لیکن میری ضرورت جہاں ہوئی تو پیچھے نہیں رہوں گی۔'' خاموش ہوتی وہ رومیل کی آواز پر متوجہ ہوئی جو اسے اور زرق کو گھر کے اندر آنے کا اشارہ کررہا تھا۔

''رجاب کیا تم واقعی شہرام کے بچوں کو پڑھانے ان کے گھر جانے کے لیے تیار ہو؟ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جسے پابندی سے نبھانا ہوگا۔'' راسب کھانے کے دوران یک دم رجاب سے مخاطب ہوئے۔

''کیوں آغا جان...... آپ کو یہ لگتا ہے کہ میں کوئی ذمہ داری پابندی سے نہیں نبھاسکتی؟'' رجاب کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا جب کہ زرق حیرت سے اس گفتگو کو سن رہا تھا اسے ابھی یہ پتا چلا تھا کہ رجاب شہرام کے بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری لے چکی ہے۔

''تم ذمہ دار ہو لیکن سوچے سمجھے بغیر تمہیں اتنی بڑی ذمہ داری نہیں لینی چاہیے تھی یہ فیصلہ کرتے وقت تمہیں مجھ سے یا ندا سے مشورہ تو کرنا چاہیے تھا۔'' راسب بولے۔

''جی یہ غلطی تو ہوگئی مجھ سے کہ خود ہی فیصلہ کرلیا۔ مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ اپنے لیے کوئی فیصلہ لینے کا اختیار مجھے نہیں ہے۔'' رجاب ان کی جانب دیکھے بغیر سرد لہجے میں بولی۔ راسب نے چونک کر اسے اور پھر ندا کو دیکھا۔

''اپنے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے تمہیں رجاب۔ مجھے تو مناسب لگا ہے یہ اچھی مصروفیت رہے گی ورنہ ہاسپٹل کے علاوہ تو تم گھر سے باہر نکلنے پر راضی ہی نہیں ہوتیں۔'' ندا ماحول کا تناؤ کم کرنے کے لیے بولی۔

''مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے تمہارے فیصلے پر مجھے بس یہ لگ رہا تھا کہ روز آنے جانے میں تم تھکاوٹ کا شکار نہ ہوجاؤ۔'' راسب اس کے سپاٹ تاثرات دیکھتے نرم لہجے میں بولے۔

''رجاب شام کی ٹائمنگ رکھنا وہاں آنے جانے کی میں تمہیں پک اینڈ ڈراپ کردیا کروں گا۔''

''بڑی نوازش مہربانی۔'' رجاب نے بگڑے موڈ میں ہی کہا۔

''کسی بات سے تو خوش ہوجایا کرو۔'' زرق کے خشمگیں لہجے پر ندا بے ساختہ ہنسی۔

''اب اس میں خوش ہونے والی کیا بات ہے تم نہ بھی کہتے تو مجھے پک اینڈ ڈراپ تم نے ہی کرنا تھا۔'' رجاب نے بھی خشمگین نظروں سے زرق کو دیکھا۔

❋......❋......❋......❋

''آپ کے گھر میں میری بہن کی بے عزتی ہوئی مگر پھر بھی آپ خاموش رہے آخر کیوں؟ آپ کی ماں بہنوں میں اتنا ہی دم خم تھا تو دل کا زہر نکالنے کے لیے مجھے اپنے در بار میں بلاتیں آپ نے تو نگاہ چرائی ہمیشہ کی طرح ان معاملات سے

جو میرے لیے بکے گئے۔ ان تمام گھٹیا الزامات سے جو میری بہن اور مجھ پر لگائے گئے مگر مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ ان تینوں کا سامنا کرتی۔ غلط کو غلط کہتی پر اپنی غیرت کو سلائے نہ رکھتی۔'' زرکاش کے سامنے کھڑی وہ شدید غیض و غضب میں تھی۔

''جو بددعائیں وہ میری بہن کے سامنے مجھے دیتی رہیں میرے منہ پر مجھے دیتیں مگر میری بہن کی تذلیل کا حق کس نے دیا تھا ان سب کو...... میری بہن آپ سب کے ٹکڑوں پر زندہ نہیں ہے مگر پھر بھی وہ خاموشی سے ذلت سمیٹ کر چلی آئی اور آپ نے ان تینوں سے باز پرس تک نہ کی۔ اپنی بہنوں کو مجبور تک نہ کیا کہ وہ میری بہن سے جھوٹے منہ معافی ہی مانگ لیتیں۔''

''دراج مجھے اندازہ نہیں تھا کہ رائمہ یوں زد میں آ جائے گی میں خود اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ وہ تو ہر چیز سے بے خبر تھی۔ میں تمہیں نہیں بتا سکا تھا کہ میری ایک خواہش نے گھر میں کیسا وبال اٹھا دیا ہے۔ رائمہ کو میری بے خبری اور غیر موجودگی میں گھر بلایا گیا تھا اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں پہلے اسے تاکید کر دیتا کہ کسی صورت ابھی گھر نہ جائے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں رائمہ کی بے عزتی پر خاموش رہا تھا' جس حد تک میں ان سب کے خلاف جا سکتا تھا میں گیا مگر تم اندازہ نہیں کر سکتی کہ امی' شزا اور شنذرا مجھ سے تمہارا نام سننے کے بعد کس حد تک برہم اور بدظن ہوں گی۔ ایسے میں وہ یہ کس طرح مان سکتی ہیں کہ رائمہ کے ساتھ ان سب نے زیادتی کی ہے یا وہ بے قصور ہے۔'' زرکاش انتہائی شرمندگی سے بولا۔

''ان سب کے اندر احساس نام کی چیز باقی ہوتی تو کسی کو ضرورت ہی کیا تھی یہ بتانے کی کہ انہوں نے غلط سے بھی زیادہ غلط کیا ہے مگر اب میرے سامنے آپ خود کو اس معاملے سے بری مت کریں اپنی ماں بہنوں کے سامنے میرے لیے اور میری بہن کے لیے آپ کس حد تک احتجاج کر سکتے ہیں اس کا بھی مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اگر صحیح معنوں میں ان سب کی خبر لی ہوتی' ان کو شرمندہ کیا ہوتا تو کم از کم آپ کی بہنیں ہی معافی مانگتیں بجیا سے۔ میں تو پہلے ہی ان سب کے لیے ایک بازاری عورت ہوں۔ میری بہن کے سامنے صاف یہ لقب مجھے دے چکی ہیں آپ کی بہنیں مگر ان سب کے سامنے آپ نے کمزوری کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ آپ کی نظر میں بھی وہی ہوں جو آپ کی ماں بہنیں مجھے کہہ چکی ہیں۔''

''دراج کوئی غلط بات منہ سے مت نکالو۔ رائمہ کے لیے میں ان سب کو جس حد تک غلط کہہ سکتا تھا میں کہہ چکا ہوں۔ اب اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ بدلحاظی سے پیش آؤں' ان کی تحقیر کروں' ان کے ساتھ وہی سلوک کروں جو ان سب نے رائمہ کے ساتھ کیا تھا تو مجھے بتاؤ کہ کیا فرق رہ جائے گا پھر صحیح اور غلط میں۔ ان سب نے جو بھی غلطی کی ہے میں اسے مانتا ہوں مگر میں اپنی ماں بہنوں کی تذلیل نہیں کر سکتا۔'' زرکاش سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

''تذلیل تو وہ سب آپ کی کر رہی ہیں۔ آپ تو حق بات کہنے کے لیے بھی ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتے۔ آپ کی زبان تو اپنی ماں بہنوں اور بھائی کے لیے محبت کے پھول برسانے کے لیے ہے مگر میری اور میری بہن کی بے عزتی پر صرف خاموش رہنے کے لیے ہے' آخر کیوں؟ عزت کیا صرف آپ کے گھر والوں کی ہے' کیا میری اور میری بہن کی کوئی عزت نہیں؟ ہمیں منہ اٹھا کر کچھ بھی کہا جا سکتا ہے' حقیر' فقیر' ذلیل کیا جا سکتا ہے؟ یہ آپ کو گوارا ہو سکتا ہے کیونکہ آپ کی نظر میں آپ کی ماں بہنیں سب سے اونچے مقام پر ہیں میں یا میری بہن نہیں۔ اب آپ کی یہ سیاست یہ منافقت نہیں چلے گی۔ میرے اندر غیرت باقی ہے جو مجھے میری بہن کی تذلیل برداشت نہیں کرنے دے رہی اگر آپ کی بہنوں نے میری بہن سے معافی نہ مانگی تو پھر مجھے آپ کے گھر تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ بہت شوق ہے آپ کی ماں بہنوں کو اپنے دربار میں عزت داروں کو بلا کر بے عزت کرنے کا۔ مزہ تو ان کو تب آئے گا کہ جسے وہ اپنے ہی جیسی آوارہ اور بازاری سمجھتی ہیں وہی ان شاءاللہ کا جواب پتھر سے دے کر ان سب کو اپنے اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کر دے گی پھر میں یہ ثابت

کر کے نکلوں گی اس گھر سے کہ میں نے اپنے دام گھر ے کیے یا ان دونوں نے اپنے......"

"اپنی حد میں رہو دراج...... میری خاموشی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ تم۔" زرکاش کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"میرے ہی سامنے تم میری ماں بہنوں کے لیے ایسے گھٹیا اور گرے الفاظ استعمال کر رہی ہو کسی کا نہیں تو میرا ہی لحاظ کرو۔" زرکاش کا لہجہ سخت غصے میں بھڑکتا ہوا تھا۔

"کیوں بات اپنی ماں بہنوں پر آئی تو آپ سے برداشت نہیں ہو رہا؟ اس سے کئی گنا زیادہ گھٹیا اور گرے ہوئے الفاظ میری بہن کے لیے اس کے منہ پر کہے گئے...... اس وقت یہ تیور کہاں سوئے ہوئے تھے آپ کے؟" دراج کی آواز مزید بلند ہوئی۔

"آپ کی چہیتی بہنیں اس قابل ہیں کہ میں اس سے بھی زیادہ گھٹیا الفاظ ان کے لیے استعمال کروں۔ اگر میں گھٹیا ہوں تو وہ گھٹیا ترین ہیں اگر میں بازاری ہوں تو اس بازار کو چلانے والی وہی دونوں ہیں۔"

"بکواس بند کرو بہت بول چکی ہو تم میں اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔" زرکاش کے بھڑک اٹھنے اور وارننگ دینے والے انداز پر اس کی رگوں میں انگارے دوڑ رہے تھے۔

"تو پھر مجھے کہنا پڑے گا کہ اپنے دوغلے رویے اور منافقت سے اس بازار کو لگانے والے آپ ہیں۔" وہ چیخی۔

"مت مجبور کرو مجھے کہ میں خود تمہاری زبان کو لگام دوں۔" زرکاش کا چہرہ تپ کر انگار ہو گیا تھا۔

"پہلے اپنے گھر والوں کو لگام ڈالیں اگر ہمت ہے تو۔" وہ خونخوار لہجے میں غرائی۔

"دراج اگر میرا ہاتھ تم پر اٹھا تو اس کی ذمہ دار تم ہو گی۔"

"پہلے آپ اپنا ہاتھ اپنی بہنوں پر اٹھائیں ان کی فحش کلامی پر...... مگر آپ یہ کیسے کر سکتے ہیں آپ تو اپنے بھائی کا ہاتھ بھی مجھ پر اٹھنے سے نہیں روک سکے تھے۔ بھائی بہنوں کو سینے سے لگائے رکھنے اور ماں کے گھٹنوں سے لگے رہنے کے سوا کچھ نہیں کیا آپ نے میری طرف داری میں...... مگر آج یہ معاملہ آر یا پار کیے بغیر آپ دامن نہیں چھڑا سکتے کیونکہ بات اب میری بہن کی عزت و حرمت تک پہنچ گئی ہے یا تو آپ کی بہنیں میری بہن سے معافی مانگیں گی یا پھر آپ آج اور اسی وقت مجھ سے کورٹ میرج کریں گے۔" اس کے قطعی لہجے پر زرکاش کا ضبط ختم ہونے لگا تھا۔

"میں ہاتھ جوڑ کر ہزار بار رائمہ سے معافی مانگ لوں گا۔ تم سے بھی مانگتا رہوں گا مگر ابھی اس بحث کو بند کر دو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ کورٹ میرج کی بات میرے سامنے مت کرنا۔ زیب نہیں دیتا یہ ہمیں ہمارے پیچھے ہمارا خاندان ہے۔ میں اور تم لاوارث نہیں ہیں۔ میں ایسا کوئی مطالبہ نہیں مان سکتا جو میرے اور تمہارے باپ کا نام خراب کر دے مجھے اپنے دماغ سے چلانے کی کوشش مت کرو۔"

"اپنے اور میرے باپ کی آڑ میں آپ اپنی بزدلی کو نہیں چھپائیں۔ اپنے گھر والوں سے چھپ کر آپ مجھ سے تعلق رکھ سکتے ہیں مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود اب تک اس تعلق کو ایک مقدس نام دینے کی ہمت تک نہیں کر سکے آپ۔"

"قبول کر لیا ہے میں نے کہ میں دوغلا ہوں' منافق ہوں' بزدل ہوں' غیرت باقی نہیں رہی مجھ میں' تمہاری نظر میں میں دو کوڑی کا ہو سکتا ہوں مگر یہ سن لو کہ اب تمہاری وجہ سے میں کم از کم اپنی ماں کو اور مزید دھوکہ نہیں دے سکتا کبھی بھی نہیں۔" زرکاش کے بپھرے بلند قطعی لہجے پر دراج سر سے پیر تک سلگ اٹھی۔

"میری وجہ سے کیا دھوکہ دیا ہے آپ نے اپنی ماں کو؟" وہ حلق کے بل چیخی۔

"جن یتیم لڑکیوں پر آپ کے گھر والوں نے زندگی تنگ کی جن کے سر سے چھت چھین لی ان لڑکیوں کو سہارا دے کر آپ نے دھوکہ دیا؟ اپنے گھر والوں کے خوف سے ان سے چھپا کر آپ سہارے کے نام پر مجھے خیرات دیتے رہے جس کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ثبوت آپ اپنے لیے جمع کررہے ہیں۔ میرے سامنے اب یہ ڈھونگ مت کریں کہ میری وجہ سے آپ نے اپنی ماں کو دھوکہ دیا...... اس وقت تو میں آپ کی ذمہ داری تھی جب بجیا اور اسد بھائی مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ اب میں دھوکہ دینے کی وجہ ہوگئی آپ کے لیے۔"

"دراج میں کئی سال اپنی ماں سے دور رہا ہوں۔ مجھے کسی ایسے کام کے لیے مجبور مت کرو جو مجھے پھر ان سے دور کردے۔ ان سے اب دور ہونا میرے لیے موت ہے۔ میں اب اور کچھ کہنا سننا نہیں چاہتا۔ تم بھی میرے ساتھ وہی سب کررہی ہو جو میرے گھر میں میرے ساتھ ہورہا ہے۔ میری ماں میرا چہرہ تک نہیں دیکھ رہی۔ میری بہنیں مجھ سے کلام نہیں کررہی ہیں۔ اس جگہ رکتی نہیں جہاں میں موجود ہوتا ہوں۔ یہ اذیت میں صرف تمہارے لیے برداشت کررہا ہوں اور تم......"

"ان سب کا درد ہی آپ کے دل میں جاگ رہا ہے جو آپ کی عزت اور حیثیت مٹی میں ملا چکی ہیں۔"

"باہر جاؤ میں اب تمہارا ایک جملہ بھی نہیں برداشت کروں گا۔" زرکاش مشتعل لہجے میں بمشکل ضبط کرتا بولا۔

"سچ تو سننا ہی پڑے گا۔ اپنی ماں سے دور آپ ان کی وجہ سے ہوئے۔ آسائشوں اور روپے پیسے کے لیے آپ کی ماں نے ہی آپ کو خود سے دور کیا۔ آج تک آپ اپنی ماں کے لیے ان کی باقی اولادوں کے لیے ہی قربانی دے رہے ہیں اور وہ آپ کا خون پیتے پیتے نہیں تھک رہی ہیں۔"

"دراج آخری بار کہتا ہوں اپنی بکواس بند کردو۔" پہلی بار زرکاش کی آواز اس حد تک بلند تھی کہ دراج کی سماعت بھی ایک دو پل کے لیے سن ہوگئی تھی۔

"بکواس تو آپ نے کی ہے مجھ پر......" دراج کی بات ادھوری رہ گئی جب زرکاش ایک جھٹکے سے اس کا بازو گرفت میں لے کر کھینچتا ہوا اسے کمرے سے باہر لایا اور پھر مین گیٹ کی سمت اسے دھکیل دیا تھا۔ بمشکل خود کو سنبھالتی وہ اپنا توازن برقرار رکھ سکی تھی۔

"نکل جاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں قدم بھی مت رکھنا...... میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" آگ برساتے لہجے میں وہ شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا دھاڑا اور پھر پلٹ کر واپس کمرے کی طرف چلا گیا۔ چند لمحوں تک سن کھڑی وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بند ہوتے دروازے کو دیکھتی رہی پھر تیز قدموں کے ساتھ لاؤنج تک آکر اس نے ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھا کر کھولا۔ اپارٹمنٹ کی جو دوسری چابیاں زرکاش نے اسے دے رکھی تھیں ان چابیوں کا گچھا نکال کر اس نے گلاس ٹیبل پر پھینکا اور پھر کسی بھی جانب دیکھے بغیر تیزی سے اپارٹمنٹ سے نکلتی چلی گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دوہرا معیار

نیلم شہزادی

"چٹاخ...... چٹاخ۔" کچن سے آتی آوازیں کانوں کے پردوں میں گھس کر سوئے ہوئے دماغ تک باآسانی رسائی حاصل کرگئی تھیں۔ اس کا ذہن بیدار ہوا تو وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ ہفتے بھر کی تھکاوٹ آج خوب سو کر اتارے گا۔ آخر ایک ہی تو چھٹی ہوتی ہے ہفتے میں...... مگر بھلا ہو اس کی نصف بہتر کا' جس نے صبح ہی صبح کچن میں اٹھا پٹخ شروع کردی تھی۔ وقفے وقفے سے گرتے برتن مسلسل چلاتی نادیہ اور وقفے وقفے سے گرتے برتن بیک گراؤنڈ دھمک پیدا کررہے تھے۔ عدنان نے ایک لمبی سی سرد آہ بھری اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مسز نادیہ عدنان یوں تو شگفتہ مزاج تھی۔ ہر کام مناسب طریقے سے انجام دیتی تھی۔ پھرتیلی نہیں تھی تو کاہل بھی نہیں تھی۔ لیکن پچھلے پانچ سالوں میں تین بچوں کی پیدائش اور ان کی ذمہ داریوں سے وہ تھوڑی چڑچڑی ہوگئی تھی۔ اسی لیے گھر پر توجہ بھی کم ہوگئی تھی۔ اوپری طرح سے کی جانے والی صفائی کے نتیجے میں گھر کی ہر چیز میلی میلی سی دکھتی تھی۔ کچن کی شیلف پر چکناہٹ اور باتھ روم کی ٹائلز پر پیلاہٹ جم کر اب ان کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔ کونے کھدروں میں جالے لگے تھے مگر عدنان نے اس سب کے ساتھ سمجھوتا کرلیا تھا۔

"ٹھاہ......" اب کی بار گرایا جانے والا برتن غصے کا شدید اظہار تھا۔ عدنان تھوڑی کھجاتا اٹھا اور ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ بچے سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ عدنان نے بڑے دونوں بیٹوں کو بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور چھوٹی کو گود میں لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ تبھی نصف بہتر کچن سے برآمد ہوئی۔ کفگیر ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا اور اب ساری جھنجھلاہٹ اور غصہ عدنان پر نکلنے لگا۔

"آپا...... اکلوتی نند صاحبہ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟ بہت صفائی پسند ہیں۔ نفاست پسند ہیں۔" منہ بگاڑ کر کہا۔ "ہونہہ آجاتی ہیں ہم پر اپنے سگھڑاپے کا رعب جمانے...... ہم تو جیسے جاہل اور پھوہڑ ہیں۔" عدنان معصوم سی صورت بنا کر انتہائی فرماں بردار شوہر کا کردار ادا کرنے کی کوشش کررہا تھا کبھی سر نفی میں ہلاتا کبھی ہاں میں۔

بات کچھ یوں ہے کہ عدنان کی آپا دو دن کے لیے بھائی کے گھر ٹھہرنے آئی تھیں۔ فارغ بیٹھنے کی انہیں عادت نہیں تھی۔ چند گھنٹے تو مہمان بن کر بیٹھی رہیں۔ پھر حسب عادت گھر کے کاموں میں معروف ہوگئیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اور بھاوج کے مزاج بگڑنا شروع ہو گئے۔ آپا نے باتھ روم میں تیزاب ڈال کر ٹائلز کو چمکا ڈالا' ڈرائنگ روم کی صفائی کی۔ جالے اتار دیئے۔ واشنگ مشین لگا کر سارے کپڑے دھو ڈالے اور بھاوج کھسیانی ہنسی چہرے پر سجائے برابر منع کرتی رہی۔

"ارے آپا آپ بیٹھیں میں کر لیتی ہوں۔" مگر آپا مسکرا دیں۔

"آپا چھوڑیں ناں...... میں اتوار کو مشین لگا لوں گی۔" مگر آپا نے مسکرا کر سنی ان سنی کر دی۔

"اگلے ہفتہ صفائی کا منانے کا ارادہ ہے میرا...... آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں۔" نادیہ نے ایک بار پھر انہیں روکنے کی کوشش کی۔

"میرا بھی تو گھر ہے کچھ نہیں ہوتا۔ یوں بھی صفائی نصف ایمان ہے۔" آپا نے کہا۔

اب آپا نے تو کہنے کو ایک بات کہہ دی لیکن بھلا ہو نادیہ نے اپنی مرضی کا مطلب نکالا اور اسی لیے آج عدنان کو کھری کھری سنائے جا رہی تھیں۔ بہت دیر تک بولتے رہنے کے بعد اب وہ بڑبڑانے لگی تھیں۔ عدنان بچوں کو لے کر باہر چلا گیا۔

"اونہہ...... یوں ہنس ہنس کر ڈرائنگ روم کی صفائی کر رہی تھیں جیسے آج سے پہلے تو کسی نے صفائی کی ہی نہیں۔ آ جاتی ہیں اپنا گھڑاپا دکھانے۔" ایک

بار پھر اونہہ کیا...... مطلب غصہ ابھی باقی تھا۔
"ارے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ کام میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔ پر ناں جی انہیں تو موقع چاہیے بھاوج کو شرمندہ کرنے کا۔" کافی دیر کڑھتے رہنے سے اب سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ سننے والا بھی تو اب سامنے نہیں تھا۔ سو وہ بھی ادھر ہی صوفے پر لیٹ گئی۔ کافی دیر بعد بچوں کے شور سے آنکھ کھلی۔ شام کے سائے تیزی سے پھیل رہے تھے۔ عدنان جانتا تھا کہ اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسی لیے اس کے لیے فروٹ چاٹ اور دیگر لوازمات پیک کروالیے تھے۔ ڈوبتے دن کے ساتھ نادیہ کا غصہ بھی ڈوب گیا تھا۔

......☆☆......

عدنان آفس سے تھکا ہارا گھر آیا تو گھر میں قدم رکھتے ہی ایک سرشاری سی پورے جسم میں اترتی چلی گئی۔ دھلا دھلایا لان اور ہرے بھرے پودے دیکھ کر دل و دماغ معطر ہو گئے۔ کچن میں قدم رکھتے ہی بھوک چمک اٹھی۔ صاف شفاف کچن میں ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ پر رکھی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبو مزے دار کھانے کی نوید سنا رہی تھی۔ وہ خوشی خوشی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اندر سے آتی ماریہ کی (نادیہ کی چھوٹی بہن) آواز نے طبیعت پر اچھا خاصا خوش گوار اثر ڈالا۔ عدنان اسے چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتے تھے۔ دونوں میں خوب دوستی تھی۔ خوب گپ شپ کی گئی۔ بعد میں خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ پھر آئس کریم کھانے کے لیے سب باہر گئے اور دیر تک گھومتے پھرتے رہے۔ ایک بھرپور شام گزارنے کے بعد جب رات کو عدنان سونے کے لیے لیٹا تو نادیہ کی آواز آئی۔

"کتنی رونق لگا دیتی ہے ماریہ...... ہے ناں؟" نادیہ کی آواز میں بہن کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ عدنان نے مسکرا کر تائید کی اور آنکھیں موندلیں۔ مگر نادیہ کی بات تو ابھی شروع ہوئی تھی اور یوں بھی نادیہ کی چرب زبانی کی صلاحیت تو ماشاءاللہ۔

"بہن ہو تو ایسی...... اتنی ایکٹو۔ اتنی چست جب سے آئی ہے کاموں میں مصروف ہے۔ مجھے تو ہاتھ بھی لگانے نہیں دیا کسی کام میں۔ صاف ستھرا کچن اس کے سگھڑاپے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہر ہر چیز کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ اسی لیے ہر چیز چمک رہی ہے۔"

"اوہ تو وہ کچن کی صفائی ماریہ نے کی؟ میں بھی کہوں میری نصف بہتر کو کیسے وقت مل گیا۔" عدنان نے دل ہی دل میں کہا۔

"سن رہے ہیں آپ۔" نادیہ نے سوچوں میں مگن عدنان کا کندھا ہلایا۔

"ہاں جی سن رہا ہوں۔" عدنان بمشکل مسکرایا

کیوں کہ اس کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"میری بہن جب بھی آتی ہے سارا گھر سنبھال لیتی ہے۔ایسی صفائی پسند طبیعت ہے اس کی۔سارا گھر صاف کیا کھانا پکایا ریفریجریٹر کی صفائی کی۔میری تو ساری تھکن اتر گئی۔"

"بہت سلیقہ ہے میری بہن میں۔ میں تو اس کا احسان مانتی ہوں بھئی۔ میں احسان فراموش تھوڑی ہوں۔"

"جی جی بجا فرما رہی ہیں۔ بھلا کون کرتا ہے کسی کے گھر کا کام۔ایسا سلیقہ اور سگھڑاپہ ہر کسی میں تھوڑی ہوتا ہے۔"

"جی جیسے میری بیگم میں نہیں ہے......" عدنان نے اب بھی سوچنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔نادیہ کے ہر لفظ میں بہن کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

عدنان نے کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن اسے جو سوچ تنگ کر رہی تھی وہ نادیہ سے بیان نہیں کر سکتا تھا۔آخر گھر کا سکون بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔اپنی نصف بہتر کی دوہری پالیسی نے اس کے چودہ طبق روشن کردیے تھے۔آپا کا آنا اور ان کا گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا' نادیہ کے پھوہڑپن کی تشہیر تھا اور اپنے سلیقے کی دھاک بٹھا کر نادیہ کو شرمندہ کرنا مقصود تھا۔یہی کام جب نادیہ کی بہن نے کیے تو احسان سلیقہ مندی اور خلوص بن گیا۔

"واہ رے پیاری بیگم صاحبہ کیا کہنے......"

اگلے چند لمحوں میں نادیہ سو چکی تھی۔نادیہ کے ہلکے ہلکے خراٹے اس کی گہری نیند کے غماز تھے۔بے چینی سے کروٹیں بدلتا عدنان الجھے ذہن کے ساتھ سونے کی کوشش کرنے لگا۔

"آہ...... یہ ہمارا دوہرا معیار' ہمارے ذہن کی اختراع جو مقدس رشتوں کے مابین تفاوت کی لکیر کھینچ ڈالتا ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ ہم اپنے ذہن پر چھائی کثافت کی وجہ سے کسی کے خلوص کو خودغرضی اور کسی کے خلوص کو اخلاص کا نام دے دیتے ہیں اور ایسا کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اپنی کمزور و پست سوچ کا اظہار کر کے اپنے دل میں چھپا میل عیاں کر رہے ہیں۔

آئیے سوچتے ہیں کہیں ہم بھی کسی دوہرے معیار کا شکار تو نہیں۔آخر یہ بھی ایک اخلاقی بیماری ہے اور ہر بیماری کا علاج ضروری ہے۔ورنہ نتائج خطرناک بھی ہوسکتے ہیں۔

کھاؤ من بھاتا پہنو جگ بھاتا

عائشہ تنویر

''کھاؤ من بھاتا' پہنو جگ بھاتا۔'' اسکول میں جب ہم نے پہلی بار یہ ضرب المثل سنی تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہماری سخت گیر استانی ہمارے اس قدر بے موقع آنسو دیکھ کر پریشان سے زیادہ حیران ہوئی تھیں۔

''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے اپنی لمبی چھڑی سے یوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا کہ ایک لمحے کو ہم سمجھے کہ وہ آنکھ نکال کر ہاتھ پر رکھ کر بغور معائنہ کرنے والی ہیں شکر ہے کہ آنکھ سے ایک انچ کے فاصلے پر ان کی چھڑی ٹھہر گئی تھی۔ ہم نے حفظ ماتقدم کے طور پر تھوڑا اور پیچھے ہوکر چھڑی سے فاصلہ بڑھاتے جواب دیا۔

''اماں یاد آگئی تھیں۔''

''چچ...... چچ بہت نیک خاتون تھیں' اللہ مغفرت کرے' کب گزریں مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔'' انہوں نے ہمدردی کا چولہ پہننا چاہا لیکن ہم بدک گئے۔

''کہاں سے کب گزریں مس جی' اماں تو گھر سے نکلتی ہی بہت کم ہیں۔''

''تو ٹسوے کیوں بہائے جارہے ہیں' پوری کلاس ڈسٹرب کرکے رکھ دی۔'' اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے دانت کچکچاتے' طنز کرتے انہوں نے اپنا سرکاری اسکول کی استانی ہونے کا ثبوت پیش کیا اور سارے چولے اتار کر اصلی رنگ میں آئیں حالانکہ ہم تو محض بے ارادہ آنسوؤں کے خطا کار ہوئے تھے' لیکچر چھوڑ کر دوسروں کی زندگی کم کرنے تو وہ خود تشریف لائی تھیں۔

بہرحال اب انہیں ہم کیا اپنی داستان غم سناتے۔ ہمیں تو اچانک یہ صدمہ ہوا تھا کہ کاش کبھی اماں نے بھی اسکول کا منہ دیکھا ہوتا تو شاید یہ ضرب المثل سن لیتیں اور آج ہم بھی اپنی پسند کا کچھ کھا سکتے۔ اماں کا پسندیدہ مقولہ شاید ''کھلاؤ من بھاتا' پہناؤ من بھاتا'' تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ہمیں بچپن سے ہی بینگن سخت ناپسند تھے' اس کی وجہ بینگن کی وہ فصل تھی جو ہمارے صحن میں موجود تھی۔

بچپن میں اماں جی خود مصروف ہوتیں تو ایک بینگن توڑ کر ہاتھ میں کھیلنے کے لیے پکڑا دیتیں' ہم بھی معصوم تھے' اسے ہی گیند سمجھ کر کھیل لیتے' کبھی نہیں کھیلتے اور سستی سے پڑے رہتے تو آئرن کی کمی کا اندیشہ لیے وہی بینگن اماں جی ہمیں کھلانا شروع کردیتیں اور تو اور جب ہم کہیں سر مار کر اپنے ایک عدد ذاتی بینگن سے ماتھا سجائے بیٹھے ہوتے تو وہ دو تین بینگن وار کر نظر بھی اتار دیتیں۔

☆☆☆☆☆☆

ہمیں یاد ہے کچھ عرصہ پہلے ہمیں یہ خیال فاسد گزرا کہ اب ہم بڑے ہوچکے ہیں' ہماری بھی کوئی پسند' ناپسند ہے۔ ہم نے دوپہر کے کھانے میں بینگن کا بھرتہ کھانے سے انکار کردیا۔ اماں جی نے چنداں دھیان نہ دیا۔ کچھ دیر گزری اور بھوک بے حال کرنے لگی تو ہم نے انا بالائے طاق رکھتے نرمی سے پوچھا۔

''کھانے میں کچھ اور نہیں۔''

"ہے ناں کھٹے بینگن پکا کر رکھے ہیں تمہارے ابا جی کے لیے تم بھی کھا لو۔" ہم پیر پٹختے اپنے کمرے میں جا بیٹھے تھوڑی دیر گزری تھی کہ اماں جی بھی پیچھے آگئیں۔

"نہ چاند یوں رزق کی بے ادبی نہیں کرتے چلو میں تمہیں بھرا ہوا پراٹھا بنا دوں۔"

"کس چیز کا۔" اٹھتے اٹھتے ہم نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

"بینگن کے بھرتے کا۔" اماں جی کا جواب ہماری تسلی کروا گیا تھا۔ شکوہ کناں نگاہوں سے اماں جی کو دیکھتے ہم دوبارہ ڈھے گئے اور وہ باہر نکل گئیں۔

باہر سے آتی کھانے کی خوشبو اور سب کی آوازیں ہماری بھوک چمکا رہی تھیں۔ ہم پھولے ہوئے منہ کے ساتھ باہر نکلے۔

"رائتہ نہیں ہے۔" آخر پیٹ پوجا کا کچھ بندوبست تو کرنا ہی تھا۔

"بینگن کا رائتہ ابھی بنایا ہے۔" اماں جی نے خوش ہو کر پیالہ دکھایا خوش رنگ خوشبودار ٹھنڈا رائتہ ہمیں گرم کر گیا۔

اب ہم کمرے میں دروازے کھڑکیاں بند کر کے دکھی گانے لگا کر کروٹیں بدل رہے تھے۔ یوں بھوک میں نیند تو کیا خاک آنی تھی بس وقت کاٹ رہے تھے۔ کچھ دیر کو آنکھ لگ گئی تو خواب میں بھی کھانے کے پیچھے بھاگتے رہے۔

بریانی کا پیکٹ کھولا تو وہ بینگن کی بریانی نکلی دکاندار سموسوں میں بینگن بھر کر بیچ رہے تھے حد تو یہ کہ میٹھے میں بھی بینگن کی کھیر اور حلوہ رکھے تھے اور نجانے کیا کیا۔

آنکھ کھلی تو عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ نماز پڑھ کر باہر

نکلے تو فضا میں ہر طرف چائے' پکوڑوں کی خوشبو پھیلی تھی۔

ہم بے تابی سے کچن کی طرف لپکے' ایک چولہے پر چائے پک رہی تھی اور دوسری طرف اماں جی بہت مہارت سے بینگن کے پکوڑے تل کر نکال رہی تھیں۔

ہماری امیدوں پر اوس پڑ گئی بلکہ ٹھنڈے پانی کی پوری بالٹی گرا دی گئی۔ دکھی دل کے ساتھ جب ہم چائے کے گھونٹ بھر رہے تھے۔ تب اماں جی کیاری سے بینگن چن رہی تھیں کیونکہ قیمہ کم تھا' سالن پورا کرنے کے لیے بینگن ڈالنا ناگزیر تھے۔

آخر ہار مان کر رات کے کھانے میں ہم نے چن چن کر بینگن کھائے اور قیمہ چھوٹے بہن بھائیوں کو دے دیا۔

جب قسمت میں بینگن لکھے تھے تو بھاگ کر کہاں جاتے۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ بینگن کے علاوہ کبھی کچھ پکتا ہی نہیں ہو ہمارے گھر میں۔

جو چیز سستی ملتی اماں لے لیتیں۔ مثلاً جن دنوں آلو سستے ملتے تو ہم فرنچ فرائز' کٹلس کی عیاشی کرتے۔ جیسے ہی ان کا ریٹ بڑھتا' آلو بینگن کے سالن میں بھی آلو کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہو جاتی۔

یہی حال گوشت کا تھا' گھر میں صرف مرغی کا گوشت آتا' وہ بھی ان دنوں جب شدید گرمی میں مرغی کی قیمت بہت کم ہو جاتی' لوگ گرمی سے مر رہے ہوتے اور ہم سوپ بنا کر پیتے' آخر شوق بھی تو پورا کرنا ہے۔

کھانے پینے پر سمجھوتہ کرتے بات لباس کی آتی تو یہاں بھی اماں کی مرضی چلتی۔ جب پوری کلاس کی لڑکیاں فنکشن کے لیے سیاہ انار کلی فراک پر متفق ہو جاتیں تو اماں اپنے جہیز کی سرخ ساڑھی سے کرتا' پاجامہ بنا کر ہمیں تھما دیتیں' اس بیان کے ساتھ پہننا ہے تو پہنو' ورنہ گھر بیٹھو' درخت پر نہیں لگتے پیسے۔ پڑھنے بھیجا ہے' فیشن شو کا حصہ بننے نہیں۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنے پاؤں چادر سے باہر نکالنے پر مصر تھے۔ ہمیں اپنی چھوٹی سی چادر کا اندازہ تھا جس کے اندر رہنے کے لیے ہمیں کچھوے کی طرح سر' ہاتھ پاؤں سب چھپانا پڑتا ہے۔

☆☆☆☆❁☆☆☆

بازار جا کر اگر ہم بجٹ میں رہتے ہوئے بھی کسی سوٹ کا انتخاب کر لیتے تو بھی وہ کم ہی ہمارا نصیب بنتا۔ ہماری اماں کی پسند پر پورا اترنے کے لیے سوٹ کی صرف کم قیمت یا خوب صورتی کافی نہیں بلکہ وہ دوپٹہ چھوٹا ہے' کپڑا باریک ہے جیسی بنیادوں پر بھی سوٹ ریجیکٹ کر دیتیں۔ کبھی ہم آدھی آستین سلوانا چاہتے تو اقدار پر طویل لیکچر ملتا' کٹ والے ٹراؤزر یا کیپری کے نام پر تو لیکچر بھی سننے کو نہیں ملا' بس ایک قہر بھری گھوری نے ہمیں خاموش کروا دیا۔

پہننا اوڑھنا تو اور بات گھر میں ہونے والی کسی تقریب کے مہمان بھی ہماری مرضی کے نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنی اسکول کی دوستوں کو بلانے کی بات کی تو اماں نے بے اعتنائی سے سر جھٹکا۔

"اتنے عرصے سے ملی نہیں تو اب کیا بلانا۔"

"اسی لیے تو بلانا ہے تاکہ ملاقات ہو جائے۔" ہم نے جوش سے جواب دیا۔

"ہاں' تم سہیلیاں سنبھال کر بیٹھ جاؤ گی تو کام کون کرے گا۔ کسی دن گھر چلی جانا فرصت سے۔" اماں نے ہمیں گھورا۔ ہم بھی ایک نمبر کے ڈھیٹ تھے' ہار مانے بغیر نیا آئیڈیا لائے۔

"تو پھر یونیورسٹی کی دوستوں کو بلا لیتی ہوں۔ وعدہ سارے کام کروں گی۔ ان کے پاس نہیں بیٹھوں گی۔ ان سے تو روز یونیورسٹی میں ملتی ہی ہوں۔"

"جب روز مل لیتی ہو تو ایک دن سکون بھی لینے دو انہیں۔ خاندان برادری آئے نہ آئے ان کی سہیلیاں قضا نہ ہوں۔" اماں بڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

اماں کے اسی طرز عمل کی وجہ سے اپنی شادی طے ہونے پر بھی ہم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اماں سب دوستوں کو بلا لوں ناں۔"

"بالکل میری چندا...... میں نے تمہیں کب کسی بات سے منع کیا۔" اماں نے ہمارے ہوش میں پہلی بار پیشانی چوم کر پیار سے جواب دیا تھا۔

دل تو چاہا کہ دولہا سے لے کر پارلر اور جہیز تک میں شامل اماں کی آمریت گنواؤں لیکن ماتھے پر نرم گرم لمس تازہ تھا اور اماں کے پاؤں میں پہنی چپل بالکل نئی۔ اپنی عزت' اپنے ہاتھ کے تحت ہم خاموش ہوگئے۔

☆☆☆☆☆☆

شادی کے بعد گو بینگن کی فصل ہم نے اپنے گھر نہیں لگائی لیکن بینگن دیکھتے ہی اماں کی یاد یوں آتی کہ ہمیں بینگن پر پیار آجاتا۔ اس طرح بینگن ہماری پسندیدہ سبزی بن گئی۔ روز روز بینگن پکانے پر جب ہمارے سرتاج منہ بناتے تو ہم جھٹ بینگن کے فوائد گنوانے بیٹھ جاتے۔ اماں نے بینگن کی افادیت اتنی بار اور اتنی تفصیل سے بتائی تھی کہ لاشعوری طور پر ہمیں یاد تھی۔ ہمارے میاں کے بقول ہم سوتے میں بھی بینگن پر لیکچر دے رہے ہوتے ہیں۔

ماں بننے کے بعد تو ہماری ساری جمہوریت پسندی غائب ہوگئی۔ اماں کی طرح اپنے بچوں کی اچھی صحت کے لیے زبردستی سبزیاں کھلائیں اور مشرقی اقدار سے جڑے رہنے کے لیے جینز' شرٹ کے بجائے کرتا' شلوار پر زور دیا۔

کبھی کبھار بچت کی خاطر کلر ڈے پر سرخ کی بجائے میرون لباس بھی پہننے پر مجبور کیا۔

گھورتے تو ہم اتنا اچھا تھے کہ کیا ہی اماں ہمیں گھورتی تھیں۔ کسی پرانی دوست نے جب بچوں کی ہمدردی میں "کھاؤ من بھاتا' پہنو جگ بھاتا۔" کا مقولہ اور کلاس روم میں ہماری حالت یاد کروانی چاہی تو ہم نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"مائیں اپنے بچوں کا من بھی ہوتی ہیں اور جگ بھی سو ان کی پسند سب سے مقدم ہے۔" اس اعلیٰ تشریح پر ہماری سہیلی لاجواب اور ان کی اماں ہمیں پیار کرنے کو بے تاب ہوگئیں۔

حصہ 3

محبت گزیدہ

قرۃ العین سکندر

نکاح ہوتے ہی ریحان نے گہری سانس خارج کی۔اس کا ذہنی اضطراب جو اتنے دنوں سے اس پر حاوی تھا۔اب سب ٹھیک ہوگیا تھا اور وہ واقعی بے حد خوش تھا اور سب کے چہرے خوشیوں سے آسودہ تھے۔ان ساری خوشیوں میں ایک دل بے حد تنہا اور اداس وملول تھا' وہ زویا کا دل تھا' اس قدر خوشیوں سے پُر ماحول میں اسے زریاب کا خیال ستا رہا تھا' نجانے وہ کہاں ہوگا؟ اسے اتنے دنوں سے اس نے دیکھا بھی نہ تھا اور یہاں آناً فاناً اتنا کچھ بدل گیا تھا۔زیبا اب رخصت ہوجاتی اور اس سے جدائی بھی اسے سوگوار کررہی تھی۔زیبا بھی اچانک رو دی تھی۔سب حیران پریشان ہورہے تھے۔

"زویا ان سے کہو ابھی صرف نکاح ہوا ہے' رخصتی کے لیے بھی آنسو بچالیں کچھ۔" ریحان نے شوخ لہجے میں کہا تو زیبا سر جھکا کر مسکرادی۔

پھر وہ لوگ رات سے پہلے واپسی کے لیے روانہ ہورہے تھے۔عابد صاحب اور فائزہ بیگم نے تو بہت زور دیا تھا کہ اگلے دن آپ لوگ چلے جائیں رات کو آرام کرلیں' مگر عابد صاحب کے اصرار کے باوجود بھی بلال صاحب نے یہ مناسب خیال نہ کیا اور وہ لوگ واپسی کے سفر کے لیے روانہ ہوگئے۔گیٹ تک چھوڑنے ریحان خود آیا تھا اور گاڑی میں سوار سجی سنوری زیبا کو دیکھ کر اس کا دل گونا گوں خوشی سے نہال بھی تھا اور قدرے ملول بھی۔یہ وقتی جدائی بھی اس کے لیے جاں گسل تھی لیکن وہ شاد تھا کہ اب اس نے زیبا کو حاصل کرلیا ہے اب زیبا اس کے لیے قطعی غیر نہ تھی۔اس کا زیبا پر حق تھا اور یہ حق نکاح کے مقدس بولوں کا ودیعت کردہ تھا۔زیبا کو تب تک وہ دیکھتا رہا تھا جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی پھر اس نے لمبی سانس خارج کی اور گیٹ بند کرکے واپس اندر کی جانب پلٹ آیا۔

زندگی نے ایک نیا موڑ لے لیا تھا' اس کی اور امبر کی دونوں کی نئی زندگی کی شروعات ہوچکی تھی اور اب ایک ہی معرکہ باقی تھا' جب ذکیہ آپا کو یہ حقیقت معلوم ہوتی تو نجانے ان کا کیا ردعمل ہوتا......وہ آج کی رات کو فضول سوچوں سے آزاد کرکے محبت کے رنگ بھرتا خوابوں میں کھوگیا تھا۔

☆......☆☆......☆

"بھئی ہمیں تو اپنی خوشیوں میں شریک کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا گیا' ہم تو غیر ہیں' یوں بھی اس قابل بھی نہیں کہ ہم سے رشتے داری اور ناطہ جوڑا جاسکے۔" آنسہ پھوپو کو جیسے ہی زیبا کے نکاح کی اطلاع ملی وہ چڑھ دوڑی تھیں۔غصہ سے ان کا برا حال تھا۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نجانے کیا کردیں اور دادی جان ہونق ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"کملی ہوگئی ہے تُو تو' بتایا تو ہے کہ بس آناً فاناً ہی سارے معاملات ازخود ہی طے ہوتے چلے گئے۔ہم نے تو صرف منگنی کی رسم کی نیت باندھی تھی مگر وہ لوگ نکاح کے لیے بضد تھے اور سچ پوچھو تو آنسہ مجھے وہ لوگ بے حد بھائے تھے اور پھر تقدیر میں جو لکھا ہو' کر رہتا ہے' وقت سے پہلے اور تقدیر سے زیادہ نہ کبھی کسی کو ملا ہے اور نہ ملے گا۔" دادی نے اپنی دانست میں بہت ہی سلیقہ سے بات کا رخ بدل دینا چاہا تھا اور واقعی ان کی بات کی منطق کسی حد تک ان کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"میں یہ بتانے آئی تھی کہ کرن کی بھی ایک جگہ بات تقریباً طے ہوگئی ہے وہ لوگ کرن کو اپنانے کو تیار ہیں' باقی کرن کی جذباتی کیفیت کا میں نے کوئی اظہار نہیں کیا' سلجھے ہوئے لوگ ہیں' لڑکا متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے مگر ہمارے لیے تو یہی بہت ہے کہ کرن کا معاملہ حل

ہوگیا' میری تو دن رات کی فکریں ہی اس کے لیے تھیں۔"
آنسہ پھوپو نے سکون کا جیسے سانس لیا۔ اس ہی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔
سلمٰی بیگم نے لپک کر دروازہ کھولا' سامنے ہی ریحان کو دیکھ کر وہ خوشی سے نہال ہوگئیں۔
"ارے میرا بچہ گھر آیا ہے ماشاءاللہ آؤ اندر۔" سلمٰی بیگم نے ریحان کی بلائیں ہی لے ڈالیں۔ کچن میں بریانی کو دم لگاتی ہوئی زیبا ریحان کی آمد پر بے چین سی ہوگئی تھی۔
"کیسے آنا ہوا؟" دادی تحیر سے سیدھی ہو بیٹھیں۔
"اصل میں امی نے یہ ملبوسات اور زیورات بھجوائے ہیں' زیبا کے لیے..... وہ خود آنا چاہتی تھیں مگر میں نے ہی کہا کہ ایک تو لمبا سفر طے کر کے ان کے لیے آنا محال تھا' ان کی صحت اجازت نہیں دیتی اب اور دوسرا گھر میں امبر کی شادی کے لیے کافی کام بکھرے ہیں جو سمٹ ہی نہیں رہے ہیں۔" ریحان نے ادب سے جواب دیا تو دادی مسکرادیں۔
"اچھا ہی کیا جو آ گئے ہو آؤ بیٹھو تمہیں دیکھ کر جی خوش ہوگیا اور سناؤ گھر والے سب کیسے ہیں؟" وہ دادی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا اور آنسہ بیگم اسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
"جی الحمدللہ سب ٹھیک ہیں۔" وہ مبہم سا مسکرایا۔ پھر سارے شاپنگ بیگز اس نے دادی کے حضور پیش کردیئے۔
"لو بھلا میں نے کیا دیکھنا ہے یہ تو لڑکیوں کے کام ہوتے ہیں' اللہ بس میری زیبا کے نصیب اچھے کرے ایسا کرو یہ سارا سامان لے جا کر تم اندر دے آؤ سلمٰی کو۔" وہ دادی کی بات پر سر ہلاتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ آنسہ بیگم کی تیکھی اور خشمگیں نگاہیں اس کا دور تک تعاقب کرتی رہیں۔ اس نے لاؤنج میں کرن کو بیٹھا دیکھا جو کسی ٹی وی شو میں منہمک تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔
"آپ کا آنا کیسے ہوا؟" کرن نے متعجب ہو کر اس سے پوچھا۔ اس نے تفصیل بتائی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔
"ذرا دکھائیں تو یہ ساری چیزیں۔" کرن نے کہا تو اس نے متذبذب ہو کر سامان وہیں ٹیبل پر رکھ دیا۔
کرن ایک ایک شے کو کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ بے حد نفیس کامدار خوش رنگ جوڑے تھے' قیمتی ملبوسات کے ساتھ ساتھ نفیس جڑاؤ کنگن اور دوسری جیولری بھی تھی جو یقیناً گولڈ کی ہی تھی۔ میچنگ جیولری کے ساتھ میچنگ سینڈلیں تھیں۔ کانچ کی نازک چوڑیاں اور میک اپ کا مکمل سامان تھا۔ وہ سب دیکھ کر جیسے کلس کر رہ گئی۔ اس نے ایک نگاہ بے دلی سے سارے سامان پر ڈالی' اسے تو منگنی کی رسم میں ایک سادہ سا لباس ملا تھا اور فنکشن کا ایک عدد سوٹ تھا' اس قدر بھاری بھرکم اور ہلکے دونوں طرح کے ملبوسات ہرگز اسے نہ ملے تھے۔ نہ ہی اس کے لیے منتخب کردہ ملبوسات اس قدر خوش رنگ تھے' وہ تحیر اور بے حد حاسدانہ انداز میں کھول کر رہ گئی تھی' تبھی اس نے عقب میں کھڑے ریحان پر ایک نگاہ ڈالی' محض مصنوعی مسکراہٹ میں لپٹی ہوئی خوشی دکھائی۔ ریحان اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر قدرے مطمئن سا ہوگیا تھا۔
"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا..... مجھے بہت ہمدردی ہے آپ کے ساتھ؟ ڈرتی ہوں کہوں کہ نہ کہوں؟" کرن نے نپے تلے انداز میں اطراف میں کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا' اس کی نظر بھی تھی کہ مبادا کوئی اچانک سے آ ہی نہ جائے۔
"کیا مطلب.....! میں کچھ سمجھا نہیں؟" وہ واقعی حیرت میں گھرا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہتی تھی۔
"ارے آپ کو نہیں معلوم زیبا اور شہیر بھائی کا چکر.....؟ اف آپ بھی ناں..... شہیر بھائی کا تو اتنا سخت ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ زیبا کا رشتہ آپ کے ساتھ ہونے جارہا ہے اور زیبا کا بھی رو رو کر برا حال تھا' اسی لیے تو اس قدر خاموشی سے سب زیبا کو گھیر

گھارکر رشتے کے لیے آمادہ کر کے لے گئے تھے دیکھا نہیں آپ نے ہمیں تو بلایا بھی نہیں۔ بھنک تک نہیں پڑنے دی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس طرح شہیر تک دوبارہ بات جاتی وہ کہاں برداشت کرتا یہ سب۔" وہ اپنے تئیں الفاظ چن کر اس کے دل پر گھاؤ لگا رہی تھی اور وہ جو خوش گمانیوں میں گھرا اتنا لمبا طویل سفر طے کر کے آیا تھا' ایک جاں گسل لمحہ کی لپیٹ میں سب بہہ گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ دو قدم بے یقینی کی لہر میں لپٹا ہوا وجود لیے پیچھے ہوا۔

اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ زیبا..... نہیں مگر زیبا کے چہرے پر تو ایسا کوئی تاثر نہ تھا مگر پھر اچانک عین نکاح کے بعد زیبا کا پھوٹ پھوٹ کر رونا اسے یاد آ گیا اور زیبا کا متورم چہرہ نگاہوں میں سما گیا تھا' کیا زیبا بھی شہیر کو..... نہیں' نہیں' اس سے زیادہ اس سے سوچنا بھی محال تھا' وہ بے یقینی سے وہیں صوفے پر ڈھے سا گیا۔

"پلیز خود کو سنبھالیں اب تو جو ہونا تھا ہو چکا' میں نے بتا کر شاید اچھا نہیں کیا...... مجھے اب بے حد افسوس ہو رہا ہے مگر میں کیا کرتی میرے دل میں اتنا غصہ تھا زیبا کو چاہیے تھا کہ میرے بھائی کے ساتھ یہ کھیل نہ کھیلتی' اتنا گھناؤنا کھیل کھیلنے کے بعد نئی زندگی کی شروعات کرنے چلی ہے۔" وہ دکھ سے بولی۔ اس کے چہرے پر اتنے ماہرانہ تاثرات تھے کہ وہ بس دیکھتا ہی رہ گیا' تبھی سلمیٰ بیگم کی آمد پر بات درمیان میں ہی رہ گئی اور سلمیٰ بیگم کے عقب میں وہی دشمن جاں تھی' سر جھکائے ٹرالی دھکیلتی ہوئی آ رہی تھی' وہ محض آج تک اس کے لیے دیے انداز کو اس کی فطری شرم پر محمول کرتا رہا تھا' مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید یہ بے رخی بے اعتنائی تھی۔

اب وہ اس کی بے اعتنائی کی اس گرد میں اٹ گیا تھا' ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں' اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں اور محبت اپنی اس بے اعتنائی پر بال کھولے ماتم کناں تھی' سارے دھنک رنگ اب سیاہی میں مدغم ہو گئے تھے' ساری شہنائیاں نوحوں میں بدل کر رہ گئی تھیں۔ وہ آزردگی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اور وہ ان سب محسوسات سے نابلد اپنی جگہ پُرسکون سی سر جھکائے شرم سے دوہری ہو رہی تھی اور وہ جواب زیبا کے تمام حقوق کا مالک تھا اس کے نام سے منسوب تھا اس کا مجازی خدا تھا' پھر بھی اب اسے پانے کے بعد کھو چکا تھا۔ اس کا دل غمگین تھا۔ سوگوار تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر اپنی شکست فاش پر غم منائے' مگر ابھی سب کے سامنے اپنے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو سنبھالے اپنے اندر اٹھتے ہوئے جوار بھاٹا کو دبائے وہ بیٹھا تھا۔

بہ ظاہر بے حد پُرسکون سا اور جب زیبا نے چائے کی پیالی اس کے ہاتھوں میں تھمائی تو نظروں کا لمحہ بھر کا تصادم ہوا تھا۔ زیبا ریحان کی نگاہوں میں اٹھتے سوالات کو دیکھ کر چونک سی گئی تھی۔ عجیب سی خون رنگ نگاہیں تھیں' زیبا کو نجانے کیوں ان نگاہوں سے خوف محسوس ہونے لگا اور وہ واقعی اس وقت ہراساں ہو گئی تبھی چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں لرز سی گئی تھی۔

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے چائے کی پیالی ریحان کو تھمائی۔ سارے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے پھر وہ خود کو سنبھالتا ہوا وہاں سے جلدی اٹھ آیا تھا۔

☆......☆☆......☆

سفید کرتے شلوار اور سفید واسکٹ میں ملبوس طارق مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا چودھری حشمت کے سامنے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا بابا جان...... خیر تو ہے؟" اس نے استعجاب سے پوچھا۔

"یہ کیا معاملہ ہے اس زریاب خان کا' بڑا سورما بنا پھرتا ہے کل میرے سامنے یوں تن کر کھڑا ہو گیا تھا' اب اسے سبق سکھانا ہی ہوگا' پہلی بات تو یہ اس کی کمین کی ہمت کے میرے سامنے تن کر کھڑا ہوا اس کی گردن نہ تن سے جدا کر دوں۔" چودھری حشمت نے اسے بے شمار صلواتیں سنائیں' وہ اس وقت غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ لب بھینچ کر اپنے اندر کے جوار بھاٹا کو دباتے اس کی

آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

"ہونہہ...... بابا جان میں نے بھی اس کی آنکھوں میں عناد دیکھا ہے' ذرا اس عناد کو نکال لوں تو پھر ملتا ہوں' حکم بابا صاحب۔" طارق نے بھی غصے سے کہا مگر یہ غصہ محض زریاب کے لیے تھا' بابا جان کے سامنے تو اس کی ساری اکڑفوں نکل جاتی تھی اور وہ مودب ہو جاتا تھا' صرف بابا جان کے حکم کے ایماء پر چلتا تھا۔

"کرنا کیا ہے وہی جو ہم چودھریوں کی شان ہے' نہ تو بھگانا ہے نہ ہی زنانی کو اٹھانا ہے' سیدھا صاف نکاح خواں بلا اور ابھی جا کر نکاح کے بول پڑھوا کے لا۔" چودھری حشمت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو طارق چونک اٹھا۔

"ابھی مگر ابھی تو بابا صاحب وہ بھی ادھر ہی ہوگا۔" طارق متذبذب ہوا' تبھی پہلی مرتبہ مبہم سی مسکراہٹ چودھری حشمت کے لبوں پر مچلی۔

"ارے جس کھونٹے سے لڑکی کو باندھنے چلے تھے ناں' وہ کھونٹا ہی آج کھیتوں میں مرا پڑا ہے' زاہد نام تھا ناں اس لڑکے کا' اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا ڈالا ہے میرے کارندوں نے' اب کس ایماء پر وہ لوگ انکار کریں گے اور اب انکار کریں تو سب کے سامنے اس زریاب کی ٹھکائی کر دینا' بس کہہ دیا۔" چودھری حشمت نے ہاتھ اٹھایا' تبھی عقب سے چودھرائن عابدہ نکلی۔

"ارے کب تک اپنے بیٹے کو ان بری صحبتوں میں الجھائے رکھو گے' اب کہاں اسے دنگے کے لیے بھیج رہے ہو؟" چودھرائن کا غصے سے برا حال تھا' وہ اپنے جواں مرد بیٹے کے تیور بھی ملاحظہ کر رہی تھی' جو اپنے بابا کے کہتے ہی کسی کو بھی کچلنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اس وقت غیض وغضب کا شکار بنا کھڑا تھا۔ اس کے انداز دیکھ کر چودھرائن کا دل ہول رہا تھا۔

"تو عورت ذات ہے...... عورت ذات بن کر رہ' کس طرح تو ہمارے سامنے آ جاتی ہے' بہت اکڑ ہے ناں تجھے اپنے سات بھائیوں کی' تو اپنے بھائیوں کے ایماء پر میرے سامنے اکڑتی ہے۔ مگر اس کے باوجود یاد رکھ تیرے سات بھرا بھی اپنی زنانی کے غلام نہیں بنے تو میں کیسے بن سکتا ہوں۔" چودھری حشمت نے لال انگارہ آنکھوں سے جواب دیا۔

"نہ کر...... نہ کر اوئے رب سے ڈر اور کتنے گھر اجاڑے گا' کسی کی آہ نہ لے' دیکھو رب سے ڈر اپنی بھی بیٹی ہے' ہم نے کل کلاں کو اس کا بھی ویاہ کرنا ہے اگر کسی دوسرے کی عزت اچھالیں گے تو پگڑی اپنے سر پر بھی نہیں رہنی ہے۔" چودھرائن نے روتے ہوئے کہا' وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"میرے سامنے صبح سویرے منہ ماری نہ کر' جا طارق اسے اندر لے جا' ایسا نہ ہو تیری ماں پر میرا ہاتھ اٹھ جائے۔" چودھری حشمت کا واقعی اشتعال سے برا حال تھا۔

اور طارق کو واقعی اپنی ماں سے بے پناہ محبت تھی' طارق کو یاد تھا کہ اس کے گھر میں عورت کی کوئی توقیر نہ تھی اور اس کا ثبوت ہر سال بدلتی عورتیں تھیں' جو اس کی ماں کہلاتی تھیں مگر اس نے بھی ان کو اپنی ماں کا درجہ نہیں دیا تھا۔ اور دل نے صرف ماں کو ہی ماں جانا تھا۔ شاید چودھرائن کا بھی وہی حال وہی سلوک ہوتا' جو باقی ساری عورتوں کا تھا' مگر اسے ایک تو صاحب اولاد ہونے کی فوقیت حاصل تھی' پھر دوسرا یہ کہ وہ سات بھائیوں کی بہن تھی اور خاندانی تھی' عام کی کمین نہ تھی' کسی مزارعے کی بے بس بیٹی ہرگز نہ تھی بلکہ وہ ایک امیر کبیر عورت تھی' جو بے شمار اراضی نکاح کے بندھن میں بندھ کر لائی تھی' اس سے بڑھ کر بھی اسے طارق کا سہارا حاصل تھا۔

طارق ہر معاملے میں اپنے باپ سے دب جاتا تھا مگر ماں کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہ کرتا۔ اسے یاد تھا کہ وہ چھوٹا تھا اور جب اس کے باپ نے کسی بات پر اس کی ماں کو بے شمار گالیوں سے نوازا تھا اور جب گالی گلوچ سے بھی اس کا جی نہ بھرا تو پھر اس نے لاٹھی اٹھا لی تھی' لاتوں گھونسوں سے اس کی مرمت کی تھی۔ تب دس سالہ

طارق آ کر ماں سے روتے ہوئے لپٹ گیا تھا اور باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر کھڑا ہو گیا تھا' دس سال کی عمر میں بھی طارق نے اچھا خاصا قد کاٹھ نکال لیا تھا' خالص دیسی گھی' دودھ' مکھن کی بہتات اور خالص غذاؤں سے اس کا اپنی عمر سے دگنا نظر آنا کوئی اچھنبے کی بات نہ تھی۔

اور جوان ہوتے بیٹے کی نفرت اور شعلہ بیاں آنکھیں چودھری حشمت کو لرزا اٹھی تھیں۔ وہ ان کا لخت جگر تھا' ان کا اکلوتا بیٹا اور ان کا وارث۔ اب ان کا اپنا خاندانی خون ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا تو وہ رک گئے تھے' ان کے مسلسل چلتے ہوئے ہاتھ تھم سے گئے تھے اور اب وہ چپ چاپ ہو گئے تھے۔

"دیکھ ابا...... میری بات تیری بات' مگر میری ماں کو آج کے بعد نہ چھونا۔" وہ اکڑ کر کھڑا تھا کسی کڑیل جوان مرد کی طرح اپنے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔

مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہی لاٹھی جو باپ نے زمین بوس کر دی تھی' اس کے اپنے بیٹے پر اب ماں برسانے لگی تھی۔

"کم بخت باپ کو انگلی دکھائے گا' اس دن کے لیے تجھے پال پوس کر بڑا کیا ہے' نا ہنجار کہیں کا۔" ماں اسے مار رہی تھی اور وہ مار کھا رہا تھا بنا اف کیے...... اس کے بازو شل ہو رہے تھے اور منہ سے خون بہنے لگا تھا' یہ منظر دیکھ کر چودھری حشمت آگے بڑھا۔

"بس کر دے کیا جان لے گی۔" اور بات اس وقت تو آئی گئی ہو گئی اور اس نے واقعی غصے سے لاٹھی زمین پر پھینک دی تھی اور لاٹھی گراتے ساتھ ہی خود بھی زمین پر ڈھے کر زارو قطار رونے لگی تھی۔

نگاہیں اپنے جوان بیٹے کے خون پر تھیں اور دل نمناک تھا۔ وہ ایک قدامت پسند خاتون تھی جو شوہر کے ہر طرح کے غیظ و غضب کو بھی تحفہ سمجھ کر قبول کرتی تھی' ان کی مار بھی ہنس کر سہہ لیتی تھیں' آج جب اپنے ہی جوان بیٹے کو باپ کے روبرو دیکھا تو اس کا غصہ عود کر آیا تھا۔ مگر اسے اتنا مار مار کر اس نے لہولہان کر دیا تھا اب اس کا اپنا کلیجہ اسے خون میں دیکھ کر منہ کو آ رہا تھا۔

"میرے جگر کا ٹکڑا۔" وہ ماں تھی لپٹ گئی اپنے بیٹے سے مگر اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا...... اس کے بعد سے وہ کبھی بھی چودھری کے عتاب کا نشانہ نہیں بنی تھی' چودھری حشمت نے کبھی اس پر ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔

غصہ ہوتا تو اسے نظر سے دور کر دیتا اور زیادہ ہی غصہ ہوتا تو خود ہی وہاں سے کہیں چل دیتا تھا۔ یوں بھی اب اتنے ماہ و سال گزرنے کے بعد خود چودھرائن نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ کیا کرتا ہے' کیسے کرتا ہے' سب جان کر بھی اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں' اس میں بہتری تھی' مصلحت کی چادر اوڑھ لی تھی اور اب چپ کی بکل بھی مار لی تھی اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا' طارق کے سامنے چودھری حشمت نے غصہ تو کیا مگر ہاتھ آج بھی نہ اٹھایا اور چودھرائن کے منہ سے لفظ بیٹی چودھری حشمت کو کسی تازیانے کی مانند لگا تھا۔ کس کی شامت اعمال آئی تھی' کس کی جرأت تھی کہ اس کی بیٹی اس کی ناموس اس کی عزت کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھ لیتا۔

اس وقت اشتعال کی شدید لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی اس لیے چودھرائن بھی مجبوراً اندر چل دی تھی۔ طارق ماں کے دونوں ہاتھ تھامے سامنے بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلا رہا تھا۔

"ماں تو کیوں اتنا غصہ کرتی ہے۔ کیوں بار بار بابا صاحب کے سامنے آ جاتی ہے' جانتی ہے میں تیری تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔" طارق نے بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتے لہجے میں ماں سے کہا۔

"بیٹا اللہ ظالم کو ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر انجام بد تو اس کا نصیب ہی ہوا کرتا ہے بالآخر...... اور میں جو بھی کہتی ہوں تیرے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔" وہ دل سوز دل گیر لہجے میں بولیں۔ طارق مسکرا دیا' وہ ماں کی اسی محبت کا اسیر تھا۔ ماں کے سامنے اس کے بے لوث جذبوں کے سامنے ہار

جانتا تھا۔

"طارق او طارق......" باپ کی آواز پر وہ ماں کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹ گیا اور وہ دھک سے بیٹھی رہ گئی تھی جہاں کی تہاں۔

☆......☆☆......☆

دروازہ کوئی زور زور سے پیٹ رہا تھا جب وہ گھبراتے دل کے ساتھ دروازے تک آئی تھی۔

"کیا ہوا پتر کیا بات ہے؟" دروازے پر زریاب کھڑا تھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میرے ساتھ چل خالہ۔"

"ساتھ چلوں مگر کہاں؟" وہ اچنبھے سے بولی۔

"خالہ زیادہ سوال جواب کا وقت نہیں ہے۔" وہ جانتا تھا کہ وہ ان تمام سوالات کا جواب دے بھی نہیں سکتا ہے۔ پھر وہ سر پر چادر کی بکل مارے اس کے عقب میں چلتی ہوئی کئی گلیاں پار کرتی پگڈنڈیوں تک جا پہنچی تھی۔ فصلوں تک آ کر اس نے ٹھٹک کر ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا جو آپس میں چہ میگوئیاں کررہے تھے وہ دھڑکتے دل کے ساتھ رک گئی۔ اس نے ساتھ چلتے زریاب کا ہاتھ تھام کر استعجاب سے دیکھا۔ زریاب کی آنکھیں لہو رنگ تھیں اور سر ندامت سے جھکا ہوا تھا اور پھر نجانے وہ کیوں لحہ بھر میں ساری بات کی تہہ تک جا پہنچی تھی۔

"ہائے میں مرگئی میرا پتر میرا زاہد۔" وہ دوڑتی ہوئی اس ہجوم کا سینہ چیرتی گئی سامنے ہی ہجوم کے چھٹ جاتے ہی سامنے زمین پر زاہد پڑا تھا آنکھیں چت کھلی تھیں آخری سانسیں تھیں بس کسی دم کا مہمان تھا اور ماں کو دیکھ کر ہلکی سی رمق اس میں بیدار ہوئی۔

بشیراں نے آنسوؤں سے تر چہرہ اپنے شیر پتر پر جھکا دیا۔ اس کے آنسو زاہد کے خون میں تر چہرے میں مدغم ہونے لگے تھے۔

"وے میں مرگئی ہائے اللہ تجھے میری عمر لگ جائے ہائے میں مرگئی۔" وہ تڑپ رہا تھا اور ماں مررہی تھی...... وقت مرگ اس کا تھا اور سانسیں ماں کی اٹک رہی تھیں درد سے بے حال وجود ایک اذیت ناک لحہ جواب ختم ہونے والا تھا۔ اور اس کا وہ لحہ واقعی ختم ہوگیا تھا آتی جاتی سانسوں کو فقط ماں کے دیدار کی آس تھی۔ ماں کی نرم گرم آغوش میں وقت دم مرگ کسی قدر آسان ہوگیا تھا اور وہ آرام سے اپنی آنکھیں موند گیا تھا۔ بشیراں کا رو رو کر برا حال تھا۔ درد سے اس کی جان نکل رہی تھی اذیت ناکی عروج پر تھی۔ پھر اس کی آہ وبکا نے جیسے زمین ہلادی تھی آسمان کی وسعتوں میں اس کے درد نے ہچکی لی تھی۔

وہ روتے ہوئے وہیں ڈھیر ہوگئی تھی گود میں جوان بیٹے کا لاشہ رکھا تھا اور وہ بے جان ہورہی تھی اس کا دل کررہا تھا وہ بھی زاہد کے پاس چلی جائے اس کے ساتھ ہی اس جہان سے دوسرے جہان چلی جائے مگر ایسا ممکن نہ تھا۔ اس کی تلخ زندگی کے ایام ابھی باقی تھے۔ جو اسے روزانہ زاہد کی یادوں کو گلے لگا کر جینے بھی تھے اور مرنے بھی تھے۔ پھر اس کا وجود گہرے صدمے سے دوچار ہوگیا اس کے سامنے اس کی گود سے اس کے بیٹے کو اٹھایا گیا مگر وہ گہرے صدمے اور سکتے میں چلی گئی تھی۔

اسے گھر لے جایا گیا وہ بالکل ساکت وجود لیے ایک جانب بیٹھی تھی عورتیں پرسہ دینے آرہی تھیں دلاسہ دے رہی تھیں کچھ اس کے بیٹے کے مرنے کی اصل وجہ اس بات کی تہہ تک جانا چاہ رہی تھیں اور کچھ اس سے ہمدردی کے ساتھ مخاطب تھیں۔ مگر اب اس کے کان کہاں اس ساری گفتگو کو سن رہے تھے وہ تو غیر مرئی نقطے پر نگاہیں مرکوز کیے نجانے کن خیالات میں گم تھی۔ اس کا خود سے بیگانہ ہوجانا بھی سب کے لبوں پر محو گفتگو تھا چہ میگوئیاں ہورہی تھیں پھر جب عذرا آئی تو وہ بہن کو گلے لگا کر خوب روئی مگر وہ بالکل چپ تھی اس کے آنسو رک گئے تھے جب روح گھائل ہو تو آنسو بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

مگر جب رانو نے بشیراں کے پاس بیٹھ کر خالہ کا ہاتھ تھاما تو بشیراں کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹ گئی اور اس نے ایک نفرت بھری نگاہ رانو پر ڈالی۔

"تو ہے...... جو میرے پتر کو موت کے منہ میں لے

جانے کا سبب ہے...... تو نے کھا لیا میرے گھر کی خوشیوں کو تیرے لیے پاگل ہو گیا تھا میرا پتر...... کہتا تھا رانو کو رانی بنا کر رکھوں گا' ارے کہاں کی رانی تُو تو ڈائن نکلی میرے بیٹے کو ہی نگل گئی۔ جا دفعہ ہو جا یہاں سے۔" بشیراں کا کرخت بلند و بانگ لہجہ وہاں موجود سارے افراد اس جانب متوجہ ہو چکے تھے اور سارے ہی اس بات کو غور سے سن رہے تھے۔

کچھ اسے گہرے صدمے سے دوچار ہونے کا سبب قرار دے رہے تھے' مگر بہت سوں کو اصل بات کی خبر تھی اور جانتے تھے کہ یہ سب کیوں اور کس کے ایما پر کیا گیا ہے وہ الگ بات کہ سب نے اپنے لبوں پر قفل لگا لیے تھے۔ کوئی بھی اصل بات منہ پر نہ لے کر آ سکتا تھا کیونکہ سب کے گھروں میں بیٹیاں تھیں' سب کے گھروں کی ناموس ابھی تو محفوظ تھی مگر زبان کھولنے کے بعد سب کی عزتوں پر حرف زنی ہو سکتی تھی۔

سب در پردہ چودھری حشمت سے ڈرتے تھے اس کی سخت گیری اور ظالمانہ صفت سے واقف تھے۔ یہ بات بھی سب جانتے تھے کہ کئی دنوں سے طارق رانو کے گھر کے چکر لگا رہا تھا۔ رانو پر تو شک و شبہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ رانو ان سب کے سامنے پل بڑھ کر جوان ہوئی تھی اور رانو نے ہمیشہ ہی اپنی عزت کروائی تھی وہ تو اب گھر کی چار دیواری میں خود کو ایسا مقید کر چکی تھی کہ کئی عرصے سے تو کسی نے اس کی جھلک بھی نہ دیکھی تھی سب جانتے تھے کہ عذرا نے اسے کس طرح پالا پوسا ہے اس کی تربیت کس نہج پر کی ہے مگر سب یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ طارق نے کسی شادی کی تقریب میں رانو کو دیکھ کر اسے اپنانے کی ضد باندھ لی تھی وہ ہر صورت رانو کو حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ جو شے چودھری کو پسند آ گئی ہو اس پر کون نظر رکھنے کی جسارت کر سکتا تھا' مگر زاہد تو ایک مدت سے رانو کے عشق میں گرفتار تھا۔ اور آج اس عشق کا نتیجہ تھا کہ وہ منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو خالہ میرے دل سے پوچھ آج زاہد کے جانے کے بعد میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔" وہ زور زور سے چیخ کر رونے لگی۔

"ارے یہ آنسو کسی اور کے سامنے بہانا' میں اپنے بیٹے کی قاتل کو اس گھر کی چار دیواری میں نہیں دیکھ سکتی تو فوراً یہاں سے دفعان ہو جا' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ بے حد غصے میں تھی' ایسے جیسے اگر رانو نے اس کی بات نہ مانی تو وہ رانو کو سخت سزا بھی دے سکتی تھی۔ شاید مار پیٹ کر اسے دھکے دے کر نکال دیتی اور اس سے پہلے کہ یہاں نیا تماشہ شروع ہو جاتا رانو ہچکیوں کے درمیان روتی دھوتی خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

رانو سے اتنی نفرت کے باوجود نجانے کیوں بشیراں نے اس کی ماں کو نہیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ شاید ماں جائی ہونے کا کوئی لحاظ یا مروت آڑے آ گیا تھا۔ ورنہ تو اس کے اس رویے کے بعد عذرا بھی خاصی دلبرداشتہ ہو گئی تھی اور عذرا نے ہی آنکھ کے اشارے سے رانو کو وہاں سے چلے جانے کا کہا تھا اور رانو بھی ماں کے اشارے کو سمجھ کر اٹھ گئی تھی۔ رانو گھر میں داخل ہوئی تو سامنے ہی طارق اور اس کے ساتھ موجود کارندوں کو دیکھ کر اس کے قدم جامد ہو گئے تھے' کسی انہونی کے خیال سے وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر طارق بھی اس کے ارادے کو بھانپ گیا تھا تبھی اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"ارے کہاں بھاگ رہی تھی رانی اور کس طرح آزمائے گی میری محبت کو...... یہ دیکھ مولوی صاحب آئے بیٹھے ہیں۔ اور ہاں زنانی بھی لایا ہوں اپنی' اندر چل کمرے میں' وہ تجھے سجا سنوار دے گی' زیادہ چوں چراں نہ کرنا ورنہ زاہد کی طرح تیرے بھائی کی بھی آج کے آج ہی لاش اٹھے گی' اب سوچ لے کہ تو کیا چاہتی ہے' ایک قتل تو کروا چکی ہے' اب کیا اپنے بھائی کی قاتل بھی کہلانا چاہتی ہے۔" طارق اس کے حسن سے اپنی آنکھیں خیرہ کر رہا تھا' اس کی غزالی آنکھیں اس کے اندر انتشار برپا کر رہی تھیں' غضب کا حسن پایا تھا' جو سر پر

چڑھتا دل پر اثر کرتا تھا۔ وہ اس کے جادوئی حسن میں جیسے کھو سا گیا تھا' وہ حشر ساماں اور فتنہ ساماں تھی۔ تبھی تو وہ اس کے پیچھے پاگل ہوگیا تھا اور پھر وہ اس کی ضد بن گئی تھی۔

"میں تیری دھمکی میں نہیں آنے والی' چھوڑ میرا ہاتھ' ورنہ میں چیخ چیخ کر سارے محلے کو اکٹھا کرلوں گی' اللہ کے قہر سے ڈر کچھ تو خوف کر اور مجھے نکاح کے دو بول پڑھ کر حاصل تو کرلے گا مگر میرے دل میں تیری نفرت کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ تو چاہ کر بھی ان جڑوں کو نکال نہ پائے گا۔ چل کر نکاح میں بھی تو دیکھوں تو مجھے کیسے حاصل کرتا ہے۔" شاید وہ جنونی ہو رہی تھی تبھی بے انتہا دلیری سے بولی۔ طارق نے مضحکہ خیز انداز میں اسے دیکھا۔ پھر اسے ایک زوردار دھکا دیا اور وہ اس کی پہلی بیوی کے پاس جا گری تھی۔

"جا سجا سنوار اسے اور آدھ گھنٹے میں ہی یہ نکاح ہوگا ابھی اور اسی وقت' تاجے تو دروازے پر کھڑا ہو کر چوکسی کے ساتھ پہرہ دے۔" طارق نے اپنے فرماں بردار کارندے تاجے کو کہا اور تاجا اس کے احکامات ملتے ہی فوراً اثبات میں سر ہلا کر دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ وہ رائفل لیے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا اور اندر طارق مولوی صاحب کے عین سامنے صوفے پر بیٹھ کر انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ مولوی بھی خوف زدہ تھا اور جلد از جلد نکاح کے بعد یہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ اسے بھی چودھری حشمت کے بندے اٹھا لائے تھے اور اندر زہرہ طارق کی پہلی بیوی رانو کی منت سماجت کررہی تھی۔

"ارے کیوں ضد کرتی ہے' تو نہیں جانتی اس ضد کا نتیجہ کیا ہوگا' جیت تو طارق کی ہی ہونی ہے۔ پھر اس بے جا ضد کا کیا فائدہ؟ کیا تیرا بھائی اکیلا اس ظالم سماج کو بدل سکتا ہے۔ کیا وہ تیری شادی رکوا سکتا ہے؟ کیا تو اپنے بھائی کو مرنے دے گی' بتا پھر کیوں بیکار باتوں میں خود بھی الجھ رہی ہے اور وقت کا ضیاع کررہی ہے۔" رانو جانتی تھی کہ زہرہ کی تمام باتیں من وعن بالکل درست ہیں اور ان میں صداقت بھی ہے مگر وہ کیا کرتی کہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

جو زاہد کے دکھ میں گرفتار تھا۔ اس کے قلب جاں میں نوحے گونج رہے تھے ایسے میں یہ کیا ہو رہا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کیا وہ اپنے پیار کے قاتل سے بیاہ کرلیتی اور اس سے پیار جتاتی۔ اس کا دل بند ہونے لگا اور روشنی کا ہلکا سا بھی شائبہ تک نہ رہا تھا۔

ٹمٹماتی روشنی ڈگمگا رہی تھی اس کے اندر زلزلوں کے جھٹکے اور ہچکولے تھے۔ وہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی' پھر اسے لگا کہ اس کا بھائی بھی زاہد کی طرح مرنے والا ہے اور خالہ کی طرح اس کی ماں کا بھی کلیجہ پھٹا جا رہا ہے' بس پھر وہ ایک لمحہ ہی تھا جب اس نے نکاح کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا تھا۔ اس نے بالکل خاموشی سے وہ لباس اٹھایا اور پہن لیا' پھر زہرہ نے اسے زیورات سے سجانا شروع کردیا' وہ اتنی خوب صورت تھی کہ فقط لباس اور زیورات کے بعد ہی بے حد حسین لگنے لگی تھی۔ اس کا روپ سجا ہوا تھا' وہ یہ سب مجبوراً کررہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا' اب وقت جس طرف بھی لے جاتا یہ اس کی قسمت تھی۔

پھر اسے تیار کرکے زہرہ باہر لے آئی۔ طارق نے ایک بھرپور نگاہ اس کے دلکش واداس چہرے پر ڈالی...... نکاح خواں نے نکاح شروع کیا' وہ اس تمام دورانیے میں کٹھ پتلی کی مانند بیٹھی تھی۔ ایجاب وقبول کے مراحل کے بعد مولوی صاحب کو یہاں سے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی گئی۔ وہ جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق وہاں سے چل دیے تھے۔

"مبارک ہو آج سے تم میری ہوگئی' میری ملکیت میں ہو۔" ابھی اس کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا جب دروازے پر کھڑے ہوئے زریاب اور حامد صاحب پر اس کی نگاہ پڑی۔

"یہ کیا بکواس کررہے ہو۔" زریاب سب کچھ بھول گیا' سارے طبقاتی فرق پس پشت ڈال کر اس وقت وہ

محض ایک غیرت مند بھائی بن کر کھڑا تھا۔

"زبان کو لگام دو ورنہ گدی سے کھینچ دوں گا۔ یاد رکھنا تم کمی کمین ہو اور ہاں اب تو یہ بھی میرا ظرف جانو کہ تم جیسوں کو عزت بخشی ہے۔ یہ اب تمہاری بہن نہیں میری بیوی بن چکی ہے' اگر یقین نہیں آ رہا تو سامنے کھڑی اپنی بہن سے پوچھ لو۔ کیوں تاجے بتا ذرا......" تاجے نے ہی نہیں ساتھ کھڑے اور دو بندوں نے زور دشور سے سر ہلا کر اس بات کی تصدیق کی اور سب سے زیادہ تاسف تو اس بات کا اسے تھا کہ اس کی بہن کی نظریں جھک گئی تھیں۔

اس کا جھکا ہوا سر ہی نہیں اس کا سجا سنورا وجود بھی اس بات کا ثبوت تھا کہ طارق کی بات من وعن سچ ہے۔ اس نے تاسف سے ایک ملامتی نگاہ اپنی بہن پر ڈالی لیکن حامد صاحب نے سارا معاملہ بھانپ لیا تھا طارق دندناتا ہوا رانو کو لے کر وہاں سے چل دیا۔ اس گھر پر تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مصیبتوں نے اس گھر کا رخ کر لیا تھا۔ ابھی تک عذرا بیگم کو اس بات کا علم بھی نہ ہو سکا تھا کیونکہ وہ اپنی بہن کو اس گہرے صدمے میں چھوڑ کر واپس آنے پر آمادہ نہ تھی اور وہ لوگ تو تدفین کے بعد گھر کی طرف آ گئے تھے اور یہاں کا منظر ہی دل دہلا دینے والا تھا۔

زریاب کو گہرا ملال ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بہن کو اس اذیت سے کسی صورت بچا نہ سکا۔ جس مصیبت سے نکالنے کے لیے اس نے اتنے جتن کیے تھے وہ اس میں ناکام ہو گیا تھا۔ اب اس میں مزید یہاں رہنے کا حوصلہ باقی نہ تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ واپسی کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا۔ اس میں ایک لمحہ اس گھر کے در و دیوار کو سہنے کا حوصلہ نہ تھا۔ جو اس کی بے بسی کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ وہ ماں سے بھی نہ مل سکا اور تھکا ہوا واپس لوٹ گیا تھا۔

☆......☆☆......☆

ذکیہ واپس لوٹی تو اسے سارے حالات کا علم ہوا۔

ایک گہرا رنج و ملال تھا اسے' اس خوشی کی بات کو اس نے کھلے دل سے ہرگز تسلیم نہ کیا بلکہ گہرے رنج سے دوچار ہوئی تھی۔

"کیا آپ ساری بات جانتے تھے اور جان بوجھ کر مجھے وہاں لے کر گئے تھے۔" ذکیہ نے عثمان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ عثمان بوکھلا ہی تو گیا تھا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اس سے کیا پوچھ رہی ہو مجھ سے پوچھو میں بتاتی ہوں۔ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے اور اس سچ کو سہنے کی ہمت بھی ہر کسی میں نہیں ہوا کرتی اور ہر بات لائق جواب نہیں ہوا کرتی' کچھ معاملات میں درگزر کا گھونٹ پینا پڑتا ہے۔ جیسے تمہیں ایک عرصے سے میرا بیٹا برداشت کرتا آ رہا ہے ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں تم میں جو سب کونا کوں چنے چبوا رکھے ہیں تم نے اور سچ سننا ہے اور سچ جاننا ہے تو جاؤ اپنی ماں سے جا کر پوچھو اپنے بابا سے پوچھو ہم سے کیا پوچھتی ہو۔" آج دردانہ بیگم کا حوصلہ جواب دے گیا۔

"سن رہے ہیں آپ؟ اتنی باتیں سننے کی مجھے قطعاً عادت نہیں' اب ایک لفظ اور مزید کہا تو میں ابھی اسی وقت یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور دوبارہ اس گھر میں قدم بھی نہ رکھوں گی۔" ذکیہ کا یہ سن کر غصے سے برا حال ہو گیا تھا۔

"یاد رکھو عثمان میرا بیٹا ہے' یہ میری ہی تربیت کا اثر تھا کہ وہ اتنے عرصے تمہیں برداشت کرتا رہا' ورنہ تمہارے والدین تو تمہیں محض بڑوں سے بات کرنے کا ادب وتہذیب نہ سکھا سکے۔ کس سے کب اور کس انداز میں بات کرنی ہے' اس کا نہ تو تمہیں ادب ولحاظ ہے نہ قرینہ' جانتی ہو تمہارے گھر والے تم سے کس قدر عاجز آ چکے ہیں' تمہارے حکم کے آگے سرتابی نہیں کر سکتے کیونکہ پہلے انہوں نے تمہیں خود اپنے سر کا تاج سمجھ کر پہن لیا تھا' اب وہی تاج ان کے لیے اذیت کا سبب بن گیا ہے۔" وہ بے حد صاف گوئی سے کہہ رہی تھیں' ذکیہ ایک مدت سے یہ سب سننے کی عادی نہ رہی تھی۔ وہ تو صرف حکم نامہ جاری

کرتی تھی اور بس' آج جب اسے کسی محلے والی نے بتایا کہ اس کی بہن اور بھائی دونوں کا نکاح ہوگیا ہے تو اس پر گہرا اثر ہوا تھا۔ وہ بنا کسی سے پوچھے سیدھا گھر کی جانب روانہ ہوئی۔ جہاں گھر میں شادی کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ یقیناً جلد شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ وہ سیدھا ماں کے روبرو پیش ہوئی۔

"یہ سب میں کیا سن رہی ہوں' کیا آپ میری واپسی تک بھی اس نکاح کو التواء میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔ میں سگی بہن ہوں اور مجھے یہ خبر کسی پرائے سے معلوم ہو رہی ہے کہ میرے بہن اور بھائی کا نکاح ہو چکا ہے اور مبارک باد مل رہی ہے' واہ واہ یہی ہے ناں میری اوقات' میری حیثیت' یعنی میں اب اتنی گئی گزری ہوگئی ہوں مجھے بتانا ہی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ میں پوچھ سکتی ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟" وہ غصے سے تن کر کھڑی تھی اور اس کا غصہ دیدنی تھا۔

"تم اگر آرام سے بیٹھو تو میں بتاتی ہوں تمہیں' یہ سب آناً فاناً طے ہوگیا تھا۔ پھر وہ لوگ دوسرے شہر سے آئے تھے تو ہم نے معاملات اسی وقت طے کرنا مناسب سمجھے جہاں تک تمہاری بات ہے تو تم شادی میں شریک ہوگی' اس شادی میں شرکت سے کون روکے گا بھلا تمہیں۔" فائزہ بیگم نے قرینے سے بات سنبھالنا چاہی مگر ذکیہ کو تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔

"صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کہ مجھے سوچ سمجھے منصوبے کے تحت دوسرے شہر روانہ کیا گیا تاکہ میں درمیان میں رخنہ اندازی نہ کروں۔ کوئی کام کی بات' کوئی نصیحت نہ کردوں اور مجھے تو سب یہاں اپنا دشمن سمجھتے ہیں' کوئی بھی مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتا' سب خائف رہتے ہیں مجھ سے' حالانکہ دشمنی تو آپ سب نے مجھ سے کی ہے' میرے حالات اسی کا نتیجہ ہیں۔" وہ بہت غصے میں بولتی رہی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" اب بات فائزہ بیگم سے سنبھل ہی نہیں رہی تھی' تو ذکیہ غصے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتی سیدھی گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔

اب اپنے مجازی خدا سے پوچھ رہی تھی کہ وہ بتائے سچ کیا ہے؟ اور اس میں اس کی ساس یعنی پھوپو نے دخل اندازی کی اور اب بات سنگین صورت حال اختیار کرتی جارہی تھی۔

"جب میں اپنے خاوند سے بات کر رہی ہوں تو آپ کو کیا ضرورت ہے بیچ میں آکر منہ ماری کرنے کی۔" تڑاخ تھپڑ اس کا گال سرخ کر گیا' ایک عرصے تک صبر کو اپنے سینے پر بھاری سل کی مانند رکھے ہوئے عثمان کے صبر کا پیمانہ آج لبریز ہوگیا اور پہلے تو وہ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی پھر اس نے غصے اور نفرت سے بھرپور نگاہ اپنی ساس پر ڈالی اور جا کر کمرے میں اپنا سامان سمیٹنے لگی' اب وہ سب بچے نہ تھے اس کے نہ بھانپ گئے تھے۔ مگر اب عثمان کا قطعی دل نہ کر رہا تھا کہ اس سے معافی تلافی کرے' جاتی ہے تو چلی جائے۔ ویسے بھی اس کی زندگی کو تو اس نے جہنم بنا دیا تھا۔

آئے روز کے جھگڑے اور روز روز کی تکرار سے وہ تنگ آچکا تھا۔ گھر کی فضا ایک دم سے بوجھل ہوگئی تھی۔ دردانہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا مگر درمیان میں عثمان آگیا۔

"جاتی ہے تو جانے دیں' اسے روکنا اب بیکار ہے' اگر یہ خود ہی اس گھر سے جارہی ہے تو خود ہی واپس بھی آئے گی' اسے بتادیں کہ یہ کسی قسم کی خام خیالی میں ہرگز نہ رہے کہ میں اسے منا کر لے آؤں گا۔" وہ بھی آج مردانہ زعم میں آچکا تھا' ایک مدت اس نے اس کی ناز برداریاں برداشت کی تھیں مگر اب اس میں صبر کا یارا نہ رہا تھا' تبھی وہ اس کی بات سن کر بھی ان سنی کرتی ہوئی بیگ تھامے گھر کی دہلیز پار کرگئی تھی۔

☆......☆☆......☆

زیبا بیاہ کر دوسرے شہر ریحان کی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھرنے آگئی تھی جبکہ امبر وداع ہوگئی تھی۔ سلمیٰ بیگم وداعی پر نمناک نگاہیں لیے تھیں جبکہ خود فائزہ بیگم کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دل دوہرے احساسات کا ترجمان تھا' اگر ایک بیٹی کو وداع کیا تھا تو دوسری بیٹی کو اس گھر میں رونق بنا کر لائی بھی تھیں اور زیادہ خوشی ان کو اس بات کی بھی تھی کہ وہ ان کے اپنے بیٹے کی خوشی بھی تھی اور پھر زیبا کو دیکھ کر تو وہ پہلی ہی نظر میں اس پر فدا بھی ہوگئی تھیں۔ امبر کو تھوڑا سا اس بات کا قلق تھا کہ وہ بھائی کے ساتھ کچھ دن سکون و عافیت کے نہ گزار سکی تھی۔ مگر یہ بھی شکر کا مقام تھا کہ وہ اب اپنے گھر رخصت ہوگئی تھی۔ بنا کسی رخنہ اندازی کی' ذکیہ اس دن کے بعد سے لڑ جھگڑ کر ادھر ہی آن بیٹھی تھی مگر لبوں پر قفل سا پڑ گیا تھا۔ ناک بھوں چڑھاتی ان کی خوشیوں کو دیکھتی رہتی تھی۔

امبر اور آنے والی دلہن کے لیے کی جانے والی خریداری سے اسے دیکھ کر ہی غش آنے لگے تھے۔ اس نے تو اپنی شادی پر کسی قسم کی اس طرح کی شاپنگ ہی نہ کی تھی۔ اسے اس قدر غصہ تھا جب زیادہ اصرار ہوا تو بازار جا کر الم غلم اٹھا لائی تھی کہ وہ یہ بھی تو بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس رشتے سے کتنی ناخوش ہے' اسے یہ رشتہ کسی طور پر بھی گوارا نہیں' اس لیے اس نے بھدے رنگوں والے کپڑے خود ہی جان بوجھ کر خریدے تھے تاکہ عثمان کے دل کو گہرا ملال ہو مگر اسے تو وہ ہر رنگ میں جچتی تھی۔

مگر اب اس کی محبت کی پٹی اس کی آنکھوں سے رفتہ رفتہ سرکنے لگی تھی محبت میں عزت پہلی ترجیح ہوا کرتی ہے کیونکہ جو محبت کرتے ہیں اور دوسرے فرد کی عزت کی پاسداری ہی نہ کریں تو اس کا واضح مطلب یہی ہوا کرتا ہے کہ وہ آپ سے بھی محبت کا حق دار نہیں ہوسکتا ہے۔ اتنے عرصے کے ساتھ میں نہ تو ذکیہ نے عثمان کو کوئی راحت پہنچائی تھی' نہ ہی اس کے احساسات اور خوشیوں کا خیال رکھا تھا' وہ محض 'میں' کے خودساختہ خول اور زعم میں جینے کی خواہش مند ایک نفسیاتی مریضہ تھی۔ اسے اپنی انا کے سامنے اپنے والدین اپنے پیاروں کی محبتوں کا کوئی مان رکھنا نہ آتا تھا۔ اس لیے آج وہ عین شادی کے موقع پر لڑ کر آ گئی تھی۔

شادی میں جو بھی آیا اس نے عثمان اور اس کی ماں کی بابت سوال کیے' نکاح کی تقریب میں تو ذکیہ بھی شامل نہ تھی ایک لحاظ سے بات آئی گئی ہوگئی مگر اب شادی میں ذکیہ تو ہر ہر معاملے میں آگے تھی جبکہ اس کی ساس جو رشتے میں خیر سے پھوپو کے عہدے پر بھی فائز تھی اور اس کا میاں دونوں ہی غائب تھے اور محلے والوں نے تو آنے والوں کو یہ تک بتا دیا تھا کہ خیر سے دو گلیاں چھوڑ کر تو ذکیہ کی سسرال ہے۔ بامشکل عثمان کی خودساختہ بیماری کا بہانہ بنا کر معاملے کو دبانے کی سعی کی گئی تھی مگر پھر بھی سوال باقی تھے کہ ذکیہ کے چہرے پر تو ڈھونڈے سے بھی ذرا سی پریشانی کا شائبہ تک نہ ملتا تھا۔

اب کوئی کیا بتائے کہ اسے تو دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھولنا آتا تھا۔ دوسروں کے سینے پر مونگ دلنا آتا تھا۔ تو وہ بھلا کیوں کسی قسم کی پریشانی کا شکار ہوگی۔ جو لوگ اپنی آسودگی کی خاطر دوسروں کو سوگوار اور پُرملال کردیتے ہیں' زندگی میں خوش وہ بھی نہیں رہتے' کسی قسم کی پریشانی نہ سہی پر آنکھ میں اس کے لیے عجیب سا تجسس تھا جو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ زبان زدعام ہوچکی تھی اور کم از کم یہ بات اسے بھی بے چین کرگئی تھی۔ اسے یوں کسی کی بھی گوسپ کا حصہ بننا ہرگز پسند نہ تھا۔

اب زیبا کی آمد پر اس کا ردعمل بھی عجیب تھا۔ ساس تو بہو کو خوش دلی سے گھر کی دہلیز سے اندر لا رہی تھی' مگر زیبا کی اس خوش کن آمد پر وہ بالکل غیر جانبدار ہو کر ہاتھ جوڑے ایک جانب کھڑی نفرت بھری نگاہ سے زیبا کو دیکھ رہی تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زیبا کو گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دے۔ جب وہ دکھوں کے دوراہے پر کھڑی تھی اس کی تمام خوشیاں پامال ہوچکی تھیں تو کسی کو بھی کیا حق حاصل تھا کہ اپنی محبتوں کو حاصل کرلیتا اور ساری خوشیوں کو پالیتا۔

اسے زویا نے جب بتایا کہ ذکیہ آپا ہم سب بہت خوش نصیب ہیں کہ ریحان بھائی نے اس قدر محبت اور چاہت سے زیبا آپی کا ساتھ مانگا اور یہ بات ہمارے

لیے بے حد تقویت کا باعث ہے۔ زویا نے تو یہ بات محض اپنی سادگی میں کہی تھی مگر ذکیہ پھر ذکیہ ہی تھی وہ بنا کہے باقی سارا معاملہ بھانپ چکی تھی۔ اس نے بھی طے کرلیا تھا کہ وہ زیبا کا جینا دوبھر کردے گی۔ جس طرح اس کی خوشیوں کی کسی کو بھی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ جیے یا مرے اس طرح سے وہ بھی دوسروں کی خوشیوں میں رخنہ انداز ہوگی' جہاں تک ممکن ہوگا اپنی زہریلی فطرت سے دوسروں کو ڈس لے گی۔

زیبا اپنے حجلہ عروسی میں سر جھکائے من موہنے خیالات سے سرشار ریحان کا انتظار کررہی تھی' وہ مجسم انتظار تھی۔ آج وہ جی بھر کر ریحان کا دیدار کرسکتی تھی۔ زمانے کی کوئی ظاہری دیوار آج حائل نہ تھی۔ وہ آج شرعی طور پر اس کی شریک سفر بن گئی تھی۔ ریحان کی محبت اس کے پور پور میں دھڑکن بن کر سما گئی تھی۔ وہ کافی دیر تک سر جھکا کر بیٹھی تھکن محسوس کرنے لگی تھی۔ پہلے اتنا طویل سفر اور پھر یہاں آ کر وہ ریحان کا اتنی دیر تک انتظار۔ اسے گھڑی دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اچھا خاصا وقت بیت چکا ہے رات کا پچھلا پہر شروع ہوچکا ہے اور ابھی تک ریحان نے کمرے میں قدم نہ رکھا تھا۔ اسے اب فکر ستانے لگی تھی مگر وہ نئی نویلی دلہن تھی اٹھ کر کمرے سے باہر جا کر دیکھ بھی نہ سکتی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے اس لیے وہ سمٹی سمٹائی اس کی منتظر رہی۔

دوسری جانب ریحان کمرے سے باہر پہلے تو جان بوجھ کر دوستوں اور کزنوں کے درمیان گھرا رہا کیونکہ وہ خود بھی اس لمحے سے خائف تھا' وہ دل ہی دل میں زیبا سے سخت خفا تھا اسے دکھ تھا کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے اور اسے محض اپنی تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرگئی ہے۔ اسے اس بات کا گہرا ملال تھا کہ وہ شہیر کی محبت میں مبتلا ہے۔ شہیر کی محبت اگر اس کے دل میں اس قدر مضبوط تھی تو اسے چاہیے تھا کہ وہ اس محبت کا اعتراف کرلیتی' ایک بات طے تھی یا اسے بے وقوف بنایا گیا تھا' اس کے جذبات سے کھیلا گیا تھا دوسری شہیر کو بھی اپنی محبت کے جال میں پھانسا گیا تھا' جب وہ زیبا کی معصوم صورت کو اپنی نگاہوں کے سامنے لاتا تو اسے لگتا کہ یہ سب جھوٹ ہے فریب ہے زیبا ایسا کرہی نہیں سکتی...... انہی خیالات کی بدولت وہ کمرے میں جانے سے کترا رہا تھا۔ خود شکستگی سے ڈرتا تھا' اسے خوف تھا کہ وہ زیبا کے رعب حسن میں نہ آ جائے۔ وہ کسی صورت اب اس کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا تھا' اعتراف محبت کی ثبت سے اپنے پاکیزہ جذبات کو کچلنا نہیں چاہتا تھا۔

دوسری طرف اسے ضد بھی تھی کہ اب زیبا کو تسخیر کرنا ہے' اب جو اس کے نام کے ساتھ منسوب ہوچکی ہے اسے اپنے سامنے ریزہ ریزہ بکھرتا ہوا دیکھنا ہے' نجانے پھر وہ رات کا کون سا پہر تھا جو وہ اپنی خود ساختہ جنگ سے تھک سا گیا تھا' سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے سارے کام نبٹا کر۔ جب فائزہ بیگم کی نگاہ اکیلے ٹیرس پر کھڑے ہوئے ریحان پر پڑی تو وہ بری طرح سے چونکیں اور لپک کر اس کے پاس آ ئیں۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو اس وقت؟ تمہیں تو دلہن کے پاس جانا چاہیے' وقت دیکھا ہے تم نے' کیا بات ہے کچھ پریشان سے دکھائی دے رہے ہو؟" یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات ان کے دماغ میں گردش کرنے لگے تھے وہ بے حد فکر مندی کا اظہار کررہی تھیں' وہ پھیکی سی مسکان لیے مسکرادیا۔

"جی امی جا ہی رہا ہوں۔" وہ سیدھا ہو کر بولا۔

"دیکھو ریحان میری ایک بات یاد رکھنا' اگر کوئی بات ہے تو مجھے ابھی صاف بتادو میں ماں ہوں تمہاری یہ اتری ہوئی صورت تو صاف بتلا رہی ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔" فائزہ بیگم کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا' چہرے پر فکر مندی ہویدا تھی' کوئی بھی ماں اپنے بیٹے کو شادی کی رات یوں پریشان حالت میں تنہا پائے گی تو سو طرح کے اندیشے اور وسوسے اسے ستانے لگیں گے اور وہ بھی ایک ماں تھی جس کا دل ممتا سے لبریز و گداز تھا اور وہ ریحان کو ہر صورت آباد دیکھنے کی خواہش مند تھیں' اسے ہنستا بستا دیکھنے کی

آرزومند تھی۔

"ارے امی! میں ذرا جھجک سا رہا تھا اب آپ سے کیا کہوں مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بات سنبھال گیا۔

"کیا......؟ اف تو نے تو میری جان ہی نکال کر رکھ دی تھی' جاؤ اب وقت ضائع نہ کرو' شکر ادا کرو کہ میری نگاہ ہی پڑی ہے تم پر' کسی اور نے دیکھ لیا ہوتا تو نجانے صبح تک کیا کچھ کہانی بن چکی ہوتی۔ سارے مہمان تو جا چکے ہیں' دوسرے شہر سے آئے جو مہمان ہیں وہ صبح سویرے ہی ناشتے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔ ولیمے کی تقریب تو یوں بھی ہم نے تین دن بعد کی ہی رکھی ہے۔" وہ بات مکمل کر کے بولیں۔ وہ ماں کی بات پر کمرے میں چلا گیا۔ بے حد مودب ہو کر وہ بہر کیف کسی طور بھی اپنی ماں کی پریشانی کا سبب نہیں بن سکتا تھا۔

زیبا اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی' لمحہ بھر کے لیے ریحان کو اپنی اس غلط حرکت پر افسوس ہونے لگا' جو بھی تھا جیسے بھی تھا وہ اس کی محبت بھی تو تھی۔ اس نے اس دن کے لیے کیا کیا نہ سوچا تھا' کتنے روپہلے کرنوں والے خواب آنکھوں میں سجائے تھے۔ وہ اس کے پاس ہی بیڈ کے کنارے پر آن بیٹھا' وہ شرما کر سر جھکا گئی تھی۔

سرخ رنگ کے لہنگے میں ماہر بیوٹیشن کے میک اپ سے اس وقت کھل گئی تھی' اس کا نکھرا روپ اور حسن جاوداں دل کو تسخیر کر رہا تھا۔ اس کا پلکوں کا جھکا دینا اس کے چہرے پر بکھری محبت کی تمازت اسے جاذب نظر بنا رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ وصل تھا جس میں ریحان سب بھول بھال گیا تھا' حتیٰ کہ یہ بھی کہ اس نے منہ دکھائی میں زیبا کو کنگن دینے تھے جو اس نے کوٹ کی جیب میں رکھے ہوئے تھے' مگر اسے یاد تھا تو محض یہ کہ یہ سراپا حسن اس کا مقدر ٹھہرا ہے وہ اس پر حق جتا سکتا ہے اور پھر وہ اس کے پندار حسن اور خوشبوؤں سے بسے وجود میں خود کو مدغم کر گیا تھا' مگر اس سب میں بھی اسے کہیں نہ کہیں غصہ تھا' دبی

دبی چنگاری تھی جو سلگ رہی تھی' تبھی وہ محبت کی نرماہٹ کی بجائے سلگتے جذبات اور غصہ سے اسے اپناتا چلا گیا اور زیبا جو اس سے اپنی اس خاص تیاری پر تعریفی جملے سننے کی متمنی تھی یا کوئی محبت بھری بات سننے کی اہل تھی۔

ریحان کے اس عجیب سے احساسات میں گھری وہ جیسے اپنے خوابوں کو چکنا چور ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے خواب اس کی پلکوں کی باڑ پر ہی دم توڑ گئے تھے۔ وہ دل شکن بس دیکھتی رہ گئی تھی پھر ریحان تو گہری نیند کی وادی میں گم ہو گیا تھا جو قلعہ اسے مسمار کرنا تھا وہ اسے تسخیر کر چکا تھا' مگر وہ اپنے دکھی جذبات لیے بنا آواز کے ایک تسلسل سے رو رہی تھی' گرم سیال آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے' اس کا چہرہ تر تھا' دل غمگین۔

وہ یونہی سوگوار سی بیٹھی تھی پھر نجانے کب وہ بستر پر ڈھے سی گئی اور پھر اسی طرح اسی انداز میں سکڑی سمٹی وہ سو گئی تھی' کچھ اس طرح کہ روتے روتے کچھ آنسو اس کے گالوں پر جم سے گئے تھے۔ صبح سویرے ہی اس کی آنکھ باہر ہونے والی زوردار دستک سے کھل گئی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر اطراف کا جائزہ لیا' اس کے برابر ریحان بے خبری سے گہری نیند میں گم تھا' وہ لمحہ بھر میں رات کے ہونے والے تمام واقعات کو ذہن میں دہراتی ہوئی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ اس نے پہلے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور دروازے تک آئی اور دروازہ دوبارہ سے زوردار دستک سے بج اٹھا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی ذکیہ آپا کو کھڑا پایا۔

"کیا بات ہے دن چڑھ آیا ابھی تک سوئی پڑی ہو' کیا والدین کے گھر میں بھی اسی طرح کے اطوار تھے تمہارے۔" ذکیہ آپا نے زہر خند لہجے میں کہا' وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ اس بات کا کیا جواب دے۔ وال کلاک پر اس وقت دن کے نو بج رہے تھے' مگر وہ ساری رات روتی رہی تھی اور پھر یہ شادی کے لحاظ سے بہت جلدی کا وقت تھا پھر وہ یہ سوچ کر بھی تحیر کا شکار تھی کہ کیا اسے اہل خانہ کے لیے ناشتہ تیار کرنا تھا اولین دن میں بھی۔ اس نے یہ سب

سوچا ضرور مگر لب بستہ کھڑی تھی۔

"اب کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو' فریش ہو کر باہر نکل آؤ' ایک ہم تھے صبح سویرے ہی جاگ جاتے تھے۔"

وہ حیرت سے کھڑی رہی اور ایک طرف وہ اسے جانے کو کہہ رہی تھیں' دوسری طرف ان کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی' جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ اب پلٹنے ہی والی تھی جب وہ بولیں۔

"اب گھنٹہ نہ لگا دینا' جلدی آؤ مجھ سے یہ سارے بکھیڑے اکیلے نہیں دیکھے جاتے...... سب مہمان ابھی بھی موجود ہیں' آ کر میرا ہاتھ بٹاؤ۔" وہ سر اثبات میں ہلا کر واپس پلٹ گئی۔

واش روم میں آئینے کے سامنے اپنا عکس دیکھا' رونے کی وجہ سے سوجی آنکھیں اس کے درد کی داستان بیان کر رہی تھیں۔ نجانے رات کو ریحان کا اس نے کون سا روپ دیکھا تھا' درندہ صفت انسان کیا وہ وہی ریحان تھا جسے اس نے ایک عرصے تک چاہا اور سراہا تھا۔ اس کے خواب دیکھے تھے' دل کے نہاں خانوں میں اس کا عکس جھلملاتا تھا اور آج لگتا تھا کہ اس کا وہ عکس بلند و بالا بت مسمار ہو گیا تھا۔ محبت اور نفرت میں ایک ذرا سا ہی فاصلہ ہوا کرتا ہے' جب یہ محبت نفرت کے اس پار قدم رکھتی ہے تو پھر اس میں شدتیں بھی آ جاتی ہیں' مگر وہ تو اس وقت عجیب متضاد کیفیات سے دوچار تھی' اس نے ساری سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور آئینے کے سامنے اپنے عکس کو دیکھ کر گیلے بال سلجھانا شروع کر دیے تھے' ہلکے کامدار نگینوں والا لباس زیب تن کیا سر پر قرینے سے دوپٹہ رکھ کر وہ باہر کی جانب قدم رکھ رہی تھی جب اس کی نگاہ ریحان پر پڑی تھی جو بے حد معصوم لگ رہا تھا۔ اتنے دنوں کی بے خوابی کے بعد وہ آج گہری نیند میں تھا اور وہ اسے اس قدر سکون سے سوتا دیکھ کر کلس کر رہ گئی۔

دوسرے کا سکون لوٹ کر وہ کس قدر پُرسکون لگ رہا تھا۔ اس نے ایک خشمگیں نگاہ اس پر ڈالی اور باہر کی جانب چل دی۔ اس نے سیدھا کچن کا رخ کیا چونکہ اس سے قبل پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکی تھی اس لیے اسے معلوم تھا کچن کس طرف ہے۔

کچن میں اس وقت ذکیہ آٹا گوندھنے کی کوشش میں برسرِپیکار تھی اس نے دیکھا ابھی تک سنک گندے برتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' اس نے تحیر سے دیکھا' وہ کیسے آرام سے ان گندے برتنوں کا ڈھیر نظر انداز کر کے ناشتا تیار کرنے لگی۔ اس کا تو دل ہی اوب گیا تھا۔ یہاں کھڑے ہونے کے بھی حالات نہ تھے' اس نے کمر کس لی اور سب سے پہلے اس نے برتن دھونا ہی شروع کیے۔ اسے برتنوں کی جانب متوجہ دیکھ کر ذکیہ بالکل مطمئن ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کا بالکل بھی ارادہ اور نیت نہ تھی اتنے برتنوں کا ڈھیر دھونے کی ذکیہ آٹا گوندھ چکی تھی' اس نے مڑ کر اسے مخاطب کیا۔

"اب تم پراٹھے پکانا شروع کرو' ساتھ میں آملیٹ بنا لو اور ابھی ابا چنے وغیرہ بازار سے لے کر آ جاتے ہیں۔"

ذکیہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔ اس نے پہلے برتن صاف کر کے قرینے سے الماری میں رکھا' اس کے بعد چولہا جلا کر خستہ نرم سے پراٹھے پکانا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ ہی سارے گھر میں اس کے تیار کردہ پراٹھوں کی مہک پھیل گئی تھی۔ وہ آملیٹ بنا رہی تھی جب دوبارہ ذکیہ کا کچن میں چکر لگا' نجانے وہ اسے احکامات دے کر کہاں چل دی تھی۔

"صرف بیس پراٹھے استغفراللہ باہر مہمانوں کا جم غفیر ہے' کیا یہ وہ کھائیں گے' میں نے جتنا آٹا گوندھا تھا کم تھا تو اور گوندھ لیتی' اب نیا آٹا گوندھو اور سرے سے ناشتہ تیار کرو۔" ذکیہ کا نیا حکم سن کر وہ جواب مطمئن سی تھی کہ کاموں سے فراغت مل رہی ہے پریشان ہو اٹھی تھی ایسا بھی نہ تھا کہ وہ کام چور اور کاہل وجود تھی' اسے کام کاج کرنے نہ آتے تھے۔

مگر اس وقت وہ سخت ذہنی اضطراب سے دوچار تھی' اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا' اسے رہ رہ کر ریحان پر غصہ آ رہا تھا' مگر اس کے ساتھ اپنی کم مائیگی کا دکھ بھی تھا۔ اس

نے کتنے ارمان سجائے تھے اور اس نے ایک پل میں اس کے تمام خوابوں کو چکنا چور کردیا تھا اس کی تمام امیدوں کا محل زمین بوس ہوگیا تھا۔ تبھی حامد صاحب آگئے تھے چنے اور ڈھیروں نان لیے۔

''ارے بہو...... تم کچن میں کیا کررہی ہو' تمہاری ساس کہاں ہیں؟ توبہ ہے بھئی۔'' حامد صاحب بے حد خفا ہوئے تھے۔

''جی کوئی بات نہیں میں نے یہ پراٹھے پکائے ہیں شاید کم ہیں میں مزید بنادیتی ہوں۔'' وہ ہمیشہ سے ہی مودب رہی تھی اب کیسے ممکن تھا کہ حدادب ہوجاتی' اس نے بہت ادب سے جواب دیا۔

''نہیں...... نہیں اس کی قطعی ضرورت نہیں ہے' میں بازار سے ناشتہ لے آیا ہوں' سب کرلیں گے اور جس کو بازاری ناشتہ ہضم نہیں ہوتا وہ آ کر خود زحمت کرلے گا' تم ابھی کے ابھی باہر نکلو اور جاکر اپنے کمرے میں بیٹھو آرام کرو۔'' حامد صاحب نے قطعی انداز میں کہا' ان کا لہجہ اتنا بلند ضرور تھا کہ اسی وقت فائزہ بیگم بھی آگئیں۔ ان کے چہرے سے ہی معلوم ہورہا تھا کہ ان کی طبیعت خراب ہے' ستا ہوا چہرہ تھا۔

''ارے دلہن تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' فائزہ بیگم تو اسے یہاں دیکھ کر ہی ہک دک رہ گئیں۔ یقیناً انہیں قطعاً علم نہ تھا کہ وہ یہاں برسرپیکار ہے اور پراٹھے بنارہی ہے۔

''یہ خیر سے پندرہ بیس پراٹھے بناچکی ہے آٹا گوندھ چکی ہے اور ظاہر ہے جب میں یہاں سے گیا تھا تو یہاں برتنوں کا انبار بھی تھا جو بہو نے ہی دھویا ہے' کیا سوچتی ہوگی کہ آتے ساتھ ہی...... تم کہاں تھیں اور اسے کس نے کہا تھا یہ سب کرنے کو۔'' حامد صاحب سخت خفا ہورہے تھے۔

اور وہ ان کی محبتوں کو دیکھ کر ہی شرمندہ ہورہی تھی۔

''میں نے کہا تھا اباجی اور اس میں حرج ہی کیا ہے اب یہ کوئی غیر نہیں رہی' اس گھر کا حصہ ہے...... اگر دو چار کام کربھی لیے تو ایسی کون سی قیامت آگئی' ابھی سے اسے سر چڑھا ئیں گے تو کل کلاں کو آپ کے لیے ہی مصیبت بن جائے گی' میں کہے دیتی ہوں کہ پہلے دن سے ہی ایسے کاموں کی عادت ڈالیں۔'' وہ منہ بگاڑ کر بول رہی تھی' اب جاکر یہ عقدہ کھلا کہ اس کے پیچھے روح رواں کوئی اور نہیں وہ خود تھی' تب سب نے شرمندگی سے سر جھکادیے تھے' وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی کیونکہ اب سب بضد تھے کہ وہ آرام کرے اور کاموں میں حصہ نہ لے۔

وہ کمرے میں آئی تو وہ دشمن جاں سامنے ہی بیٹھا تھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا اور ریحان ندامت سے نگاہ چرا گیا تھا۔ شاید اب اسے بھی اپنے ناروا سلوک کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا اور اس کا ثبوت اس کی نگاہوں میں اجاگر ہوتی ندامت تھی۔ پھر سب نے مل کر پُراہتمام ناشتے سے ہاتھ صاف کیے تھے' وہ بالکل چپ چاپ سی تھی اور بامشکل ہی اس نے دو چار لقمے زہر مار کیے تھے۔ اس نے تو کل رات بھی کھانا نہ کھایا تھا مگر پھر بھی بھوک اس سے روٹھ چکی تھی۔

''کیا بات ہے بہو تم نے بہت کم ناشتہ کیا' بیٹا سیر ہو کر کھاؤ' کسی قسم کا تکلف نہ کرو۔'' فائزہ بیگم نے محبت پاش لہجے میں کہا تو ریحان نے چونک کر زیبا کو دیکھا۔ تھکا مضمحل وجود اس کے سوگوار حسن میں اضافہ کررہا تھا۔ اسے اپنا آپ مجرم لگنے لگا تھا اس کا قصوروار تو وہی تھا۔

''جی میں کھارہی ہوں۔'' وہ شائستگی سے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم نے زیور بھی کوئی نہیں پہنا...... اور نہ ہی تیار ہوئی ہو۔ بیٹا تم ابھی نئی نویلی دلہن ہو' سج سنور کر رہو' ابھی دوپہر تک تمہارے گھر والے بھی ملنے آئیں گے' پھر میں ان کے سامنے یوں تمہیں سادہ سے حلیے میں نہ دیکھوں۔''

''جی میں ابھی تیار ہوجاتی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

مگر ذکیہ کھانے کے اس دسترخوان پر بیٹھی، گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ کھاگ تھی، اسے نجانے کیوں وہ خوش نہیں لگ رہی تھی اور وہ اس کے اس سادہ حلیے کو بھی اس کی ناخوشی پر محمول کر کے خوشی محسوس کررہی تھی۔

شام سے قبل ہی زویا اور ساتھ میں سب اہل خانہ آ گئے تھے۔ ان کو ادھر ہی رہنا تھا کیونکہ اگلے دن ولیمہ کی تقریب تھی اور وہ سب اس کے بعد ہی گھر جانے والے تھے۔ زویا کرن سب تھے، شہیر اور ظفری بھی آئے تھے۔ شہیر کو دیکھ کر نجانے کیوں ریحان کی رگیں تن سی گئی تھیں۔ وہ اس شخص کو بالکل بھی دیکھنے کا روادار نہ تھا، واقعی اب اس نے متلاشی نگاہوں سے دیکھا، اسے معلوم ہورہا تھا کہ شہیر کس قدر کمزور اور اداس سا لگ رہا تھا۔

اس نے تو اس نہج پر پہلے سوچا نہ تھا اور شہیر بالکل چپ چاپ تھا۔ ظفری کی طرح ہنس بول بھی نہیں رہا تھا، یقیناً موصوف کو گہرا صدمہ ملا تھا، جبھی تو وہ اس قدر آ زردگی لیے بیٹھا تھا۔ وہ جو زیبا کے پُر ملال چہرے کو دیکھ کر اس میں وقتی طور پر ہی احساس ندامت جاگ گیا تھا وہ دوبارہ سے ختم ہوگیا تھا۔ اس کا دوبارہ سے غصے میں برا حال تھا، دھوکہ ملا تھا اسے۔ پھر نجانے اس کی عادت تھی کہ وہ دل کی بات دل میں نہیں رکھتا تھا زویا کسی بات پر اس سے مذاق کررہی تھی۔

"دولہا بھائی اس قدر چپ کیوں بیٹھے ہیں۔" اس وقت کمرے میں صرف زیبا اور وہ ہی تھے۔

کرن اور سب باہر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ وہ کسی کام سے کمرے میں آیا تھا، جب وہ دونوں بہنیں سر جوڑے نجانے کیا باتیں کررہی تھیں، اسے دیکھ کر فوراً سیدھی ہوگئی تھیں۔ نجانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ اور جب وہ اپنے کپڑے لے کر باہر نکل رہا تھا جب زویا نے اسے روک کر کہا۔

"یہ آپ اپنی بہن سے پوچھیں، جو زبردستی اس رشتہ میں منسلک ہوگئی ہے۔ جسے میرا ساتھ قبول نہ تھا...... اگر انہیں شہیر ہی پسند تھا تو پھر اس سے شادی کیوں نہ کرلی۔ وہ تو یوں بھی ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر تھا۔ مال و دولت میں بھی، شکل وصورت میں بھی اور سب سے بڑھ کر اپنا تھا۔" نجانے کیوں اس کے منہ سے سارا سچ نکل گیا اور وہ دونوں ہونق بنیں بیٹھی اس کا منہ تک رہی تھیں۔

"یہ خرافات کس نے کہی ہیں آپ سے؟" اب کے زویا سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"کس نے کہنی ہے، میں بھی آنکھیں رکھتا ہوں، سب دیکھ سکتا ہوں، سنا ہے موصوف کو اتنا صدمہ ملا کہ ایکسیڈنٹ بھی ہوا تھا زیبا صاحبہ کی محبت میں۔" وہ کڑوے کسیلے لہجے میں بول رہا تھا، زیبا کا تو تحیر سے اور دکھ سے برا حال تھا تو یہ وجہ تھی اس کے اس انداز بے رخی کی۔ مگر یہ زہر اس کے دل میں کس نے بویا تھا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آرہی تھی۔

مگر جب زویا نے حد سے زیادہ ریحان کے الزامات سنے تو صبر ختم ہوگیا اور اٹھ کھڑی ہوئی اس نے لپک کر دروازہ اندر سے بند کیا اور عین دروازے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"ریحان بھائی یہ کوئی فلم نہیں ہے، جس میں غلط فہمیاں جنم لیں اور ختم ہونے کا نام ہی نہ لیں۔ میں نے سب سنا اور سب سن کر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ یہ سب کسی کی کارستانی ہوسکتی ہے۔ رہی بات شہیر کی تو وہ واقعی کسی کی محبت میں گرفتار ہے اور صدمے سے ہی اس کا ایکسڈنٹ بھی ہوا تھا۔" زویا کی بات پر استہزائیہ مسکراہٹ نے ریحان کے لبوں کو چھوا۔

"مگر جانتے ہیں کہ وہ زیبا نہیں جس کی محبت میں اس نے یہ قدم اٹھایا، وہ کم بخت سیاہ بخت میں ہوں، مجھ سے محبت کا دعویدار ہے وہ اور میں چاہ کر بھی اس کی محبت کو قبول نہیں کرسکتی...... آپ تو بہت محبت کی دعویدار تھے کہاں گئی آپ کی محبت زیبا سے، بہت غرور تھا کہ زیبا کہتی کہ ریحان مجھے بہت آسودہ رکھیں گے، کیا یہی وہ خواب کی تعبیر ہے، کیا یہی وہ محبت ہے جس کے خواب آپ

نے زیبا کی آنکھوں میں بھر دیے تھے اور اب زیبا کو رلا رہے ہیں۔ جانتے ہیں زیبا بہت باظرف ہے میں تب سے اس کے اداس وملول چہرے کو دیکھ کر پوچھ پوچھ کر ہلکان ہوگئی کہ بتادو زیبا کیا بات ہے مگر مجال ہے کہ یہ لڑکی پھوٹ ڈالے منہ سے۔" وہ بولی۔ اس کے اس انکشاف پر ریحان کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

"مگر کرن نے تو مجھ سے کہا تھا کہ....." اس کی بات درمیان میں ہی ادھوری رہ گئی۔

"اوہ تو یہ کارستانی کرن کی ہے مجھے پہلے ہی اس کا اندازہ ہوگیا تھا کہ کرن ایک حاسد متعصب لڑکی ہے اسے غصہ تو مجھ پر تھا اور اس کا سارا ملبہ میری ہی بہن پر ڈال دیا مجھے کہتی مجھے الزام دیتی مگر میری بہن بے قصور ہے۔ اسے موردالزام ٹھہرادیا یہ اس کا نفسیاتی مسئلہ ہے جس سے وہ دوچار ہے اسے مسئلہ یہ نہیں کہ وہ کس کو کیا کہہ کر فساد پھیلا رہی ہے اس کا مسئلہ فقط اتنا سا ہے کہ وہ ایک ناسمجھ لڑکی ہے وہ نہیں جانتی کہ اس کا ایک اٹھایا غلط قدم کتنی زندگیوں کی بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی اور وہ حیران پریشان کھڑا لب بستہ تھا۔

"وہ بہت چھوٹی سی تھی تب سے اس نے دھتکار سہی ہے دکھ جھیلے ہیں اب جاکر اس کا رشتہ طے ہوا ہے میری دعا ہے کہ وہ خوش رہے آباد رہے رہی بات کہ اس نے ایسا کیوں کیا وہ اس کا ایک ذہنی مسئلہ ہے وہ یوں ہی کرتی آئی ہے ہم سب جانتے ہیں کبھی کسی کا من پسند کھلونا لے لیا کسی کا خوب صورت لباس لے لیا کبھی کسی کے ہاتھ کے کنگن اتروالیے کسی کی خوب صورت دیدہ زیب جوتی لے لی اور کبھی کسی کے بنا پوچھے اس کی کوئی بھی چیز جو دل کو بھا گئی اٹھالی۔ مسئلہ یہ ہے کہ کرن کسی کا نصیب نہیں چرا سکتی اس معاملے میں وہ قطعی بے بس ہے۔ اس نے یہ آگ لگائی تاکہ زیبا ناآسودہ رہے مگر زیبا نے ہر کسی سے نیکی کی ہے ہمیشہ سب سے محبت کی ہے اس لیے اسے رب نے بھی آسودہ ہی رکھنا ہے ریحان بھائی میں سچ کہہ رہی ہوں زریاب سے محبت کرنے کی سزا ملی ہے مجھے میں نے انکار کردیا تھا اس دن آنسہ پھوپو سخت خفا ہوئی تھیں اور شہیر بھی غصے میں گاڑی نکال کر بھگا لے گیا تھا۔ اس کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور زخمی حالت میں کئی دن تک ہاسپٹل میں رہا اس کے بعد سب نے ہی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا میں چاہتی تو چپ چاپ شہیر کا ساتھ قبول کرلیتی مگر اس کے بعد کیا ہوتا اس کے بعد نہ میں خوش رہتی اور نہ ہی شہیر خوش رہتا۔ کل کلاں اسے میری اور زریاب کی محبت کا ادراک ہوتا تو وہ گہرے ملال میں گھر جاتا اس لیے بہتر یہ تھا کہ میں صاف انکار کردوں اور میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ اب آپ بتائیں اس سب میں زیبا کا کیا قصور یہ بے چاری تو بے قصور ہے سنا سے میں نے اپنی داستان میں کبھی ملوث کیا میں نے محبت کی مگر اسے کبھی زبان زدعام نہیں کیا۔ اس محبت کو سینت سینت کر اپنے جی میں دبالیا کبھی کوئی حد عبور نہیں کی یہ ایک احساس ہے جس میں گھر کر میں نے دکھوں کو سہا ہے مگر میں اب آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں اسے معاف کردیں اس کا قطعی کوئی قصور نہیں۔" وہ واقعی رو رہی تھی۔ آنسوؤں سے لبالب بھری اس کی آنکھیں تھیں اور خود ریحان شرمندگی میں ڈوب گیا تھا۔

"میں بہت شرمندگی محسوس کررہا ہوں میں کس طرح زیبا کے بارے میں اس قدر غلط فہمی کا شکار ہوگیا۔" ریحان نے دکھ سے کہا۔ اس وقت واقعی وہ گہری ندامت سے دوچار تھا۔ زیبا بھی رو رہی تھی اور خود زویا بھی رو رہی تھی۔

"ایسا کرو اب تم لوگ ایک دوسرے سے کھل کر بات کرو میں ابھی جاتی ہوں۔" زویا شرارت سے بولی اور آنسو صاف کرتی کمرے سے نکل گئی۔

کمرے میں گہری خاموشی تھی اور زیبا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ ہی مسکرایا اور اس کے عین مقابل آ کر بیٹھ گیا اور اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"کیا بہت زیادہ خفا ہو معافی کی کوئی بھی گنجائش نہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے اب؟“ وہ شوخ انداز میں بولا۔

”بہت برے ہیں آپ۔“ بے ساختہ زیبا کے لبوں سے پھسلا۔

”ہاں یہ تو سچ ہے جانم‘ مگر میں براہوں یا بھلا ہوں تو تمہارا ہی۔“ وہ اس سے شوخ انداز میں بولا اور اس نے شرم سے دہری ہوکر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔

”ہائے اللہ کس قدر حسین لگ رہی ہو بخدا دل میں اتر گیا تمہارا یہ حسین نقش۔“ وہ محبت پاش لہجے میں بولا۔ اس کی نگاہوں میں محبت ہلکورے لے رہی تھی‘ زیبا اور وہ اب مطمئن سے ہوگئے تھے۔

”آپ نے بہت برا سلوک کیا مجھ سے کوئی دشمن سے بھی ایسا نہیں کرتا۔“ وہ خفگی سے بولی اور وہ واقعی شرمندہ ہوگیا‘ اس کا ذمہ دار تو وہی تھا اور اس وقت وہ عجیب سا محسوس کررہا تھا۔

”سچ کہا جودکھ میں نے دیا ہے اس کا ازالہ بھی میں ہی کروں گا‘ تم پریشان نہ ہو‘ میں اب ان جھیل جیسی آنکھوں میں کبھی پانیوں کو آنے نہیں دوں گا‘ ہاں کبھی رونا بھی ہو تو اس پھول جیسے چہرے پر خوشی کے آنسو ہی ہوں گے۔“ وہ وعدے کررہا تھا اور وہ ان وعدوں میں جی رہی تھی۔

محبت کا ایک جہان دونوں کی نگاہوں میں آباد تھا۔ عشق کی امر بیل نے دل کے نہاں خانوں میں محبت کی صورت میں بسیرا کرلیا تھا۔ وہ اس کے دل کی دھڑکن میں سماگئی تھی۔ محبت کی چڑیا نے اپنے پنکھ پھیلا لیے تھے اور اس محبت کا ٹھکانہ محبت کی زمین سے لبریز دل تھے۔

اظہار محبت کی مہر ثبت ہوچکی تھی اور یہ وعدے وفا کرنے کا عہد کرکے وہ ایک دوسرے میں گم ہوچکے تھے۔

☆......☆☆......☆

اس کا درشت متکبرانہ انداز تھا اور کمرے میں خون آشام خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ طبقاتی دیواروں کا ہی رخنہ تھا کہ وہ اب ایک بیوی کم اور زرخرید ملازمہ زیادہ لگ رہی تھی۔ اگر بیوی ہوتی تو عزت سے بیاہی جاتی یوں بنا اجازت کے نہ لے جائی جاتی۔ اس کی نگاہوں میں نفرت کی چنگاریاں تھیں اور اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیلا گیا تھا‘ وہ اپنے دکھوں میں چور تھی۔

اس وقت نجانے کتنے نوحے اس کے اندر گونج رہے تھے ابھی تک تو اس کا دل زاہد کے جانے سے مرجھایا ہوا تھا‘ اس کا تلخ و ترش انداز بھی اس خبیث انسان پر اثر انداز نہ ہوسکا تھا‘ اس نے اپنے وڈیرے ہونے کی رعونیت میں اس کی ایک نہ سنی تھی۔ اس کے احساسات کی اس کے نزدیک قطعی کوئی بھی وقعت نہ تھی۔ یہاں حکم مردذات کا چلتا تھا اور وہ تو حاکم تھا اور وہ محکوم اور حاکم اور محکوم کا رشتہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

”ہاں اب تو ساری اکڑفوں نکل گئی ہوگی تیری۔ اب میری بات یاد رکھ‘ آج کے بعد تو گھر کا رستہ بھول جا‘ تو اب اس طرف کا رخ نہیں کرے گی۔ اگر میں نے سنا کہ تو نے غلطی سے بھی ادھر کا رخ کیا ہے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا‘ اس کا خمیازہ تجھے اب اپنے بھائی کی جان سے دینا ہوگا۔“ وہ اس وقت ظالم جابر حکمران لگ رہا تھا‘ کسی طرح بھی اس کا دکھ سکھ کا ساتھی‘ اس کا شوہر نہیں لگ رہا تھا۔

وہ بھی نباہ کرنے میں جت گئی تھی۔ نجانے اسے نباہ کرنے کا یہ ہنر کہاں سے آیا تھا کہ اس کے ہر ہر ظلم کے سامنے سر جھکا گئی تھی۔ کمال ضبط سے کھڑی اس کا حکم نامہ سن رہی تھی۔

یہ وسیع و عریض کوٹھی تھی اس میں اس کی دو سوتیلی مائیں تھیں۔ یعنی طارق کے توسط سے...... ایک طارق کی حقیقی والدہ تھیں‘ یہ دولت و امارت اب اس کا بھی حق قرار دی گئی تھی‘ طارق سے نکاح کے بعد اس کی حیثیت میں بھی واضح طور پر فرق آیا تھا۔ اب اسے کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی‘ رات سے قبل سج سنور کر طارق کے سامنے اس کی زینت بن جانا ہی اس کا واحد کام رہ گیا تھا۔ اب اس کی اپنی خادمائیں تھیں جو ہاتھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جوڑے اس کے حکم کے لیے کھڑی رہا کرتی تھیں۔کوئی اس کے لیے لباس لے آتی' کوئی اس کے لیے ناشتہ لاتی' پھر ایک ملازمہ اس کا کمرہ سنوارتی اور وہ بالکل چپ چاپ سب کو دیکھتی رہتی' وہ یہاں کے حالات دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

یہ امارت یہ شان وشوکت اس کے کسی کام کی نہ تھی۔ اس امارت نے اس دل میں ذرا برابر بھی احساس برتری پیدا نہ کی تھی۔وہ اس وسیع وعریض کوٹھی کے زنان خانے میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔اس کے آنسو اس کے اندر ہی جیسے منجمد ہوگئے تھے۔اپنے ساتھ اس بربریت پر وہ ایک بار بھی نہ روئی تھی سارے آنسو اس کے اندر ہی اندر جامد ہوگئے تھے۔ راتوں کو طارق اس پر حق جتاتا اور وہ خاموش رہتی تھی۔اس رشتے کی اس کے نزدیک کوئی بھی حقیقت نہ تھی' یہ ایک ظالم اور مظلوم کا رشتہ تھا' زور زبردستی کا۔

زہرہ بیگم تخت پوش پر دراز تھیں ملازمہ نے اسے پیغام دیا کہ چودھرائن نے اسے یاد کیا ہے۔وہ سر پر اچھی طرح دوپٹہ لپیٹ کر ان کے سامنے پیش ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا۔تیکھے نین نقش اجلی رنگت اور اٹھتی ہوئی خوبصورتی جو دل کو کھینچ رہی تھی۔تو یہ تھی وہ لڑکی جو اس کے طارق کو دیوانہ کرگئی تھی۔اس کے حواسوں پر چھاگئی تھی اور سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ابھی تک اتنے دنوں کے بعد بھی طارق اس کے لیے باؤلا ہوا پھر رہا تھا۔آتے ہی اس کی خیریت دریافت کرتا' اس نے کیا کھایا' اس نے دن کیسے گزارا؟ اور اس کی ایک ایک ضرورت کا خاص خیال رکھتا' نامعلوم یہ اس کا کون سا انداز تھا کیونکہ اگر وہ اس کا من پسند کھلونا بھی تھی تو اب تک شاید اس کا دل نہ بھرا تھا اور شاید جب اس کا دل اس کھلونے سے بھر جاتا تو وہ اسے طاق پر رکھ دیتا۔ساس سے اس کی یہ باضابطہ طور پر پہلی ملاقات تھی۔

"ادھر آ میرے پاس بیٹھ۔" وہ جو نظر جھکائے مودب سی کھڑی تھی' اس آواز میں چھپی جلاوت پر بری طرح چونک گئی۔اتنے دنوں سے یہ وہ پہلی آواز' لہجہ' جملہ تھا جس میں اس نے محبت کی گرمائی اور احساس کی آنچ محسوس کی تھی۔وہ جیسے ٹرانس میں چلی گئی تھی' سیدھی جاکر وہ ان کے پاس موڑھے پر بیٹھ گئی۔جو پاس ہی پڑا تھا۔

"دیکھ دھی رانی' تو اب اس گھر کا حصہ ہے' سارا دن کمرے میں گھسی کیا کرتی رہتی ہے' یہاں رہنا اب تیرا مقدر ہے تو یہاں دل لگا' سب سے بول چال' یہاں سے باہر جانے کے اب تمام راستے تیرے لیے مسدود ہوچکے ہیں۔تو اب میرے طارق کی امانت ہے اور تو چودھریوں کی اکڑ کو بخوبی جانتی ہے' کوئی میلی نگاہ تجھ پر پڑے یہ وہ اب گوارا نہیں کرے گا' اب تجھے یہاں ہی رہنا ہوگا اب یہ تجھ پر منحصر ہے کہ تو یہ سب خوشی خوشی سہتی ہے یا پھر رو دھو کر' دیکھ میرا ماننا ہے کہ تقدیر میں جو رقم ہے وہ بدلا نہیں جاسکتا' جو ملا' جتنا ملا اس میں راضی رہے گی تو سوہنا رب تجھے وہ بھی عطا کرے گا جو اس نے تجھ سے لے لیا ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ اپنے طارق کی آنکھوں میں محبت کی آنچ دیکھی ہے' تو اسے فی الحال محض زبردستی کا قصہ سمجھ رہی ہے مگر میرا خیال ہے وہ تجھ سے دل لگا بیٹھا ہے۔" بڑی بی نجانے کیوں یہ سب اسے بتا اور سمجھا رہی تھیں۔

وہ تو یوں بھی اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ چکی تھی اور اس نے طے کرلیا تھا کہ حالات جیسے بھی ہوں وہ صبر شکر سے اس پر قناعت کرے گی۔

"تو بھی سوچ رہی ہوگی کہ میں یہ سب تجھے کیوں بتارہی ہوں۔" پہلی مرتبہ اسے اس خاتون سے خوف سا محسوس ہوا کیونکہ اس مرتبہ اس نے اس کے دل کی بات جان لی تھی۔

"جانتی ہو محبت ایسی ہی ہوتی ہے بنا کسی جواز کے' کسی دلیل کے' کسی وجہ کے' جب جس سے' جس مقام پر ہونی ہو ہوجاتی ہے' محبت کے بعد انسان کو کبھی کبھار تو پہلی مرتبہ میں پہلے لمحے میں اس محبت کی گہرائی کا ادراک ہوجاتا ہے اور بعض اوقات ایک عمر گزر جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جس سراب کے پیچھے ہم بھاگ رہے تھے وہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

محبت ہے اور یہی میرے طارق کے ساتھ ہو رہا ہے اب مجھے تو بہت عزیز ہو گئی ہے تو جانتی ہے آج تک میں نے طارق کے سارے کھلونے سارے شوق سنبھال کر رکھے ہیں نجانے کون سے لمحے میں اسے وہ یاد آ جائے مگر تم تو ایک جیتی جاگتی گڑیا ہو جو اس کے دل کو بھا گئی ہے۔ میں کھلے دل سے تمہیں تسلیم کرتی ہوں اور اب تم اس گھر کا مان و عزت ہو۔" وہ قطعیت سے بولیں۔

"کس عزت کی بات کر رہی ہیں آپ......اور محبت کا معنی بھی معلوم ہے آپ کے بیٹے کو؟ وہ ایک مغرور گھمنڈی اور بے ضمیر انسان ہے۔" وہ نجانے کیسے پہلی مرتبہ تلخ و ترش لہجے میں بولی۔ اس کی بات پر لمحہ بھر کے لیے چودھرائن کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا تھا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا اب تم جا سکتی ہو۔" وہ بھی اس انداز کو بخوبی جانتی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب وہ باہر نکلی تو اس کا سامنا بتول سے ہوا' بتول طارق کی اکلوتی بہن تھی۔

"آپ میری بھاوج ہو ناں۔" وہ بڑی چاہت سے پوچھ رہی تھی۔ اپنی ہی عمر کی لڑکی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک سی گئی۔

"میں طارق بھائی کی بہن ہوں' ان کی اکلوتی چھوٹی لاڈلی بہن۔" وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے بارے میں کیا کہے' اس کی تو اب کوئی شناخت ہی نہ رہی تھی۔

"آئیں ناں میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی' کشادہ سا کمرہ جو گھر سے قدرے مختلف تھا پُرتعیش' پُرآسائش ہر طرح کی سہولت سے آراستہ۔

"میں یہاں کی شہزادی ہوں اور یہ میرا محل ہے' میرا کشادہ پُرآسائش کمرہ' میرا بھائی مجھ پر جان چھڑکتا ہے اور اس نے آپ کا ذکر کیا تھا مجھ سے۔ میں پہلے جھجکتی رہی تھی' پھر سوچا کہ دیکھوں تو سہی ایسی کون ہے جس نے میرے بھیا کا دل موہ لیا ہے اور واقعی میں تو آپ کے حسن میں کھو سی گئی ہوں۔ آپ کتنی چھوٹی موٹی سی لگتی ہیں'

شہابی رنگت' دلکش سراپا اور اس قدر خوب صورت نقوش سید حادل کے آر پار ہوتے ہیں۔" وہ کھل کر اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی اور کھلکھلا کر ہنس بول رہی تھی۔ جبکہ وہ بالکل خاموشی سے اس کی بات سنتی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ خود اس کے بات کرنے کے انداز کو ملاحظہ کر رہی تھی۔ اس کا انداز گفتگو بہت مہذب تھا۔

"جانتی ہیں میرے بھیا کسی عام شے کو دیکھ کر پسند کرتے ہی نہیں۔" یہ خالصتاً ایک بہن کی اپنے بھائی کے لیے محبت تھی۔

☆......☆☆......☆

بے حسی شرط ہے جینے کے لیے
اور ہم کو احساس کی بیماری ہے

وہ اسی کرب سے دو چار واپس لوٹ آیا تھا اور اسے امید تھی کہ اسے زویا دکھائی دے گی' وہ ٹوٹ سا گیا تھا' اس سے اپنے اندر کے دکھ کہہ دینا چاہتا تھا۔ وہ نوحے جو رات کے پچھلے پہر اس کے اندر گونجتے تھے اپنے حالات وہ اس سے سب کہہ دینا چاہتا تھا' مگر وہ یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی۔ کوئی ایسا تھا بھی نہیں کہ جس سے وہ معلوم کرتا کہ وہ کیوں نہیں آ رہی' پھر بہت مشکل سے اسے اس کی دوست دکھائی دی۔

"ایکسکیوز می بات سنیں۔" اس نے اسے مخاطب کیا۔

"جی کیسے ہیں آپ زریاب۔" وہ اسے دیکھ کر کھل کر مسکرائی۔ شاید وہ اتنا ہی سب کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔

"زویا دکھائی نہیں دے رہی......اصل میں' میں کچھ دنوں کے لیے گوٹھ گیا ہوا تھا اس لیے مجھے اس کی بابت معلوم نہیں میں نے سوچا آپ اس کی دیرینہ دوست ہیں آپ کو تو ضرور معلوم ہوگا۔" وہ طریقے سے پوچھ رہا تھا' پہلی مرتبہ وہ اس کی بات پر ہنسی۔

"صاف صاف کہیے کہ اس کی یاد ستا رہی ہے۔"

"جی......!" وہ متعجب ہوا۔

"میں صرف ان کی خیریت......" اس کی بات اس لڑکی نے جھٹ سے کاٹ دی۔

"مجھے زویا نے سب بتایا ہوا ہے' آپ ان فارمیلیٹز کو جانے دیں' اس کی کزن کی شادی ہے ناں' تو اس لیے وہ آ نہیں رہی' دو تین دن میں آ جائے گی اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ ایگزام کے لیے تو ہر صورت حاضر ہونا ہی ہوگا اس لیے خاطر جمع رکھیں۔" وہ بولی تو اس نے تقویت محسوس کی۔ وہ اس کے لیے واقعی بے حد متفکر تھا۔ اس کی غیر حاضری کا اصل سبب جاننے سے قاصر تھا' اب اسے معلوم ہوا تو دل مطمئن سا ہوگیا۔

بچھڑتے وقت جو تم سونپ کر گئے تھے مجھے
وہ انتظار میرے چار سو ابھی تک ہے......

واقعی وہ اس کے لیے شعوری و لاشعوری طور پر منتظر تھا۔ ہر لمحہ اس کی سوچ اس کے قلب وجاں میں دستک دیتی تھی۔ اسے اس سے محبت تھی اور محبت انسان کو دوسرے نفس سے اس قدر قریب کردیتی ہے اس کے غم اس کی خوشیاں اس کی پریشانیاں سب ہماری ہوجاتی ہیں۔

پھر وہ ہاسٹل آ گیا' تمام کلاسز لے کر وہ اب فارغ تھا تو سیدھا ہاسٹل کا رخ کیا تھا۔ کسی نے اسے پکارا' جب وہ اتنے دنوں کا اکٹھا ہوا کام نوٹ کررہا تھا' یہ نوٹس اس نے اپنے ایک دوست سے لیے تھے' اس نے سوچا تھا آج یہ سارا کام مکمل کرلے گا' کیونکہ اتنے دنوں کی غیر حاضری سے اس کا سارا کام التوا کا شکار تھا۔ اس کا چلتا قلم تھم گیا اس نے مڑ کر دیکھا وہ اس کا روم میٹ تھا۔

"یار یہ خط آیا ہے تمہارے نام۔" وہ اسے ایک خط تھما کر آگے بڑھ گیا اور وہ اس خط کو دیکھ کر تحیر سے سب بھول بھال گیا۔

اس نے جلدی سے خط چاک کیا' سامنے کی تحریر وہ دیکھ کر اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ اس کی رانو کی تحریر تھی۔

"بھیاجی......!

سلام عرض ہے...... میں جانتی ہوں کہ بظاہر میں آپ کی مجرم ہوں' آپ کی ہی نہیں میں تو سب کی مجرم ہوں' اماں کی بابا کی اور سب سے بڑھ کر خالہ کی...... جن کے لخت جگر نے مجھ سے محبت کی تھی' ایک گناہ کیا تھا اور محبت ہم جیسے غریبوں کی لغت میں جرم ہی کہلاتی ہے۔ یہ امیروں کے چونچلے ہوتے ہیں محبت کرنا' محبت کے تاج محل میں رنگ بھرنا' ہم جیسے تو محبت کرلیں تو ان کو اس کی سزا بھی ضرور دی جاتی ہے' اب زاہد تو منوں مٹی تلے جا سویا ہے' مگر میں اب جیتے جی بھی پل پل مر رہی ہوں۔ بھیا میں نے یہ شادی یہ نکاح' یہ رسم نبھائی ہے محض آپ کی خاطر' میں جانتی تھی کہ نفرت وانتقام کا یہ کھیل تب تک جاری رہے گا جب تک میں کسی ٹھکانے نہیں لگ جاتی۔ میں نے یہ شادی اس وقت فوراً ہی کرلی تھی' جب طارق نے مجھے کہا تھا کہ اب کی بار ان کا نشانہ آپ ہوں گے' بھیا مجھ میں مزید حوصلہ نہیں ہے کہ اپنوں کو کھودوں' ہمیشہ کے لیے کھونے سے بہتر تھا کہ میں ایک مرتبہ خود ہی سب سے دور ہوجاؤں۔ میں بیاہ کرآ گئی ہوں' یہاں بہت آسائش ہے' مراعات ہیں' جانتے ہیں ملازمائیں آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ طارق سرآنکھوں پر بٹھا کر رکھتے ہیں اور میری فکر میں گھلتے رہتے ہیں۔ مجھے کوئی غم نہیں ہے میں نے ایک فیصلہ جبراً اور مصلحتاً کیا تھا...... اب اس فیصلے کو نبھارہی ہوں۔ میں اب پلٹ کرآ نہیں سکتی...... مگر مجھے بابا کی تنہائی کا بہت احساس ہے' بھیا ہوسکے تو بھابی لے آؤ' اب بابا تنہا رہتے ہیں تو مجھے ان کی تنہائی کے آسیب ڈستے ہیں۔ میرے بابا اور ماں کے لیے بھابی لے آؤ۔ میں جانتی ہوں جب دن بھر اماں خالہ کے پاس رہتی ہے' خالہ کے بال سنوارتی' خالہ کو کپڑے بدلواتی' اسے کھلاتی ہے تو پیچھے ابا نظرانداز ہوتا ہے۔ خالہ نے بھی ضد پکڑلی ہے کہ وہ زاہد کو چھوڑ کر گھر سے قدم باہر نہیں نکالے گی' مگر اب اس کی سزا ابا کو مل رہی ہے' اماں وہاں ابا یہاں...... سوچ رہے ہوں گے کہ مجھے پل پل کی خبر کیسے ہے۔ میں اب مالکن بن گئی ہوں ناں' تو سب ملازمائیں میری خوشنودی کے لیے مجھے وہاں کے سارے حالات بتا کر انعام وصولتے ہیں' یہ خط بھی میں خفیہ طور پر لکھ کر آپ تک پہنچادوں گی' بھیا میرا مان رکھنا اور اب شادی کرلو۔

تمہاری مجرم

رانو!

وہ جانتا تھا کہ رانو نے خط میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا ہے جس سے اس کے دل کی حالت بیان ہو' مگر وہ اس کی سطر سطر پڑھ کر اس کی دلی کیفیت کو سمجھ گیا تھا۔ نجانے کیوں وہ خط پڑھ کر دل پر بوجھ محسوس کررہا تھا۔ کہیں نہ کہیں یہ سماج اس کا قصوروار تھا' جہاں ظالم کو ظلم کرنے کی چھوٹ دے دی جاتی ہے اور مظلوم صرف ظلم سہتا رہتا ہے۔

خدا کرے کوئی شکن نہ آئے تیرے ماتھے پر
میری آنکھیں ہر روز تجھے ہنستا دیکھیں......!

دولت کے انبار نے اس کی ساری خوشیاں اس سے چھین لی تھیں' مگر ایک وعدہ اس نے اپنے آپ سے کرلیا تھا کہ وہ اپنی بہن کی اس خواہش کو ضرور پورا کرے گا اور اب اسے زویا کی آمد کا انتظار تھا' اس کے آتے ہی اس نے اس سے بہت سی باتیں کرنی تھیں' اس نے سارے تشنہ خواب اس سے ضرور بانٹنے تھے۔ جس کے لیے وہ اب اس کے ہر قدم' ہر آہٹ کو گن رہا تھا۔

☆......☆☆......☆

ولیمے کا شاندار فنکشن ختم ہوتے ہی سب واپسی کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ سب خوش تھے کیونکہ زیبا اور ریحان بے پناہ خوش تھے۔ دعاؤں کے حصار میں زیبا کو چھوڑ کر سلمیٰ بیگم گاڑی میں آن بیٹھی تھیں۔

"اوہو بے دھیانی میں میں شہیر تمہارے پاس آبیٹھی ہوں" سلمیٰ بیگم نے متعجب ہوکر کہا۔

"جی اس سے کیا فرق پڑتا ہے باقی لوگ دوسری کار میں بیٹھ جائیں گے۔" وہ بولا۔

"مگر آتے وقت میں ظفری کے ساتھ ہی بیٹھی تھی

نان۔" وہ ذرا کشمکش کا شکار نظر آرہی تھیں۔ شہیر نے دیکھا ظفری کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر طلال صاحب تھے' جبکہ عقبی سیٹوں پر سارہ آنٹی' عمیر اور کرن بیٹھے تھے' وہ گاڑی فل ہوچکی تھی۔

اب سب وہاں بیٹھ گئے تھے اس لیے ادھر آنسہ پھوپو فرنٹ پر بیٹھی تھیں اور عقب میں آکر وہ دشمن جاں آن بیٹھی تھی جس کے بارے میں وہ ہر لحظہ سوچتا رہتا تھا۔ دادی جان بھی ہمراہ نہیں تھیں کیونکہ وہ گھر پر تھیں یوں یہ تمام کنبہ دونوں گاڑیوں میں روانہ ہوا تھا' بلال صاحب نے اشارہ کیا تو گاڑی روانہ ہوگئی تھی۔

شہیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے بیک ویو مرر سے دیکھا' وہ گہرے مہرون کلر میں اس قدر جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔ ہلکا سا میک اپ اس کے حسن کو دو آتشہ کررہا تھا۔

یہی وفا کا صلہ ہے تو کوئی بات نہیں
یہ درد تم نے دیا ہے تو کوئی بات نہیں
یہی بہت ہے کہ تم دیکھتی ہو
ساحل سے سفینہ ڈوب رہا ہے تو کوئی بات نہیں
رکھا تھا آشیانہ دل میں چھپا کر تم کو
وہ گھر تم نے چھوڑ دیا ہے تو کوئی بات نہیں

وہ ٹوٹ کر بکھر رہا تھا...... مگر بظاہر خود کو سنبھالے ہوئے تھا' جوڑے ہوئے تھا۔

اچانک بادل گرجنے لگے' موسم کے تیور خراب ہونے ہونے کے ساتھ تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ ابھی تو سفر کا آغاز ہی ہوا تھا' ابھی تو خاصی دور جانا تھا۔ شہیر نے پریشانی سے اگلی گاڑی کو دیکھا جس میں سوار ظفری کار کی تیز رفتاری سے اسے لے جارہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کسی طرح ظفری کو آگاہ کرے کہ اس قدر تیز ڈرائیونگ نہ کرے اور دونوں گاڑیوں کو فاصلے پر ایک دوسرے کے قریب ہی رکھے مگر اس وقت فون کرنا بھی مشکل مرحلہ تھا' اس نے گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی تھی۔

"گاڑی کیوں روک دی بیٹا سب خیریت ہے؟" بلال صاحب نے تشویش سے پوچھا۔

"جی میں نے سوچا ہے کہ ظفری کو کال کروں کار کی اسپیڈ کم کرے' ایک تو موسم کے تیور ٹھیک نہیں' اس پر اس کا اس طرح فل اسپیڈ پر کار دوڑانا خطرناک ہوسکتا ہے۔" اس نے فکرمندی سے کہا تو اس کی بات پر سب نے ہی غور کیا' وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا اور ظفری سے بڑے ہونے کے ناطے اس کی فکر بھی بجا تھی۔ اس نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھایا اور اس نے ظفری کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر فون آف جارہا تھا۔

"اس کا فون سوئچ آف ہے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے' اب کار چلاؤ زیادہ فاصلہ نہ ہوجائے...... ایک تو وہ تیز کار ڈرائیو کررہا ہے دوسرا اگر فاصلہ زیادہ ہوگیا تو وہ ہم سے رابطے میں نہ رہے گا' دیکھو تو کار نظروں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے۔" بلال صاحب نے پُرسوچ انداز میں کہا' تو وہ بھی ان کی بات پر دوبارہ کار اسٹارٹ کرچکا تھا۔ اس مرتبہ اس کا اور ظفری کی کار کے درمیان فاصلہ واقعی خاصا بڑھ گیا تھا۔ جب ہی اس کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا اور زوردار دھماکے کی بازگشت دور تک سنائی دی تھی۔

"ہائے میں مرگئی میری کرن۔" آنسہ پھوپو نے دل ہی تھام لیا تھا۔ جبکہ سب کے جگر کے ٹکڑے اگلی گاڑی میں تھے۔

اور خود سلمیٰ بیگم کا چہرہ فق تھا' ظفری ہی تو گاڑی چلارہا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

خسارہ

صائمہ مشتاق

گلابی اماں کی جھریوں زدہ کانپتی انگلیاں مسلسل تسبیح کے دانوں کے ساتھ حرکت کررہی تھیں۔ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی وہ پرندوں کو اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹتا دیکھتی رہیں۔ شام کے دھندلکے میں گھر کے سامنے والی فیکٹری کے مزدور بھی تھکے ماندے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

کچھ دیر میں اذان مغرب کی آواز گلابی اماں کے کانوں سے ٹکرائی‘ گلابی اماں نے فرط جذبات سے آنکھیں بند کرلیں اور اذان کی ایک ایک صدا اپنے سرد وجود میں اتارنے لگیں۔ گلی میں جلنے والی اسٹریٹ لائٹ سے گلابی اماں کی کھڑکی روشن ہوگئی‘ مگر کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا۔ یہ چھوٹا سا ایک کمرہ ہی گلابی اماں کی کل کائنات تھا وہ اپنی چھڑی کے سہارے بڑی مشکل سے چل پاتی تھیں۔ ان کے لیے کھڑکی سے کمرے کی دوسری جانب لگے سوئچ بورڈ تک جانا ہی ایک بڑا کام تھا...... وہ آہستہ آہستہ چلتی آدھے راستے تک پہنچی اور دھڑام سے اپنے بستر پر بیٹھ گئیں۔ درد کی ایک کراہ ان کے منہ سے نکلی۔

”یہ پاؤں تو اب بالکل ہی جواب دے گئے ہیں۔“ انہوں نے تاسف سے اپنے گھٹنے دبائے‘ مغرب کی اذان کے بعد اندھیرا پھیلنے لگا...... مگر گلابی اماں کا کمرہ ابھی بھی روشن نہ تھا۔ مغرب کے وقت گھر میں اندھیرا نہیں رہنا چاہیے ورنہ شیاطین ان گھروں پر قبضہ جمالیتے ہیں...... یہ سوچ کر گلابی اماں پھر ہمت کرنے لگیں اور اپنی چھڑی ٹیکتی ہوئی سوئچ بورڈ تک پہنچ کر بتی جلادی‘ کمرہ روشن ہوگیا۔ گلابی اماں قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں اور نماز مغرب ادا کی‘ نماز کے بعد جب انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ماضی کے جھروکے خود بخود ہی کھلتے گئے۔

گلابی اماں اپنے زمانے میں بڑی حسین وجمیل مشہور تھیں۔ ان کا چہرہ ہمیشہ گلاب کی مانند تر وتازہ رہتا‘ جو سفید اجلی رنگت کے ساتھ لمبے سیاہ بالوں کے جھرمٹ میں کسی چاند کی مانند دکھتا‘ محلے کے کئی لڑکے ان پر فدا تھے‘ مگر گلابی اماں کبھی ان کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتیں اور بڑی شان بے نیازی سے نہ جانے کتنوں کا دل توڑتی گلی سے گزر جایا کرتیں...... ان کے التفات پر ہنسا کرتیں...... مگر جب محبوب صاحب کا رشتہ گلابی اماں کے لیے آیا تو سب گھر والے خوشی سے جھوم اٹھے...... گلابی اماں اگر حسن میں یکتا تھیں تو محبوب صاحب اخلاق وذہانت میں لاثانی تھے۔ لمبے چوڑے وجیہہ شخصیت کے حامل‘ جو محبوب صاحب سے ملتا ان کا گرویدہ ہوجاتا...... وہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھے اور گلابی اماں محض انٹر پاس...... مگر محبوب صاحب بھی شاید گلابی اماں کے حسن کے آگے مات کھا چکے تھے لہٰذا دبے لفظوں میں اپنی اماں سے اسی حسینہ کا ہاتھ مانگنے پر ہی اصرار کیا تھا‘ اب تو گلابی کی ہم جولیوں میں بھی یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ گلابی اپنے ماموں زاد سے بیاہی جائیں گی۔

”تمہیں کچھ خبر ہے گلابی کس کے دل کا قرار بن گئی ہو۔“ مریم جو گلابی اماں کی سب سے قریبی سہیلی تھی اس نے جب یہ سرگوشی گلابی اماں کے کان میں کی تو وہ بھی شرما گئیں...... کیونکہ محبوب صاحب کے شاہانہ قصے تو انہوں نے بھی سن رکھے تھے۔

”بھئی واہ کیا چاند سورج کی جوڑی ہے۔“ گلابی اماں کی ساری سہیلیوں کی یہ متفقہ رائے تھی۔ گلابی اماں پہلے ہی حسین تھیں اور جب ان کی نسبت محبوب صاحب سے طے ہوئی تو کھل کر گلاب ہوگئیں‘ حسن کو چار چاند لگ گئے۔ صراحی دار گردن مزید تن گئی اور وہ ناز وادا کا پیکر بن گئیں۔ گلابی کو ان کے ابا نے بڑے ناز سے رخصت کرتے ہوئے اپنی سمدھی سے کہا تھا۔

”بڑی خوش قسمت ہے میری بیٹی جو آپ کے گھر کی

بہو بنی۔" فضل صاحب نے اپنی بیٹی کی رخصتی پر تمام باتیں ان کے سامنے رکھ دیں تھیں۔ "محبوب مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اور بانو بیگم مجھے پورا مان اور یقین ہے کہ آپ گلابی کو اپنی بیٹیوں سے بھی بڑھ کر چاہیں گی۔"

محبوب صاحب چار بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے یہاں بھی بہنوں نے خوب ارمان نکالے اور بانو بیگم بڑی دھوم دھام اور چاہ سے اپنی سرخ سفید چاند سی بہو کو گھر لے آئیں' بانو بیگم نے گلابی کو رانیوں کی طرح رکھا اور گلابی نے محبوب صاحب کے دل پر ملکہ بن کر حکومت کی...... بانو بیگم کو اگر کوئی چاہ تھی تو بس اتنی کہ گھر کا وارث پیدا ہو وہ بس دن رات اولاد نرینہ کی دعا مانگا کرتیں' یہ ان کی دعاؤں کا اثر تھا یا گلابی کی خوش قسمتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گود ہری کر دی اور نصیر احمد دنیا میں آئے...... بانو بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"محلے اور خاندان بھر میں مٹھائیاں تقسیم کرو' غریبوں کو کھانا کھلاؤ' میرے شہزادے نصیر کی نظر اتارو کہیں نظر نہ لگے۔" بانو بیگم خوشی سے پھولی نہ سمائی تھیں...... گھر میں جشن کا سماں تھا۔ نصیر سب کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ گلابی اماں اپنی اکلوتی اولاد پر جان چھڑکتی تھیں۔ گو کہ نصیر کسی نواب یا بادشاہ کی اولاد نہ تھا' مگر اس کے ٹھاٹ بادشاہوں اور راجہ مہاراجہ جیسے تھے۔ محبوب صاحب اس کی ہر خواہش اس کی زبان سے ادا ہوتے ہی پوری کرتے' مگر نصیر کو مکتب سے چڑ تھی۔

"میں اب مدرسہ نہیں جاؤں گا۔" آج بھی نصیر نے مدرسے سے واپسی پر منہ بنا کر استاد صاحب کی شکایت کی۔

"استاد صاحب چھڑی سے مارتے ہیں۔" اور اپنے معصوم ہاتھ گلابی اماں کے سامنے پھیلا دیئے۔ انہوں نے محبت سے نصیر کے ہاتھ چوم لیے مگر وہاں مار کا کوئی نشان نہ تھا۔ روز روز کی اس شکایت پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود گھر پر ہی نصیر کو قرآن کی تعلیم دیں گی۔

غرض نصیر گلابی اماں سے قرآن پڑھنے لگا' مگر کبھی کوئی بہانہ کبھی کوئی بہانہ' لاکھ کوشش کے باوجود نصیر کی زبان پر عربی

پڑھتی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ نو سال کا ہو گیا مگر قرآن کی تعلیم ادھوری رہی۔ اب گلابی اماں کی گود دوبارہ ہری ہوئی اور سکینہ دنیا میں آ گئی۔ محبوب صاحب بیٹی کی پیدائش پر بے حد خوش تھے۔ انہوں نے گلابی اماں سے کہا۔

"گلابی یہ تو ہو بہو تم ہو...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں رحمت سے نوازا ہے اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" گلابی تنک کر بولی۔

"لڑکیوں کا کیا ہے یہ تو پرایا دھن ہوتی ہیں اصل اولاد تو بیٹے ہوتے ہیں بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں۔" گلابی اماں کی بات پر محبوب صاحب تڑپ کر بولے۔

"ایسے تو نہ کہو یہ تو بڑی پیاری بچی ہے۔ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے یہ تو مجھے نصیر سے بھی زیادہ عزیز رہے گی۔" محبوب صاحب نے سکینہ کو گود میں اٹھا لیا اور ماتھے کا بوسہ لیتے رہے مگر گلابی اماں بیٹی کی پیدائش پر از حد رنجیدہ رہیں۔ جب نصیر کو پتا چلا کہ گھر بھائی نہیں بہن آئی ہے تو اس نے گھر میں وبال مچا دیا۔

"مجھے بھائی چاہیے بہن نہیں چاہیے۔" گھر والوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ نہ مانا اور بہن کے لیے نفرت کا اظہار کرتا رہا۔ محبوب صاحب نے اپنے اکلوتے بیٹے کے دل میں بیٹی کے لیے محبت جگانے کی بہت کوشش کی وہ ہر بار نصیر کو بہن کے ساتھ ناروا سلوک پر سمجھاتے۔

"بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں ان کا خیال رکھتے ہیں اور سکینہ تو تمہاری چھوٹی بہن ہے تمہیں اس کے ساتھ بہت پیار کا برتاؤ کرنا چاہیے۔" مگر نصیر کے دل میں کبھی سکینہ کے لیے محبت نہ جاگی نہ انسیت پیدا ہوئی...... وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ سکینہ نہ صرف حسین و جمیل تھی بلکہ پڑھنے لکھنے کے ساتھ گھر کے کاموں میں بھی طاق تھی۔ اس نے چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کیا جب کہ نصیر قرآنی و دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہی رہا۔ سکینہ کو جتنا نماز روزہ سے لگاؤ تھا نصیر اتنا ہی مذہب سے دور تھا۔ سکینہ ہمیشہ بھائی کے التفات کو ترستی مگر نصیر اسے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا۔ اور نہ گلابی اماں سکینہ کی محبت نصیر کے دل میں جگانے کی کوشش کرتیں...... غرض سکینہ کے نصیب میں نہ ماں کا پیار تھا نہ بھائی کا دونوں ہی اس سے خار کھاتے صرف محبوب صاحب سکینہ پر جان نچھاور کرتے اور نصیر کے مقابلے میں سکینہ کو اہمیت دیتے۔ گلابی اماں اکثر محبوب صاحب سے کہتیں۔

"آپ کا یہ لاڈ پیار سکینہ کو بگاڑ دے گا اسے دوسرے گھر جانا ہے۔" اور محبوب صاحب مسکرا کر جواب دیتے۔

"جس کو تم پیتل سمجھ رہی ہو وہ سونا ہے...... جس کو تمہارے ساتھ رہنا ہے تم اس کی فکر کرو کہیں ایسا نہ ہو جسے تم سونا سمجھ رہی ہو وہ پیتل ثابت ہو۔" وقت گزرتا رہا اور سکینہ کے رشتے آنے لگے سکینہ گلابی اماں کی پرچھائی تھی سراپا حسن اس کے لیے کئی جگہوں سے پیام آئے مگر محبوب صاحب نے حمید صاحب کے گھر کا انتخاب کیا۔ حمید صاحب کا گھرانہ حسب و نسب کے لحاظ سے ایک اعلیٰ گھرانہ تھا امجد حمید صاحب کا بڑا بیٹا تھا اور پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھا سکینہ کا نکاح و رخصتی خیر و عافیت کے ساتھ انجام پا گئی۔ سسرال میں سکینہ نے اپنے سگھڑاپے اور رکھ رکھاؤ سے سب کے دل جیت لیے جو بھی سکینہ سے ملتا وہ اس کی ملنسار طبیعت اور برتاؤ کی تعریف کرتا۔ امجد بھی اپنی بیوی کے حسن و اخلاق پر فدا تھا۔ محبوب صاحب اپنی بیٹی پر فخر کرتے تھے...... مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ محبوب صاحب کو یہ خوشی زیادہ عرصہ نصیب نہ ہوئی اور وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ محبوب صاحب کی موت سب کے دل کا روگ بن گئی خاص طور پر گلابی اماں کے لیے محبوب صاحب ایک محبت کرنے والے شوہر ایک شفیق باپ اور دوسروں کا خیال کرنے والے انسان تھے۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے گلابی اماں کو سمجھایا کہ جانے والے کے ساتھ لوگ مر نہیں جاتے کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر اب نصیر کی شادی کر دو اور اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔

نصیر بھی شادی کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار تھا مگر اس کی طبیعت میں ابھی بھی اکھڑپن اور بد مزاجی تھی وہ عادتاً اپنے باپ سے یکسر مختلف تھا۔ نصیر کو کوئی لڑکی پسند نہ آتی تھی نہ وہ کسی کو اپنے معیار کی سمجھتا تھا۔ مگر لندن سے

آنے والی حنا اس کی زیست کا ارمان بن گئی جو اس کی یونیورسٹی فیلو بھی تھی الٹراماڈرن گھرانے سے تعلق رکھنے والی حنا فیشن کی دلدادہ تھی اور نصیر بھی اس کے انداز کا شیدائی تھا۔ دونوں کی دوستی محبت میں تبدیل ہوگئی اور انہوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔

گلابی اماں کو جب حنا کی عادات کا علم ہوا تو انہوں نے نصیر کو سمجھایا۔

"نصیر حنا ہمارے مزاج سے واقف نہیں ہے' ہمارا گھرانہ ایک مذہبی گھرانہ ہے' یہاں اتنی آزادی کو معیوب سمجھا جاتا ہے جو انسان کو گناہوں کی دلدل میں دھکیل دے' خدارا اپنے لیے بہتر فیصلہ کرو' اپنی اور میری زندگی اس عمر میں جہنم نہ بناؤ۔" مگر نصیر نے گلابی اماں کی ایک نہ سنی اور حنا دلہن بن کر گھر آ گئی' نصیر جو پہلے ہی اکھڑ مزاج تھا اس کی نافرمانیاں اب آسمان چھونے لگیں' رفتہ رفتہ نصیر کی آواز بھی گلابی اماں سے اونچی ہوگئی۔

گھر کی بہو جو گھر کی عزت تھی اس نے گھر کا ماحول ہی بدل ڈالا۔ اخلاق سوز میوزک اور فحش مذاق پر قہقہے گلابی اماں کی برداشت سے باہر ہوگئے تھے۔

"نصیر بند کرو یہ شور شرابا یہ بیہودگی۔" حاضرین محفل کی نظریں گلابی اماں پر جم گئیں۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ اپنے دقیانوسی خیالات لے کے یہاں کیوں آ گئی ہیں۔" نصیر کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

"کیونکہ یہ ہماری تعلیمات نہیں ہیں' یہ ہمارا ماحول نہیں ہے' یہ ہماری تہذیب نہیں ہے۔" گلابی اماں کی بات سن کر نصیر نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"کون سی تعلیمات' کون سی تہذیب' مجھے تو ان ہی تعلیمات کا علم ہے اور آپ ان مغربی تعلیمات و انداز سے اتنی متنفر کیوں ہیں' یہ ہی تو وہ تعلیم ہے جو آپ سے عنایت ہوئی آپ بھی اس تعفن کو گلے لگایئے اور جھومیے جیسے میں جھوم رہا ہوں۔" نصیر نے اپنی بیوی کا ہاتھ تھاما اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ سامنے سے گزر گیا۔ محفل پھر سے رنگ و سرور جام و مستی میں ڈوب گئی۔ آج گلابی اماں کے اعتراضات کو دقیانوسی اور پرانے خیالات کہہ کر ایک چھوٹے سے کمرے تک محدود کردیا گیا۔ زندگی روز بروز ان پر تنگ ہونے لگی ایسے میں وہ محض ایک بستر اور ایک سفید رنگ تک محدود ہوگئیں۔ ان کے گلابی تر و تازہ چہرے پر حسن کی جگہ جھریوں نے لے لی ان کی تنی ہوئی گردن جھک گئی' جوانی نے بڑھاپے کی لاٹھی کو تھام لیا' تب انہیں اندازہ ہوا' اصل اندھیرا وہ نہیں جو گھروں میں ہوتا ہے۔ یہ اندھیرا تو گھر اجالا کرنے والی روشنی دور کردیتی ہے..... مگر دلوں کا اندھیرا دور کرنے کے لیے اچھی تربیت' اچھے اخلاق اور اللہ کے خوف سے منور دلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیاطین محض ان ہی گھروں پر قبضہ نہیں جماتے جہاں اندھیرا رہے بلکہ ان دلوں پر بھی ڈیرے ڈال لیتے ہیں جو ایمان کے نور سے جگمگاتے نہ ہوں' جو عبادت الٰہی سے مہکتے نہ ہوں۔ سیاہ بخت وہ نہیں جو دنیاوی معاملات میں پیچھے ہو' بلکہ اصل خسارے میں تو وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور وسائل سے نوازیں مگر پھر بھی وہ ان وسائل کا استعمال اپنی اولاد کی بہتر تربیت کے لیے نہ کرسکے اور ساری زندگی تربیت کو محض بیٹا اور بیٹی کے ڈبوں میں ہی بند کرتا رہے..... جب کہ دونوں کو ہی یکساں تربیت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

گلابی اماں نے کرب سے اپنی نم آنکھیں کھولیں اور سورۃ العصر کا ورد کرنے لگیں۔ زمانہ کی قسم (جس کی گردش انسانی حالات پر گواہ ہے) بے شک انسان خسارے میں ہے (کہ عمر عزیز گنوا رہا ہے..... جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (معاشرے میں) اور ایک دوسرے کو حق کی..... لوگ ہے) سوائے ان کو تلقین کرتے رہنا' باہم صبر کی تاکید کرتے رہے۔

اک چھوٹی سی کہانی

عائشہ ناز علی

کراچی...... ہنگاموں' روشنیوں' رونقوں کا شہر' زندگی یہاں ہمہ وقت دوڑتی بھاگتی نظر آتی ہے' بہت تیز رفتار شہر ہے' جسے دیکھو وہ بھاگتا نظر آتا ہے۔ جہاں نظر ڈالو وہ افراتفری میں ملتا ہے۔ کیونکہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اسی حساب سے یہاں آبادی بھی ہے۔ مختلف قومیں آباد ہیں' مختلف رنگ ونسل' تہذیب وروایات کا لبادہ اوڑھے لوگ موجود ہیں۔ جیسے ایک مکسنگ ٹرے میں بہت سارے رنگوں کا مکسچر بنا دیا گیا ہو۔ یہاں زندگی ہنگامہ ہیں' لیکن یہاں ہر کوئی جلدی میں نظر آتا ہے۔ ہر کسی کو دوسرے سے آگے نکلنے کی جلدی رہتی ہے۔ ہر کوئی تیزی میں نظر آتا ہے۔ گویا...... اگر ایک سیکنڈ بھی رکے تو زندگی بھی رک جائے گی۔ ارے...... میں نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔ میں ارمین ہوں' ارمین رشید...... ارمین ترکی نام ہے' جس کا مطلب ہے بہادر' قوی' مضبوط...... میرا نام میری نانی نے رکھا تھا جو کہ اب مرحومہ ہوچکی ہیں۔ وہ خود بھی ترکی نژاد تھیں۔ اگر آج حیات ہوتیں تو ان سے یہ ضرور پوچھتی کہ آپ نے آخر میرا نام ارمین ہی کیوں رکھا؟ جب کہ دنیا میں ایک سے ایک اچھا نام موجود ہے۔ میرے' بہن بھائیوں کے نام بھی خاصے معقول اور ان کی شخصیت سے میل کھاتے ہوئے ہیں۔ مثلاً حیدر جو کہ اپنے نام کی طرح بہادر ہے۔ حسینہ جو کہ اپنے نام سے بھی زیادہ حسین وخوب صورت ہے۔ سحر جو کہ اپنی باتوں کے جادو میں مقابل کو گھیر لیتی ہے۔ فاطق ہے۔ بے حد سمجھدار' ذہین' ہم اسے آئن اسٹائن کہتے ہیں لیکن میں یعنی ارمین' مجھ میں اپنے نام کی کوئی خوبی موجود نہیں۔ میرا دل تو چڑیا کے دل سے بھی چھوٹا ہے۔ کاکروچ دیکھ کر تو میری جان جاتی ہے۔ چھپکلی دیکھ کر میری بولتی بند ہوجاتی ہے۔ ہوا ذرا تیز چلے تو میرے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ حیدر اکثر میرا انداق اڑاتا ہے۔

"نانی نے تو یہ سوچ کر نام رکھا ہوگا کہ ان کی نواسی ان کے رکھے نام کی لاج رکھے گی لیکن آج نانی کی روح یہ دیکھ کر بلبلا اٹھتی ہوگی کہ ان کی نواسی نے ان کا نام ڈبو دیا' محض ایک کاکروچ دیکھ کر محترمہ بے ہوش ہوجاتی ہیں۔" میں چڑ کے رونے لگتی۔ میرے مشاغل میں ایک مشغلہ یہ بھی شامل ہے۔

ہمارے پپا ایک بہترین بہادر اور اعلیٰ انسان ہیں۔ وہ فوج میں میجر کا عہدہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کی بے داغ وردی پر' اعلیٰ وبہترین کارکردگی پر ملنے والے بے شمار میڈل ان کی شان بڑھاتے ہیں۔ میجر شوکت رشید ہمت وبہادری کی علامت۔ شجاعت کا چلتا پھرتا نمونہ۔ مجھے اپنے پپا پر فخر ہے مگر مجھے ان کی ملازمت پسند نہیں۔ اسلحہ' جنگ' جھگڑے' فسادات' میری فطرت میں امن وآشتی اور سکون لہو کی جگہ دوڑتا ہے۔ میں رنگوں کی دیوانی ہوں۔ خوشبوؤں اور فطرت کے حسن کی سحر میں لپٹی روح ہوں۔ مجھے پرندوں سے پیار ہے' میں پھولوں سے عشق کرتی ہوں' بادل' بارش' دھنک' تتلیاں' سب سے محبت کرتی ہوں۔ اکثر امی کہتی ہیں کہ میری یہ والی بیٹی میرے سب بچوں سے مختلف ہے۔ شکل میں بھی اور عادات میں بھی۔ پپا کی ملازمت ایسی ہے کہ ایک جگہ ٹکنا ان کا مقدر نہیں۔ جہاں کے آرڈرز آگئے وہیں بوریا بستر سمیٹ کے چل دیئے۔ لہٰذا ہمیں بھی ان کے ساتھ نقل مکانی کرنی پڑتی تھی۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ زیادہ عرصہ ہم کہیں بھی نہ ٹک سکے تھے۔ فوجیوں کی زندگی بھی مرغابیوں جیسی ہوتی ہے۔ موسم اور وقت کے مطابق اپنے ٹھکانے بدلنا پڑتے ہیں۔ ہمارے پپا کا ٹرانسفر حال ہی میں نوشہرہ سے کراچی میں ہوا ہے۔ ہمیشہ کی طرح میں اس ٹرانسفر سے بھی ناخوش تھی۔ نوشہرہ میں' میں نے اپنی نوخیزی کے سات سال گزارے تھے۔ وہاں میری بہت سی ہمجولیاں تھیں۔

اس سرکاری مکان میں جگہ جگہ چپے چپے پر میری زندگی کی حسین یادیں بکھری ہوئی تھیں۔ مجھے ذاتی طور پر یہ جگہ بہت پسند تھی۔ یہاں کا موسم' لوگ' بہت سکون تھا اس شہر میں۔ پھر سب سے زیادہ خوب صورت اور سحر انگیز یہاں کا دریا..... اس دریا کے بالکل پاس ایک کافی وسیع پارک ہے جہاں بلاناغہ میں روزانہ جاتی تھی۔ کبھی چہل قدمی سے شغف کرتی تو کبھی پینٹنگ بناتی۔ کبھی اداس ہوتی تو یونہی دریا کے کنارے بیٹھ جاتی اور گھنٹوں دریا کی پُرسکون لہروں کی سرگوشیاں سنتی۔ مجھے زندگی کا دھیمہ پن بہت متاثر کرتا تھا مگر کراچی اس کے بالکل برعکس نکلا۔ پپا کا ٹرانسفر یہاں دوسری مرتبہ ہوا تھا، پہلی بار جب ہم یہاں آئے تھے تب میں امی کی گود میں تھی اور اس بار جب آئی تو عقل و شعور کی اسٹیج پر تھی۔

شروع میں میرا دل یہاں بہت گھبرایا تھا۔ یہاں کا شور' یہاں کے ہنگامے' یہاں کی رونقوں سے مجھ جیسی تنہائی پسند لڑکی گھبرا گئی تھی۔ میری زندگی دریا کی طرح ٹھہری ہوئی ہولے ہولے سفر کرتی لہروں جیسی تھی اور یہاں کی زندگی سمندر کی بپھری' ٹھاٹھیں مارتی سرکش موجوں جیسی ہے۔ میں بادِ صبا کے معطر سبک رو جھونکوں کی دیوانی ہوں اور یہ شہر طوفانی ہواؤں جیسا تیز رو ہے۔ مجھے یہاں کا موسم بھی پسند نہ آیا کہ یہاں کا عجیب ہی موسم ہے۔ موڈی موسم' کسی موڈی انسان کی طرح...... جب موڈ ہوتا بادل چھا جاتے' جب موڈ ہوتا بارش کی بوندیں برسنے لگتیں' جب موڈ ہوتا کڑی دھوپ نکل آتی۔ یہاں سبزہ بھی کم ہے۔ جبکہ میں سبزہ زار کی دیوانی ہوں۔ ہرا بھرا تازہ سبزہ' کھلے کھلے پھول اور ان پر جھومتی تتلیاں' لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ سبزہ ہے تو ان پر زردیوں کا ڈیرہ' تتلیاں تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں نظر آتیں۔ پھولوں میں بھی وہ تازگی اور ہریالی نہیں' میں یہاں آ کر بہت اداس ہوگئی تھی۔ مجھے اپنی سہیلیاں' دریا کا کنارہ' وہ سبزہ زار اور سب سے بڑھ کر وہ پُرسکون فضا بہت یاد آتی تھی۔ میس میں بنا یہ مکان بھی اچھا تھا' پپا نے مجھے میری

پسند کا کمرا دیا تھا۔ سیکنڈ فلور پر بنا یہ کمرا تھا تو ذرا چھوٹا مگر اچھا تھا۔ کمرے کی اکلوتی کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی۔ جہاں سے سامنے کا پارک واضح نظر آتا تھا۔ شام کے وقت ڈوبتے سورج کا تصور کردینے والا منظر بہت صاف نظر آتا تھا۔ شام کے وقت میس میں مکین بچے اور خواتین اس پارک کی رونق بن جاتے تھے جن لوگوں کو جاگنگ کرنی ہوتی وہ ٹریک سوٹ پہنے بھاگتے نظر آتے' جو لوگ صرف چہل قدمی کے شوقین تھے وہ مخصوص رفتار سے چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ میں نے کمرا اپنی پسند اور مرضی کے مطابق سیٹ کیا تھا' ہمیں یہاں آئے آج چوتھا روز تھا۔ امی نے اپنی پسند کے مطابق سارا گھر سیٹ کرلیا تھا۔ یوں بھی پپا کی سروس میں اتنی بار وہ گھروں کو سیٹ کرچکی تھیں کہ اب ماسٹر ہوچکی تھیں ڈیکوریشن کی۔ بیحد پھرتیلی تو وہ تھیں ہی' جبھی صرف چار روز میں ہی سارا گھر سیٹ کرکے روٹین پر آگئی تھیں۔ آج جب ہم سب گھر والے سوائے پپا کے لان میں بیٹھے چائے اور اسنیکس سے لطف اندوز ہورہے تھے جبھی گیٹ سے ایک صحت منداور خاصی خوب صورت خاتون ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوتی نظر آئیں۔ ٹرے کے اوپر سفید کروشیہ کا بے حد نفیس ٹرے پوش تھا جس کی وجہ سے ٹرے کے اندر رکھے لوازمات پوشیدہ تھے۔ امی خاتون کو دیکھتے ہی کپ رکھ کر متوجہ ہوئیں۔ باقی سب بھی الرٹ ہوگئے تھے۔ میں نے یوں خاتون کو دیکھا جیسے ان کا آنا روٹین میں شامل ہو اور اطمینان سے چائے پیتی رہی۔

"لیجیے امی...... پڑوسیوں کی آمدورفت شروع اب ہوجائے گا بلہ گلہ شور......" میں نے ذرا اونچی آواز میں امی سے کہا۔

"چپ رہو تم۔" امی نے ہولے سے ڈپٹا تو میں خاموش ہوگئی۔ خاتون قریب آئیں اور خاصی خوش اخلاقی سے سلام کیا۔ امی نے کھڑے ہوتے ہوئے جواباً خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں آپ کے ساتھ والے بنگلے میں رہتی ہوں۔ میرا نام اسماء ہے۔ میجر عزیز الرحمن میرے شوہر ہیں۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔ آیئے تشریف رکھیے۔" امی نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے ٹرے میز پر رکھ دی اور خود مزے سے کرسی سنبھال لی۔

"میں دو تین روز سے سوچ رہی تھی آپ کی طرف آنے کا' مگر یہ سوچ کر ٹالتی رہی کہ آپ فی الحال بہت بزی ہوں گی لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ نے اپنی مصروفیات بہت تیزی سے سمیٹی ہیں۔" وہ مسکرا کے بولیں۔

"جی بس آپ کو تو معلوم ہے کہ فوجیوں کی بیویاں ایسی مصروفیات سے نمٹنے میں ایکسپرٹ ہوجاتی ہیں۔" امی مسکرائیں۔

"بالکل...... بالکل۔" انہوں نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے سر تیزی سے ہلایا۔

"یہ آپ کی بچیاں ہیں؟" انہوں نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں...... حیدر ہمارا بڑا بیٹا ہے' باپ کی طرح اسے بھی فوج میں جانے کا شوق ہے۔ لیفٹیننٹ ہے۔ آج کل چھٹیوں پر آیا ہوا ہے۔ اس سے چھوٹی حسینہ ایم ایس سی کرچکی ہے۔ پھر یہ سحر ہے' یہ بھی پڑھ رہی ہے۔ یہ میری چھوٹی بیٹی ارمین ہے۔ فائن آرٹس کررہی ہے۔ پھر فاطق ہے۔" امی نے فرداً فرداً سب کا تعارف کرایا۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سب سے مل کر اور یہ میں صرف رسماً نہیں کہہ رہی' دراصل مجھے آپ کی طرح خوش اخلاق اور ہنسنے بولنے والے لوگ پسند ہیں۔ آپ سے پہلے جو میجر صاحب یہاں رہتے تھے ان کی وائف بہت مغرور لگتی تھیں' زیادہ کسی سے میل جول نہیں رکھتی تھیں لیکن آپ سے مل کر تو میری ساری فکر دور ہوگئی۔" اسماء آنٹی ذرا سا رکیں۔

"کیسی فکر آنٹی؟" سحر نے پوچھا۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ معلوم نہیں آپ لوگ مزاجاً کیسے ہوں؟ کہیں ایسے نہ ہوں کہ ناک پر مکھی ہی نہ بیٹھنے دیں لیکن شکر ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یعنی ناک پر مکھی بٹھانے والے ہیں۔" حسینہ نے شوخی سے ٹکڑا لگایا تو سب مسکرانے لگے پھر اسماء آنٹی کی آمدورفت ایک تواتر سے ہونے لگی۔ وہ بہت اچھی اور ملنسار خاتون تھیں۔ انہیں باتوں اور ہنسنے کا بہت شوق تھا۔ جب تک بیٹھی رہتیں ہنسی مشغول کرتی رہتیں۔ میں بھی تو ان کے پاس بیٹھ جاتی اور کبھی اپنے کاموں میں ہی مصروف رہتی۔ البتہ میری دونوں بہنیں ان کو خوب کمپنی دیتی تھیں پھر اچانک ہی گھر میں حسینہ کی شادی کا شور اٹھا۔ حسینہ ہمارے تایازاد بھائی ذوالفقار سے منسوب تھی۔ ان کا نکاح دو سال پہلے ہی ہوا تھا۔ ذوالفقار بھائی ایئر فورس پائلٹ ہیں۔ سحر کی منگنی بھی ہو چکی تھی۔ ذوالفقار بھائی کے چھوٹے بھائی زاہد سے۔ وہ نیوی میں ہیں۔ ہمارے خاندان میں ہر کوئی اعلیٰ عہدے پر ہے اور کسی نہ کسی طور وطن کے رکھوالوں کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ پپا کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹیاں بھی فوجیوں کی شریک حیات بنیں۔ دو بیٹیاں تو ان کی خواہش کو عملی جامہ پہنا چکی تھیں اب رہ گئی تھی میں یعنی ان کی چھوٹی اور چہیتی بیٹی ارمین۔ سو میرے متعلق بھی جلد ہی کوئی ایسا ہی فیصلہ ہونے والا تھا۔ جس کے میں قطعی حق میں نہ تھی۔ میں نے اپنی انیس سالہ زندگی میں جن مردوں کو دیکھا تھا یعنی اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوسرے جاننے والوں کو وہ مجھے انسان کم اور مشین زیادہ نظر آتے تھے۔ ڈسپلن، رولز، گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے والے انسان، نہیں انسان نہیں روبوٹ، ہر وقت ٹپ ٹاپ میں رہنے والے، کلف زدہ لباس میں مقید زندہ مشین۔ مجھے اپنا شریک سفر ایک انسان کے روپ میں چاہیے تھا کوئی زندہ مشین کی صورت میں نہیں۔ میرے خواب میرے پپا کی سوچ کے برعکس تھے۔ میرے نظریئے میری سوچ میرے گھر والوں سے جدا تھی۔ مجھے ایسا لائف پارٹنر نہیں چاہیے تھا جو مجھے دوڑا بھگا کے مار ڈالے۔ مجھے تو میرے خوابوں کی تعبیر چاہیے تھی۔ دھیمے سروں والی گنگناتی ندی جیسا بندہ۔ نہ کہ آبشار کی مانند شور و غل مچاتا، چیختا چنگھاڑتا انسان جو میرے اندر کی ساری توانائی اپنی تیزی کی نذر کر دے اور پھر مجھے ایسا شخص نظر آ ہی گیا غزال احمر، اس سے مل کے مجھے یوں لگا کہ جیسے میری تشنگی مٹ گئی ہو مجھے جس ندی کی تلاش تھی وہ غزال احمر کی ذات ہے۔ وہ گنگناتی ندی جیسا پُرسکون، ٹھہرا ہوا انسان تھا۔ اس کے مزاج میں نہ تیزی تھی اور نہ غضب و قہر۔ اس کے مزاج کا خاصا تو ٹھہراؤ تھا، وہ مجھے ستارے کی طرح چمکدار اور دل کو منور کر دینے والا، شفق کے رنگوں کی طرح تن کو بھگونے والا، چودھویں کے چاند کی طرح روح میں ٹھنڈک اتارنے والا محسوس ہوا، میری اس سے ملاقات بالکل اتفاقیہ ہی تھی۔ اس روز مجھے اپنا کچھ ضروری سامان لینے بازار جانا تھا، گھر میں دعوت تھی (جو کہ امی کے معمولات میں شامل تھا) سحر اور حسینہ دونوں امی کے ساتھ مصروف تھیں، لہٰذا مجھے تنہا ہی ڈرائیور کے ساتھ بازار جانا پڑا۔ مطلوبہ اشیاء جلدی جلدی خرید کر میں شاپر لے کر دکان سے نکل ہی رہی تھی کہ کسی نے مجھے پیچھے سے پکارا۔

"سنیے محترمہ......" میں پہلے تو اپنی ہی دھن میں چلتی گئی۔ مجھے خیال تک نہ آیا کہ کوئی مجھے پکار رہا ہے لیکن جب مخاطب شخص خود میرے سامنے راستہ روکے کھڑا ہوا تب مجھے احساس ہوا کہ وہ تو مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے خاصا گھبرا کے اس چھ فٹ کے مرد کو دیکھا لیکن گویا اس کے سراپے پہ نگاہ ڈالنا ہی امتحان ہو گیا تھا۔ وہ بلیک جینز اور آف وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ لباس زیادہ قیمتی نہ تھا۔ پیروں میں جوتے بھی عام سے تھے لیکن اس کا چہرہ عام نہ تھا۔ چہرے کے خدوخال سے تو کوئی یونانی دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ بے پناہ مردانہ حسن وجاہت کا اعلیٰ نمونہ۔ چہرے پر بے پناہ وقار، تمکنت تھی۔ اس کی سنہری چمکتی ہیرے کی کنی جیسی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں اور میں جیسے

سانس ہی لینا بھول گئی تھی۔
"آپ غلطی سے میرا سامان اٹھا کے آ گئی ہیں۔" اس نے کہا۔
"ج.... جی....." میں چونکی اور ہاتھ میں پکڑے شاپر کو چیک کیا واقعی وہ میرا سامان نہیں تھا۔ میں پسینے میں نہا گئی۔ مارے شرمندگی کے میری آنکھیں جھک گئیں۔
"اوہ..... آئی ایم سوسوری۔ میں نے دیکھا نہیں تھا۔ میری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی۔ میں شرمندہ ہوں۔" میں نے گڑبڑا کے کہا۔
"کوئی بات نہیں، لیکن آئندہ احتیاط کیجیے گا۔ شاپنگ کرتے وقت حاضر دماغی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔" اس نے میرے سامان والا شاپر مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ لہجہ سپاٹ تھا اور انداز تنبیہی۔ میں نے شاپر پکڑتے ہوئے ایک بار پھر اس کی سمت دیکھا۔ اس کی ساحر آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔ میرا ننھا سا دل کانپ اٹھا۔ چہرے سے آگ نکلنے لگی تھی۔ صرف نگاہوں میں اتنی گرمی تھی، میں بدحواس ہو کر پلٹی۔
"سنیئے....." اس نے پھر پیچھے سے پکارا۔ میں رکی ساتھ ہی میری دھڑکنیں بھی تھمیں۔ میں پلٹی مگر زبان نے کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ صرف نظروں میں سوال تھا۔
"میرا سامان آپ نے واپس نہیں کیا۔" اس بار وہ زیر لب مبہم سا مسکرایا تھا۔
"اوہ....." میرا جی چاہا میں اپنا سر پیٹ لوں۔ اتنی بھی کیا بدحواسی۔ ایسی بھی کیا گھبراہٹ۔
"سوری....." میں نے جلدی سے اس کا شاپر آگے کیا۔
"شکریہ۔" اس نے شاپر پکڑتے ہوئے ذرا سا مسکرا کر کہا۔
مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہا ہو۔ پھر میں رکی نہیں تیز قدموں سے چلتی ہوئی مارکیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔ سارے راستے میں صرف اسی کو سوچتی رہی تھی۔ گھر آ کر بھی وہی میری سوچوں کا محور بنا رہا تھا۔ رات کو دعوت تھی اور میرا دل ذرا بھی شریک ہونے کو نہ چاہ رہا تھا۔
مگر امی کی جھاڑ پر مجھے تیار ہو کر باہر آنا پڑا۔ آج کی تیاری بھی امی نے کچھ خاص ہی کی تھی اور مجھے بھی خاص طور سے تیار ہونے کو کہا تھا بلکہ کپڑے، جیولری تک خود سلیکٹ کر کے گئی تھیں اور لائٹ میک اپ کرنے کی ہدایت بھی دے گئی تھیں۔ میں بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ آف وہائٹ کلر کا اسٹائلش سا ڈریس تھا جس پر مہین موتیوں کا نازک سا کام تھا۔ نازک سا ڈائمنڈ سیٹ اور سینڈل پہن کر میں نے لائٹ کلر کی لپ اسٹک لگالی۔ کاجل میں کم ہی استعمال کرتی تھی کہ اللہ نے میری آنکھوں کو قدرتی طور پر سرے سے سجا کر بھیجا تھا۔ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو برش کر کے یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جب فائنلی اپنا جائزہ میں آئینے کے سامنے لے رہی تھی تب مجھے محسوس ہوا کہ دو جگمگاتی آنکھیں مجھے آئینے میں سے جھانک رہی ہیں۔ میں یک دم بدحواس ہو کر پلٹی مگر یہ کیا؟ کمرا تو خالی تھا۔ کوئی نہیں تھا۔ صرف میں تھی اور بس۔ پھر یہ کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اور بھی ساتھ ہے، جیسے مجھے آئینے میں سے کوئی دوسرا ابھی جھانک رہا ہے۔
"ارے بھئی ارمن، سب مہمان آ چکے ہیں اور تم ابھی تک یہیں ہو۔ چلو جلدی کرو۔ وہ اسماء آنٹی سینکڑوں مرتبہ تمہارا پوچھ چکی ہیں۔" حسینہ افراتفری کے عالم میں آئی اور طوفان میل کی طرح میرا ہاتھ پکڑ کر باہر تقریباً گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔ آج کی تقریب اس لیے بھی خاص تھی کہ حسینہ کے تمام سسرالی بمعہ دولہا بھائی کے مدعو تھے۔ دراصل آج اس کی شادی کی تاریخ بھی فکس ہونی تھی۔ دراصل یہ دعوت فیملی والوں کے لیے تھی۔ اس میں پپا اور امی کے خاص دوست بھی بمعہ اہل خانہ مدعو تھے۔ امی نے اسماء آنٹی اور ان کی فیملی کو بھی مدعو کیا تھا۔ پورا لان مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ میں سب سے علیک سلیک کر رہی تھی۔
"بھئی آج تو ہماری ارمن بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔" اسماء آنٹی نے باقاعدہ میرے رخسار پر پیار

کرتے ہوئے کہا تو میں جھینپ گئی۔

"مما...... ارمین تو یوں بھی کیوٹ ہے۔" ان کی بیٹی ربیعہ نے بھی تعریف میں حصہ لیا۔

"یہ تو ہے لیکن آج چونکہ بطور خاص تیار ہوئی ہے اس لیے زیادہ نکھار آیا ہے۔ ویسے ارمین...... تم کو تو اللہ نے بنا سجا کر بھیجا ہے۔ نہ بھی سنورو تب بھی ہوش گم کیے دیتی ہو۔" اسماء آنٹی کی نند ثمرین نے حسب عادت برملا اظہار رائے دی۔ ثمرین اسماء آنٹی کی سب سے چھوٹی نند تھی۔ کنواری تھی اور تقریباً میری ہی ہم عمر تھی۔ یہ ساری کی ساری فیملی بہت بولڈ اور صاف گو قسم کی تھی۔ ہنس مکھ اور سادہ دل قسم کے لوگ تھے۔ مجھے پسند تو تھے مگر میری طبیعت سے زیادہ میل نہ کھاتے تھے لہٰذا میری بات چیت بس رسما سی ہی تھی جبکہ میرے باقی گھر والوں سے ان لوگوں کی خوب بنتی تھی۔ (بھئی یہ آج سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں) مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ یوں بھی میں اب صاحب سے کچھ پریشان سی ہوگئی تھی جو ذرا فاصلے پر کولڈ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں پکڑے مجھے ہی گھورے جارہے تھے۔

"ارے بھئی احتشام سے تو تعارف ہوا ہی نہیں ہے تمہارا۔ چلو تم کو ملواتی ہوں۔" اسماء آنٹی کو جیسے یاد آیا۔ انہوں نے اسی بندے کی طرف گھوم کر پکارا۔

"احتشام یہاں آؤ۔" وہ حضرت فوراً ہی چلے آئے۔

"ان سے ملو شامی! یہ ارمین ہے۔ میجر صاحب کی چھوٹی بیٹی اور ارمین یہ احتشام ہے میرا سب سے چھوٹا دیور بلکہ دیور کم بیٹا زیادہ، یہ بھی کراچی ہی میں ہوتے ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس ہے، زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہتے ہیں۔ بہت چھوٹی سی عمر میں بہت ترقی کرلی ہے شامی نے ورنہ اس کی عمر کے لڑکے تو غل غپاڑہ ہی مچاتے رہتے ہیں۔" انہوں نے تعارف کے ساتھ خاصی تعریف بھی کردی تھی موصوف کی۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے ہیلو میں جواب دیا۔ میں نے غور کیا کہ عمر تو کم تھی ان کی مگر مزاج تیز اور طبیعت میں غرور بھی تھا۔ میں نے اس کو بھی دولت کی ادا سمجھا۔ جیسی باتیں اور مزاج ان محترم کے تھے میں ان کی عادی تھی کہ میرے اطراف میں یہی سب تو تھا۔ پارٹی میں جب تک اسماء آنٹی اور ان کے دیور احتشام صاحب رہے دونوں نے مجھے ہی گھیرے رکھا۔ میں بہانے حیلے کرکے ان سے دور ہوتی تو وہ یا ان کی نند مجھے پھر گھسیٹ کر وہیں لے آتیں۔ میں پریشان ہوگئی تھی۔ اللہ اللہ کرکے پارٹی ختم ہوئی تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ اگلے روز میں اپنی اکیڈمی چلی گئی جہاں آج کل میں میوزک سیکھ رہی تھی۔ مجھے وائلن بے حد پسند تھا اور اسی شوق کی تکمیل کے لیے میں نے اس اکیڈمی میں داخلہ لیا تھا۔ ملک کی بڑی بڑی اکیڈمیز میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ میوزک کے علاوہ بھی یہاں فنون لطیفہ سے متعلق مختلف چیزیں سکھائی جاتی تھیں۔ میرا آج کلاس میں دوسرا دن تھا۔ پہلے دن میں نہیں جاسکی تھی۔ اس لیے آج ذرا جلدی ہی گھر سے نکل گئی تاکہ کلاس ڈھونڈنے میں مشکل نہ ہو اور وقت ضائع نہ ہو۔ امی ڈرائیور کے ساتھ بازار گئی تھیں۔ لہٰذا میں نے دوسری کار نکالی اور خود ہی ڈرائیو کرنے لگی۔ کار ڈرائیو کرنی مجھے آتی تھی لیکن یہاں کی تیز رفتار ٹریفک سے میرا دل گھبراتا تھا لہٰذا میری کوشش ہوتی کہ خود ڈرائیونگ نہ کروں لیکن آج مجبوری تھی۔ میں بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کررہی تھی مگر اکیڈمی کے قریب ہی روڈ پر کار موڑتے ہوئے اچانک ہی ایک بائیک میرے سامنے آگئی۔ بدحواسی میں بریک لگانے کے بجائے میں نے ایکسلیٹر پر پیر رکھ دیا وہ تو شاید اس موٹر سائیکل سوار کے ساتھ میری قسمت بھی اچھی تھی جبھی بڑی مہارت سے اس نے موٹر سائیکل دوسری طرف موڑ لی۔ مگر پھر بھی بیچارہ سلپ ہوگیا تھا۔ میں نے چند قدم آگے جاکر بریک لگائی۔ مڑ کے پیچھے دیکھا وہ چاروں شانے چت پڑا تھا۔ میری تو جان ہی نکل گئی۔ اگر اسے کچھ ہوگیا تو...... میرا خون رگوں میں جمنے لگا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ میں اتر کے اس شخص کو دیکھ کر یہ تسلی کرلوں کہ وہ کیسا ہے؟ کس حال میں

ہے؟ زندہ بھی ہے یا جہانِ فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ الٹا میری حالت خود ایسی ہو رہی تھی کہ اب گری کہ تب گری۔

"محترمہ...... اگر آپ کی نظر اتنی کمزور ہے تو عینک لگوالیں' یوں سرکس کے کرتب سڑکوں پر دکھانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ آپ کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔" دھیمی و بھاری آواز مگر بڑے بگڑے ہوئے انداز میں کوئی مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے چونک کر اپنا چکراتا ہوا سر اٹھا کر سائیڈ میں کھڑے اس شخص کو دیکھا۔ یہ تو وہی تھا' جس نے کل سے اب تک مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ جو کل سے میرے حواسوں پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا۔

"آپ......!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"کیا آپ اسی طرح ڈرائیونگ کرتی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی......؟" میں ہونق سی اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہمیشہ اسی طرح بدحواس رہتی ہیں آپ؟" بڑی سادگی سے اس نے پوچھا۔

"جی...... جی؟" میں اب تک سمجھی نہیں تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ناں؟" اس بار لہجہ میں شرارت تھی۔

"جی......" میں نے بے وقوفوں کی طرح آنکھیں جھپک کر کہا تو اس نے کافی گہری سانس لی۔

"محترمہ...... ایک مفت مشورہ دے رہا ہوں۔ آئندہ کبھی بھی گھر سے باہر نکلیں تو کسی کو ہمراہ رکھیے گا۔ اکیلے کہیں بھی نکلنا آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے گویا تھا۔

"نن...... نہیں...... دراصل...... آئی ایم سوری...... آپ کو زیادہ چوٹیں تو نہیں لگیں۔" مجھے دیر سے ہی سہی لیکن خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"دیر آید درست آید...... میں ٹھیک ہوں۔ شاید اپنی ماں کی دعاؤں کی بدولت۔ ورنہ آپ نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" اس نے میرے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"دراصل میں نے مارے گھبراہٹ کے بریک کے بجائے ایکسلیٹر پر پیر رکھ دیا تھا ورنہ شاید آپ کی یہ حالت نہ بنتی' بس میں بہت گھبرا گئی تھی آپ بھی تو یوں اچانک سامنے آگئے تھے۔" میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

"خوب...... یہ بھی خوب رہی۔ جناب آئندہ سامنے سے آنے کے بجائے پیچھے سے آیا کروں گا۔" وہ شاید بلکہ یقیناً میرا مذاق اڑا رہا تھا۔

"آپ کی بائیک تو ٹھیک ہے ناں، کہاں جانا ہے آپ کو، میں چھوڑ دوں؟" میں اس کی سنگت زیادہ سے زیادہ چاہتی تھی۔ اس لیے کہا۔

"شکریہ...... میری بائیک ٹھیک ہے۔ آپ کیئرفل رہیے گا۔ اللہ ہی حافظ۔" وہ کہتے ہوئے اپنی بائیک کی طرف مڑا۔ میں گاڑی میں بیٹھ کر بیک مرر سے اس کا عکس دیکھتی رہی۔ وہ بائیک اسٹارٹ کرکے چلا بھی گیا اور میں ابھی تک اس کی خوشبو محسوس کر رہی تھی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو بڑی بے دلی سے کار اسٹارٹ کرکے میں نے آگے بڑھائی۔ (جانے اب کب تمہارا دیدار ہو؟) میں افسردگی سے سوچتی رہی۔ کلاس میں زیادہ اسٹوڈنٹس نہ تھے۔ مجھ سمیت چار لڑکیاں اور تین لڑکے تھے۔ کلاس ٹائم ہوگیا تھا میں چیئر پر بیٹھی سوچوں میں مگن تھی کہ کچھ لمحوں بعد "سر" کے آنے کا غل مچا۔ میں نے "گڈ ایوننگ" کہنے والے کو بے یقینی سے دیکھا۔ طلب سچی ہو تو طالب مراد پا ہی لیتا ہے۔ اس کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو تھی اور وہ سامنے کھڑا تھا۔ وہ شاید مجھے دیکھ چکا تھا جبھی میرے چونکنے پر ذرا سا مسکرایا۔ ایسی خوب صورت مسکراہٹ تھی' سورج کی نرم کرن کی طرح میرے اندر روشنی بکھرتی چلی گئی۔ میں پھر سے مدہوش ہونے لگی۔ اس نے پروفیشنل انداز میں اپنا تعارف کرایا۔ وہ غزال احمر تھا۔ اس اکیڈمی میں وائلن کا ٹیچر اور پینٹنگ بھی سکھاتا تھا۔ یہی اس کا ذریعہ روزگار بھی تھا۔ لفظوں کا کھلاڑی تھا وہ۔ فنِ گفتگو کا ماہر رنگوں کی

زبان سمجھتا بھی تھا اور بولتا تو سحر طاری کردیتا تھا۔ اس نے باری باری سب کا تعارف حاصل کیا۔ میں نے بھی اپنا تعارف کرایا۔

"ارمین...... آپ کے نام کے معنی کیا ہیں، معلوم ہے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"لیس سر...... بہادر۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔

"نام انسان کی پہچان ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی شخصیت کا عکس بھی۔ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہے؟" وہ بظاہر سنجیدہ تھا مگر اس کی آنکھوں میں شوخی بسی تھی۔ میں اس کے انداز کی شوخی سمجھ رہی تھی۔ اس کے سامنے تو ویسے بھی میری بولتی بند ہوجاتی تھی۔ میں ہونق بنی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ اس روز اس نے ہمیں لیکچر دیا تھا پھر میوزک شروع کرایا تھا۔ وہ وائلن غضب کا بجاتا تھا۔ ایسی ایسی دھنیں بجاتا کہ میں مدہوش سی سنتی رہتی۔ اس کی سکھائی دھنیں میری روح میں بستی جارہی تھیں۔ غزال ایک جادوگر تھا جس نے مجھے اپنے پنجرے میں قید کرلیا تھا۔ محبت بھی تو ایک جادو ہے' ایک سحر ہے' ایک ہی نظر میں کسی سے محبت ہونے کے جو دعوے اور قصے میں سنتی تھی وہ اب سچ نظر آرہے تھے۔ اس کے سامنے میں کچھ بول نہ پاتی' کچھ نہ کہہ پاتی' لیکن میری آنکھیں بولتی رہتیں اور ایک روز غزال نے مجھ سے کہا۔

"معلوم ہے ارمین آپ کی آنکھیں بہت بولتی ہیں۔ بہت چغل خور ہیں' حال دل بیان کردیتی ہیں۔ آپ کی آنکھیں کھلی کتاب ہیں' کوئی بھی پڑھ سکتا ہے۔" اور میں اس دن کے بعد سے اس کی طرف دیکھنے سے بھی گھبرانے لگی تھی۔ ایک روز میں اتفاقیہ ہی اس کے گھر چلی آئی تھی۔ ہوا یوں کہ میں گلشن اقبال میں اپنی ایک دوست کے گھر اس کی سالگرہ پر گئی تھی۔ واپسی پر میں حسینہ کے ساتھ تھی۔ کار وہی ڈرائیو کررہی تھی۔ میری سہیلی بینا کے گھر سے کوئی تیسرا چوتھا گھر ہوگا جس کے سامنے سے ہماری کار گزر رہی تھی کہ اچانک اس گھر کے گیٹ سے کوئی عورت لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکلی اور چکرا کے یک دم گر گئی۔

حسینہ نے فوراً کار روکی ہم دونوں جلدی سے باہر نکلیں۔ خاتون اوندھی گری تھیں۔ میرا تو رنگ فق ہوگیا تھا۔

"نجانے انہیں کیا ہوا ہے؟" میں کانپتی ہوئی آواز میں حسینہ کے پیچھے کھڑی تھی۔

"دیکھتی ہوں تم خود پر قابو رکھو۔ کہیں تمہیں ہی نہ سنبھالنا پڑ جائے۔" حسینہ نے چڑ کر کہا وہ یوں بھی میری بزدلی سے بہت خائف رہتی تھی۔ اسی نے آگے بڑھ کر خاتون کو سیدھا کیا...... صورت سے خاصی حسین' پڑھی لکھی لگ رہی تھیں۔ اس عمر میں بھی پرسنالٹی غضب کی تھی۔ مجھے وہ بہت شناسا سا چہرہ لگا تھا۔ حسینہ نے انہیں سنبھالا دیکھا وہ بے ہوش ہوچکی تھیں، اس نے ان کی نبض چیک کی۔

"ارمین ان کی نبض بہت دھیرے سے چل رہی ہے۔ تم جلدی سے گھر کی بیل بجاؤ تاکہ کوئی ہو تو باہر آئے۔"

"جانے کیا ہوا ہے ان کو؟" حسینہ نے فکرمندی سے کہا تو میں نے کانپتے ہاتھوں سے ڈور بیل بجائی اور بجاتی ہی چلی گئی۔ مگر شاید گھر میں کوئی نہ تھا اسی لیے کوئی ان گھنٹیوں کی آواز سن کر بھی باہر نہ آیا۔ اب حسینہ اور میں اس فکر میں تھے کہ ان کو کسی کلینک وغیرہ پر لے جایا جائے یا ڈاکٹر گھر پر بلوایا جائے۔

"میرا خیال ہے کہ کلینک پر لے جانا ہی بہتر ہوگا۔ نجانے کیا ہوا ہے؟ کہیں دیر نہ ہوجائے۔" اس نے خود ہی فیصلہ کیا۔ بہت مشکلوں سے ہم نے ان خاتون کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ حسینہ نے تیزی سے کار ڈرائیو کی اور قریبی کلینک پر لے گئی۔ جب تک خاتون کو ہوش نہ آگیا تب تک ہم دونوں وہی رہیں۔ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد انہیں ہوش آگیا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا اور یہ بھی کہ اگر مزید ذرا سی بھی دیر ہوجاتی تو کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ خاتون کو ہوش آگیا تھا۔ فوری ٹریٹمنٹ کے بعد ان کو ڈاکٹر نے چھٹی دے دی تھی۔ ہمیں انہیں ڈراپ کرنے کی خاطر واپس ان کے گھر جانا پڑا۔ گھر

اندر سے بہت ہی خوب صورتی اور نفاست سے ڈیکوریٹڈ تھا۔ حالانکہ اتنا بڑا نہ تھا۔ خاتون کی نشاندہی پر ان کو ایک کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دیا۔

"میں آپ دونوں کی احسان مند ہوں آج بروقت آپ دونوں نہ ہوتیں تو جانے کیا ہو جاتا؟" ان خاتون نے بات شروع کی۔

"اس میں احسان کی کیا بات آنٹی۔ بحیثیت انسان یہ ہمارا فرض بنتا ہے۔ ویسے کیا آپ گھر میں اکیلی ہیں میرا مطلب ہے کہ آپ کے گھر میں اور کوئی نہیں رہتا؟" میں نے نرمی سے کہتے ہوئے پوچھا۔

"میرے ساتھ میرا بیٹا رہتا ہے۔ بس ہم دونوں ماں بیٹا ہی ہوتے ہیں اس گھر میں۔ وہ بھی اس وقت تک تو آ جاتا ہے۔ شاید آنے والا ہوگا۔" انہوں نے جواب دیا پھر وہ ہمارے متعلق پوچھنے لگیں۔ حسینہ جواب دیتی رہی۔ آنٹی کے ہی کہنے پر حسینہ نے ان کے بیٹے کو موبائل پر کانٹیکٹ کر کے اطلاع دے دی تھی۔ اب ہم منتظر تھے کہ کب ان کا بیٹا آئے اور ہم چلیں۔ رات ہو گئی تھی مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ ہم دونوں اکیلی لڑکیاں کس طرح رات کو گھر جائیں گی جبکہ حسینہ اطمینان سے بے فکر ہو کر آنٹی سے باتوں میں مگن تھی۔ اسی اثناء میں اس نے مجھ سے آنٹی کے لیے جوس لانے کو کہا۔ کچن کا راستہ آنٹی نے مجھے بتا دیا تھا۔ میں نے ان کے چھوٹے سے لیکن بہت نفیس کچن میں جا کر سیب کا جوس تیار کیا۔ ایک ایک شے سے نفاست و حسن ٹپک رہا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود کتنی ایکٹو کس قدر صفائی پسند اور نفیس طبیعت کی مالک ہیں۔ میں جوس کا گلاس لے کر کمرے میں آئی تو ٹھٹک گئی۔ سامنے ہی آنٹی کے پہلو میں وہ بیٹھا تھا۔ ہماری نگاہوں کا تصادم ہوا اور گلاس میرے ہاتھوں میں کانپ گیا۔

"ارے...... ارمین......!" وہ بے اختیار بول پڑے۔

"سر......! آپ یہاں؟" میرے منہ سے نکلا۔
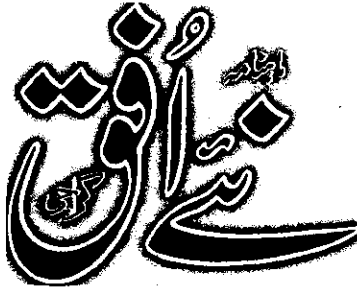
"آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" حسینہ نے پوچھا۔

"یہ میرے میوزک کے ٹیچر ہیں۔ سر غزال اور سر یہ میری بڑی بہن ہیں حسینہ۔" میں نے قدم بڑھاتے ہوئے تعارف کرایا۔

"آنٹی جوس پی لیں۔" میں نے گلاس ان کی طرف بڑھایا۔ وہ سہارے سے بیٹھی تھیں۔ گلاس انہیں تھماتے وقت غزال میرے بے حد قریب تھا۔

"بیٹا...... سمجھو آج تمہاری ماں کی زندگی ان بچیوں کی مہربانی سے بچی ہے۔ ورنہ آج تو ملک الموت نے ہاتھ تھام ہی لیا تھا۔" وہ مسکرا کر بتا رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے امی جان کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے۔ آپ کے علاوہ اور ہے ہی کون میرا اپنا۔" غزال جیسے دہل کے بولا تھا۔

"میں آپ دونوں کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا۔ سمجھیں مجھے خرید لیا ہے آپ نے میری ماں کی زندگی بچا کر۔" وہ پہلے مجھے پھر حسینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب بار بار احسان مندی کا تذکرہ کر کے شرمندہ نہ کریں سر۔" میں نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ دراصل گھر میں سوائے ہم دونوں کے تیسرا وجود ایک کل وقتی ملازمہ کا ہے لیکن آج کل بیماری کی وجہ سے وہ اپنے گھر گئی ہے۔ ورنہ گھر کا سارا حساب کتاب اور امی جان کی دیکھ بھال اسی کی ذمہ داری ہے۔" غزال اٹھتے ہوئے بتا رہے تھے۔

"تکلف میں نہ پڑیں غزال صاحب...... ہمیں دیر ہو رہی ہے اور ویسے بھی ابھی کھانے کا موڈ نہیں کھانا پھر کبھی سہی۔" حسینہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ لوگوں نے کچھ نہیں لیا۔ یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ آپ لوگوں کو یونہی جانے دوں۔" وہ بولا۔

"تکلفات میں نہ پڑیں۔ آنٹی کا خیال رکھیں بس۔ چائے پینے پھر کبھی آ جائیں گے۔ یوں بھی آنٹی کی

طبیعت پوچھنے آنا ہی ہے۔ پھر آپ تو ارمین کے ٹیچر بھی ہیں۔" حسینہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی مجھے بھی اشارہ کیا۔

"تو پھر کل ضرور آیئے گا۔ چائے پر ہم آپ کے منتظر ہوں گے۔" غزال کے اصرار پر حسینہ منع نہ کرسکی اور وعدہ کرلیا لیکن اگلے روز اس کی اپنی طبیعت خراب ہوگئی۔ میں اس کے بغیر جانا نہیں چاہتی تھی مگر اس نے زبردستی مجھے ڈرائیور کے ساتھ جانے کو کہا۔ امی نے بھی کہا کہ وعدہ کرلیا ہے تو اب جاؤ۔ بری بات ہوگی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ تیار ہورہی تھی۔ لائٹ پنک کلر کے امبرائڈی سوٹ میں بالوں کی پونی بنائے لائٹ پنک لپ اسٹک اور ڈائمنڈ کے ننھے منے آویزے پہن کر تیار ہوگئی۔ امی کے کہنے پر کچھ فروٹس میں نے آنٹی کے لیے رکھ لیے تھے۔ غزال ہمارا منتظر تھا۔ گیٹ اسی نے کھولا تھا۔ اس نے علیک سلیک کے بعد حسینہ کا پوچھا تو میں نے اس کی طبیعت کی خرابی کا بتایا۔ ڈرائیور اتنے میں پھلوں کے شاپرز نکال کر لے آیا تھا۔

"یہ تو زیادتی ہے ارمین۔" وہ خفگی سے بولے۔

"یہ سب امی نے آنٹی کے لیے بھیجے ہیں۔ وہ تو خود آنا چاہ رہی تھیں مگر حسینہ کی وجہ سے رک گئیں۔ آئیں گی کسی روز۔" میں نے بتایا۔

"آنٹی کو ہماری طرف سے شکریہ کہیے گا۔" وہ بولا۔

"آنٹی کہاں ہیں؟"

"وہ نماز پڑھ رہی ہیں، آپ بیٹھیں۔" اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھادیا۔ چند لمحے خاموشی کی نظر ہوگئے۔

"ارمین......" کمرے کی خاموش فضا کو غزال کی گمبھیر آواز نے توڑا۔ میں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ سفید شلوار قمیص میں وہ نکھرا سا لگ رہا تھا۔ گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے سرخ لہو چھلکاتے لب خاموش تھے مگر ان پر کھیلتی نرم سی مسکراہٹ جیسے کوئی داستان سنا رہی تھی۔ سمندر سے بھی زیادہ گہری آنکھیں ہزاروں راز اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔ غزال کی پلکیں بہت گھنی تھیں۔ اتنی

گھنی اور لانبی کہ اکثر میں سوچتی کہ اگر یہ پلکیں کسی لڑکی کی ہوتیں تو وہ لڑکی کس قدر پُرکشش ہوتی۔

"کہاں کھو گئیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں.....آں.....نن.....نہیں تو.....یہیں ہوں۔" میں گڑبڑا کے نیچے دیکھنے لگی۔

"او کے آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"کچھ بات کریں۔" میں نے خاموشی سے گھبرا کے کہا۔ آج پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ خاموشی سے مجھے گھبراہٹ ہوئی تھی۔

"کیا سننا چاہیں گی؟" وہ معنی خیز انداز میں بولا یا پھر مجھے لگا تھا۔

"آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔ آئی مین اپنی فیملی کے بارے میں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہماری فیملی تو دو افراد پر مشتمل ہے۔ امی جان سے شروع ہوکر مجھ پر ختم ہوجاتی ہے۔ ابو کی وفات تو اس وقت ہوگئی تھی جب میں میٹرک میں تھا۔ تب سے امی نے ہی مجھے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ لہٰذا ساری توجہ میرے ہی حصے میں آئی۔ امی جان بے حد ہمت و حوصلے والی خاتون ہیں۔ زندگی میں انہوں نے بہت کچھ سہا بہت کچھ برداشت کیا مگر کبھی حرف شکایت لبوں تک نہ لائیں۔ چاہتیں تو دوسرا ہمسفر چن کر نئی زندگی شروع کرسکتی تھیں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اپنی زندگی کی انمول گھڑیاں میرے نام کردیں ارمن...... کوشش کے باوجود ان کا قرض نہیں اتار سکتا۔ ماں باپ کی محبتوں کا قرض بھلا کون اتار سکا ہے؟ کوشش کرتا ہوں کہ میری ذات سے انہیں کبھی کوئی تکلیف نہ ہو۔" وہ بڑی اپنائیت سے بتا رہا تھا۔ جیسے میں اس کی گہری دوست کوئی دمساز ہوں۔

"آنٹی کو دل کی تکلیف کب سے ہوئی؟ اور اس حالت میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ خاص کر کل واقعے کے بعد سے۔" میں نے کہا۔

"امی جان کو یہ تکلیف بھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ یوں تو ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر رکھا ہے مگر آج کل وہ چھٹیوں پر ہے اور کل والے واقعے نے تو مجھے دہلا ہی دیا ہے سوچتا ہوں کہ کل آپ کی اور حسینہ کی صورت میں فرشتے وارد ہوئے تھے.....ورنہ....." وہ تشکر بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا پھر میں نے فوراً ہی موضوع بدل دیا کہ وہ پھر سے احسان مند ہوکر مجھے شرمندہ کرتا۔ اس روز میری جھجک کافی حد تک نکل گئی تھی۔ غزال نے مجھ سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا..... کچھ میرے بارے میں پوچھا۔ نامحسوس طریقے سے ہم میں اپنائیت کا ایک رشتہ قائم ہوچکا تھا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ ملنا ملانا وہ خوشی سے کرلیتا ہے مگر دوستی ہر ایک سے نہیں کرتا۔ اس کی پہلی دوست اس کی امی جان تھیں، دوسرا دوست شکیل تھا اور اب تیسری دوست میں بن چکی تھی۔ میں کافی دیر وہاں بیٹھی تھیں۔ واپسی پر آنٹی نے مجھے خالی ہاتھ جانے نہیں دیا تھا۔ ایک خوب صورت پیکنگ میں لپٹا ڈبہ مجھے تھما دیا تھا۔ میں نے انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت بھی دے دی تھی۔ گھر آکر میں نے دیکھا ڈبے میں بہت ہی خوب صورت ریڈی میڈ سوٹ تھا۔ وہ سوٹ سب کو دکھانے کے بعد میں نے سنبھال کر اپنی وارڈ روب میں رکھ دیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ کچھ دن اور سرک گئے۔ میں اور غزال کچھ اور قریب آگئے تھے۔ میں ہر طرف سے بے فکر بس اپنی ہی دھن میں تھی۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ہنگاموں سے بھرپور اس منی پاکستان میں ہی مجھے اپنی منزل مل جائے گی۔ جس شہر میں میرا دل نہیں لگتا تھا وہیں کی فضا میں میں خوشبو بن کے اڑنے لگوں گی۔ جو جگہ مجھے بے رنگ لگتی تھی، اب وہیں محبت کے ہزار رنگ بکھرے نظر آئیں گے۔ محبت اتنا کچھ بدل دیتی ہے، محبت اتنی حسین ہوتی ہے؟ سپنے جب تعبیر کی صورت نظر آنے لگیں تو ان سے کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں اور وہ کرنیں محبت کرنے والے دلوں کے تن، من روح کو منور کردیتی ہیں۔ میں غزال کی سنگت میں جنت کی سرزمین پر قدم رنجا تھی جب

حسینہ کی شادی کا ہنگامہ اٹھا۔ غزال اور آنٹی نے بھرپور حصہ لیا۔ میرے گھر والے بھی ان دونوں کو پسند کرتے تھے اور یہ بات میرے لیے قابل تسکین تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ سب بہت آسان ہے۔ مگر آسانی مشکل میں کب بدلی یہ احساس تک نہ ہوا تھا۔ اسماء آنٹی نے احتشام کے لیے کب ذکر کیا؟ کب گھر والوں نے بات اندر ہی اندر طے کرکے فائنل کی یہ مجھے علم ہی نہ ہوسکا۔ یہ عقدہ تو اس روز کھلا جب غزال اور آنٹی میرا ہاتھ مانگنے امی کے پاس آئے تھے۔ تب امی نے یہ بات کھولی کہ ارمین کا رشتہ تو کب کا پکا ہوچکا ہے۔ اسماء آنٹی تو عنقریب رسم کرنے آنے والی ہیں۔ آپ لوگوں نے بہت دیر کردی۔ میں جو پردے کے پیچھے کھڑی یہ سب سن رہی تھی تھوڑی دیر کے لیے ساکت رہ گئی۔ مجھ سے پوچھے بغیر میری زندگی کا فیصلہ کردیا گیا تھا۔ میرے علم میں لائے بنا میرے نام کے ساتھ کسی اور کا نام جوڑ دیا گیا تھا۔ میں کتنی لاعلم تھی۔ کتنی بے خبر...... مجھ میں ہمت نہ تھی کہ غزال کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھتی...... بہت مشکلوں سے خود کو سنبھالتی کمرے تک آئی تھی۔ بے دم' بے سدھ سی بیڈ پر گرگئی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ امی سے بات کروں گی۔ میری چپ اور بزدلی نے مجھے بہت نقصان پہنچایا تھا مگر میں سوچتی ہی رہ گئی میری زبان میرا ساتھ نہ دے سکی اور میرے نام کے ساتھ احتشام کا نام جوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد میں آخری مرتبہ غزال سے ملنے گئی تھی۔ ہیرے جیسی آنکھیں بجھ کے رہ گئی تھیں۔ دیوتاؤں جیسے چہرے کی روشنی ماند پڑ رہی تھی۔ میرا دل کٹ سا گیا۔ اس نے کہا تھا۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ارمین...... یہ مقدر کے کھیل ہیں' ان سے جیتنا انسان کے بس میں کہاں؟ ایک چھوٹی سی کہانی تھی جو شروع ہوتے ہی ختم ہوگئی۔ ایک سپنا تھا جو آنکھ کھلنے پر ٹوٹ گیا۔ میرے افسانے کا کوئی ادھورا پلاٹ جو تکمیل تک نہ پہنچ پایا۔ بھول جانا سب ایک خواب سمجھ کر۔ سمجھنا کہ ہم ملے ہی نہ تھے کبھی...... یوں بھی کل مجھے اور امی جان کو ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جانا ہے۔ یہ شہر' یہ مکان سب چھوڑ کے...... پیچھے مڑ کے نہیں دیکھوں گا' تم بھی نئے سفر پر نکل پڑی ہو ماضی کو سنگ ریزے سمجھ کر ٹھوکر مار دینا اور نئے گلاب چن لینا۔ ہمیشہ کے لیے اللہ حافظ۔" اور پھر وہ چلا گیا ہمیشہ کے لیے...... کہاں نہ اس نے بتایا نہ میں نے پوچھا۔ میری زندگی میں ایک حسین کہانی نے جنم لیا اور دردناک اختتام کے ساتھ میرے دل پر اثر چھوڑ گئی۔ میں آج احتشام کے ساتھ ہوں' ہمارے چار بچے ہیں' بظاہر کسی شے کی کمی نہیں' دولت' عزت' بچے' شوہر سب ہے مگر پھر بھی زندگی میں بہت بڑا خلا باقی ہے۔ غزال چلا گیا تھا مگر جاتے جاتے وہ ہر رنگ اپنے ساتھ لے گیا تھا' جس کی وجہ سے یہ فضا رنگین لگتی تھی' ہر وہ روشنی ساتھ لے گیا تھا جو یہاں کے اندھیروں کو منور کرتی تھی۔ وہ سارے سُر اپنے ساتھ لے گیا تھا جو کبھی میری دھڑکنوں کی تال پر گنگناتے تھے۔ میرا ہر خواب ٹوٹ کر بکھر گیا تھا جو کبھی میں دیکھتی تھی۔ اب میں مسز احتشام ہوں' مشہور نامی گرامی بزنس مین کی بیوی' اس کے ساتھ اس کے ہنگاموں' پارٹیز' کاروبار میں ہاتھ بٹانے والی' غزال سے الگ ہونے کے بعد رنگوں سے بھی ناطہ ٹوٹ گیا اور سپنوں سے بھی رشتہ ٹوٹ گیا۔ رنگ' موسم' پرندے' پھول' بارش' دھنک' یہ سب اب کتابی باتیں ہوگئی ہیں۔ اب تو میں بھی ان سب کا حصہ ہوں۔ اس تیز رفتار شہر کی باسی' لیکن کیا وجہ ہے کہ میں جب بھی سگنل پر گاڑی روکتی ہوں تو مجھے کسی کی دہکتی آنکھیں یاد آتی ہیں' جب بھی وائلن کی آواز سنتی ہوں تو اس کی دھنوں میں جیسے کوئی پکارتا ہے' اتنی بھاگم دوڑ میں جب بھی تھک کر سستاتی ہوں تو کوئی ٹھنڈی چھاؤں بن جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کیا آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

❁

میں نے جیسا دیکھا

رفاقت جاوید

فطرتاً شریر

ہم جب رسالپور آئے تو جاوید کی پھوپی بھی ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ شفٹ ہوگئی تھیں اس وقت ان کی عمر تقریباً سو سال کے لگ بھگ تھی خوش قسمتی سے بے حد ایکٹیو خاتون تھیں ذہنی طور پر سولہ سالہ اور جسمانی طاقت وقوت کے لحاظ سے بھی بے مثال ان کے آگے پیچھے دینی کتابوں اور تفسیروں کے ڈھیر لگے رہتے تھے لکھنے سے دلچسپی نہیں تھی البتہ پڑھنے سے بے پناہ لگاؤ تھا اور بہترین شعر گو تھیں بات کرنے سے پہلے موقع ومحل کے پیش نظر شعر کہنا ان کا خاصا تھا بہت خوش مزاج اور دلوں پر راج کرنے والی خاتون تھیں جب پہلی بار پروین گیتو کے ہمراہ رسالپور آئی تو میرے گھر میں بزرگ خاتون جس کا تعلق بھی میرے سسرال سے تھا انہیں دیکھ کر پروین جھینپ سی گئی اور گہری سوچ میں پڑ گئی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ مسئلہ کیا ہے کیونکہ وہ انہی رشتوں کی ڈسی ہوئی عورت تھی میں نے اسے تسلی وتشفی دی اور ان کے کمرے میں لے گئی۔

میں نے پروین کا تعارف کروایا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ اٹھایا پروین اشارہ سمجھ کر ان کے سامنے جھکی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بوسہ دیا اور مرزا غالب کا شعر پڑھا۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

یہ سن کر پروین کے چہرے پر کئی قسم کے رنگ آئے اور چلے گئے۔

اور پھر پروین ان کی دلچسپ باتیں سننے انہی کے پاس دیر تک بیٹھی رہی اب انہیں بھی پروین کا انتظار رہنے لگا تھا وہ ہمیشہ پروین کے لیے دل میں بہت نرمی محسوس کیا کرتی تھیں مگر کبھی اظہار نہ کرتیں کہ وہ مزید غم زدہ نہ ہوجائے اس کی تعریف دل کھول کر کیا کرتی تھیں اور خوب حوصلہ افزائی کرتیں اسے بہت پیار کیا کرتی تھیں ایک دن پروین کو شرارت سوجھی جو اتنے جھٹکے اور دھوکے کھانے کے بعد بھی اس کی شخصیت میں بدستور براجمان تھی بڑی اپنائیت اور انسیت سے پروین نے ان سے سوال کیا اور ساتھ ہی مجھے آنکھ ماری پھوپو ایک بات تو بتائیں لیکن خفا نہیں ہونا پلیز۔

پھوپو آپ جوانی میں کسی ماڈل سے کم نہیں ہوں گی یہ سرو جیسا قد اور سرخ وسفید رنگ اور پرکشش خدوخال پھوپو اس وقت آپ قاتل ہیں تو اس وقت کیا حال ہوگا۔آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟

انہوں نے اسے غور سے دیکھا مجھے دیکھ کر تم نے جو اندازہ لگایا ہے اس کے جواب میں سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی دراصل میرے ساتھ کا اس دنیا میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوسکا وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں پروین جواب سن کر پہلے تو حیران ہوئی پھر شگفتہ لہجے میں بولی پھوپو مان لیا کہ آپ لاجواب اور یکتا ہیں لیکن کوئی رشتہ تو آیا ہوگا؟ اب پروین کے چہرے پر شریر مسکان کا غلبہ تھا۔

بیٹا جب صحن میں لگا بیری کا پودا تناور درخت بنتا ہے اور اس پر پھل آتا ہے تو دروازہ چاہے بند ہی کیوں نہ ہو تو پھل گرانے کے لیے باہر سے پتھر ضرور آتے ہیں وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔جی پروین نے مخصوص جی کہا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

پھوپو کیا سارے پتھر ہی بھربھری مٹی کے تھے؟ ذومعنی بات کو پھوپو سمجھ گئیں فخریہ انداز میں گاؤ تکیے سے خود کو جدا کیا اور قدرے اکڑ کر بیٹھ گئیں میرا چھوٹا بھائی جسے میں صاحب کہہ کر پکارتی تھی آکسفورڈ یونیورسٹی کی امتیازی ڈگریوں کا مالک تھا میں نے اپنی زندگی اسی بھائی کے نام لکھ دی تھی۔ ہماری عورت شادی تحفظ کے لیے کرتی ہے وہ اٹوٹ تحفظ میرے پاس تھا عزت' سکون وآرام بھی دے رکھا تھا تو شادی کیوں کرتی میرے بھائی کا بھی اللہ تعالیٰ نے جوڑا نہیں بنایا تھا لیکن ہم انسانوں نے چار دفعہ اس کا جوڑا بنانے کی غلطی بھی کی اور گناہ کبیرہ بھی سرزد ہوا اس کی سزا میں چاروں ہی بےکار نکلیں اور چلی ہوگئیں پھر دو کیا جاناں تمہاری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مثال سامنے ہے تم نے بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں ٹانگ اڑائی تو انجام دیکھ لیا ہے نا۔

اب ان کے لہجے میں تنبیہہ کی جھلک نمایاں تھی کمرے میں کافی دیر خاموشی طاری رہی پروین بھی سنجیدہ ہو چکی تھی میری طرف رحمدلانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں میں بھی جاوید کے لیے بے کار ثابت نہ قرار دی جاؤں کیونکہ پھوپو کے خیالات اور ارادے اسے نیک نہیں لگے تھے۔ پھوپو ہر وقت تسبیح پڑھتی رہتی تھیں انہوں نے تسبیح اپنی گود میں رکھ دی اور پھر گویا ہوئیں۔

بھائی کے تعلقات احمد خان کے گھرانے سے اتنے گہرے تھے جیسے تمہارے اس گھرانے سے ہیں احمد خان کون تھے پھوپو؟ وہ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

سرسید احمد خان ارے تمہاری برادری کے تھے تم انہیں نہیں جانتی؟ سید تھے بہت نیک اور پرہیز گار خاندان تھا ان کا غرور و تکبر کا تو نام ہی نہ تھا وہ حسرت اور نخوت سے بولیں۔

جی سید برادری جی پھوپو آپ نے درست کہا وہ ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

ان کے پوتے کا رشتہ آیا تھا میں نے پیغام بھیجا کہ اس دنیا میں میرے ساتھ کا کوئی دوسرا پیدا ہی نہیں ہوا آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی؟ وہ ناگواری سے بولیں۔

پھوپو پھر تو بات ختم ہوگئی ہوگی؟ وہ سنبھل کر بولی تھی آپ نے درست فرمایا ہے آپ بھی تو کسی سے کم نہیں۔

ختم کہاں ہوئی؟ موصوف بھی پرس بھیج دیتے تھے کبھی کلون میرا نام بھی نور نبی ہے زندگی گزار دی تمام چیزیں اس کے منہ پر دے ماریں اور پھر بھائی کے تعلقات بھی خراب ہوگئے۔

آپ نے بہت اچھا کیا پھوپو وہ بمشکل بولی اور وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی اور جو ہنسی کا دورہ پڑا تو شیطان بھی ساتھ ہی آ دھمکا رف اپنی خیر منائیں کوئی دھماکہ ہونے والا ہے وہ ہنستے ہوئے بمشکل بولی تھی۔

جب میری ساس صاحبہ تشریف لاتیں تو وہ ان کے پاس بیٹھنے اور بات کرنے سننے سے بہت گھبراتی تھی اور جو کمرے میں بند ہوتی تو پھر یوں گمان ہوتا کہ گھر میں موجود ہی نہیں ان کا دونوں وقت کا کھانا کمرے میں منگوالیا کرتی تھی شاید یہ

اس کا ری ایکشن تھا کہ اسے سسرال کے ہر رشتے سے وحشت محسوس ہوتی تھی اور وہ خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی اس وقت میری ایسی ہمدرد بن جاتی کہ نظریں میرے چہرے کا تعاقب کرتی رہتیں اسے ان رشتوں سے کبھی شفقت و محبت اور ہمدردی کی قطعاً توقع نہیں ہوتی تھیں ہمیشہ مجھے کہا کرتی تھی کہ آپ میں بہت صبر ہے یہ آپ کے سسرال کا کمال نہیں کہ آج تک بات بنی ہوئی ہے وہ شوخی سے کہتی جاوید نے ستارہ جرأت حاصل کیا ہے ناں تو آپ کو تمغۂ صبر و استقلال کا شرف حاصل ہونا چاہیے مگر افسوس کہ آپ کی جاب تھینک لیس ہے۔

ایک دوپہر کا واقعہ ہے پروین اپنے آفس میں بیٹھی کام میں مصروف تھی فائلوں کے ڈھیر میں الجھی ہوئی تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ پاکستان کی ایک مشہور اور حسین گلوکارہ باہر تشریف لائی ہیں اور پروین سے ملنے کی خواہش مند ہیں پروین نے بتایا کہ اس دن میرے مزاج میں خاصی تندی تھی کیونکہ میں اپنی چند چھٹیاں بیماری کی نذر کرنے کی وجہ سے آفس کے کام میں بری طرح الجھی ہوئی تھی اور اپنا کام جلد از جلد ختم کرنا چاہتی تھی پہلے تو سوچا کہ ملاقات کے لیے کل کا وقت دے دوں مگر مجھے ٹالنا اچھا نہ لگا اس لیے میں نے انہیں اندر بلا لیا۔ وہ خاتون شادی کے اٹھارہ سال بعد گھر سے نکال دی گئی تھی۔ بچے چھین لیے گئے تھے اور یہ بے دست و پا واپس آ چکی تھی وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی پروین تقدیر کی اس ہیرا پھیری کو خوب جانتی تھی بہت افسردہ ہوگئی جب محترمہ نے کہا پروین یقین کرنا اتنے ظلم و ستم کے باوجود جب میرا شوہر مر گیا تو میں نے کر مجھ کے آنسو روئی تھی میرے آنسو رکنے کا نام نہ لیتے تھے اس سے پہلے کہ پروین کا قہقہہ اسے مرقع کر جاتا پروین ایکس کیوزمی کہہ کر سرعت سے واش روم کی طرف چلی گئی اور اس وقت تک باہر نہ نکلی جب تک اس نے خود پر قابو نہ پالیا تھا وہ بعض اوقات دوسرے کی زبان سے ادا کردہ ایک لفظ سے شرارت پر اتر آیا کرتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بزم سخن

سمیّہ عثمان

ہالہ سلیم...... کراچی

نہ کر اے طبیب ناکام کوششیں میرے درد کو سمجھنے کی
تو پہلے عشق کر، پھر چوٹ کھا، پھر لکھ میرے درد کی دوا

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

سنو! کوئی خریدار ہے نظر میں
مفلسی کے دنوں میں وفا بیچنی ہے

مہک زبیر...... کراچی

بڑی حسرت سے دیکھتی ہے تیری نظر تاروں کو
جو ٹوٹا تھا وہ دل تھا میرا ستارا نہیں

اریبہ منہاج...... کراچی

میری محبت کے بس دو ہی گواہ تھے ایک وقت دوسرا وہ
وقت تھا جو گزر گیا دوسرا تو مکر ہی گیا

سدرہ شاہین...... پیر ودال

حسن خدا نے دیا عاشق ہم ہوئے
وہ نصیب کسی اور کا تھا برباد ہم ہوئے

فہمیدہ سیال...... سیالکوٹ

بدنام زمانے میں محبت نہیں کرتے
دل والے تو دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتے
اک بار جسے چاہا صدا اس کے رہے پھر
ہم لوگ امانت میں خیانت نہیں کرتے

سیدہ بتول فاطمہ...... حیدرآباد

ہر نظر کو اک نظر کی تلاش ہے
ہر چہرے میں کچھ تو خاص ہے
آپ سے دوستی ہم یونہی نہیں کر بیٹھے
کیا کریں ہماری پسند ہی کچھ خاص ہے

شاہدہ بانو...... کراچی

تجھ کو احساس کیوں نہیں ہوتا
چاہتیں کس قدر ضروری ہیں
آؤ دو چار پل کے پوری کریں
خواہشیں سیکڑوں ادھوری ہیں

گل ثمینہ...... نارتھ ناظم آباد، کراچی

میں اور اس کو بھول جاؤں کیسی باتیں کرتے ہو
صورت تو پھر صورت ہے وہ نام بھی پیارا لگتا ہے

ماہ جبین...... راولپنڈی

مجھ سا کوئی دنیا میں نادان بھی نہ ہو
کر کے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو

ماہ نور...... میرپور خاص، سندھ

نہ ہو جو بس میں کبھی اس کا دعویٰ نہیں کرتے
کچھ لوگ چاہا کرتے ہیں دکھاوا نہیں کرتے

علیشہ مرزا...... کراچی

وہ خود پر غرور کرتا ہے تو اس میں حیرت کیا
جس کو ہم چاہتے ہیں وہ عام ہو ہی نہیں سکتا

حرا ملک...... کہروڑ پکا

دیکھ کر دنیا کو ہم بھی بدلیں گے اب مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہوگا لیکن واسطہ کسی سے نہیں

عائشہ سلیم...... کراچی

آئینہ دیکھوں یا تیرا چہرہ دیکھوں
میں اپنا چہرہ تیرا چہرہ دیکھوں
سینہ چیرتی رہے تیرے دل کے سمندر کا ناؤ میری
چاہت کے لنگر ڈال دوں وہیں سمندر جہاں گہرا دیکھوں

نوشین خان...... لاہور

جو دل کے آئینے میں ہو وہی ہے پیار کے قابل
ورنہ دیدار کے قابل تو ہر تصویر ہوا کرتی ہے

فائزہ بٹ...... منڈی بہاؤالدین

ہو نہ جائے حسن کی شان میں گستاخی کہیں
تم چلے جاؤ کہ تمہیں دیکھ کر پیار آتا ہے

لائبہ قریشی...... ٹنڈوالہیار

وہ اپنے فائدے کی خاطر پھر آ ملے تھے ہم سے
ہم نادان سمجھے کہ ہماری دعاؤں میں اثر ہے
کومل ملک...... گجرات

ہم غریب اچھے ہیں دنیا دار لوگوں سے وصی
ہم اپنے خواب ضرور توڑتے ہیں کسی کا دل نہیں
انابیہ...... ڈسکہ

میرے دل میں تیری یادوں کے جگنو جب اترتے ہیں
تو اس ویران بستی میں اجالے رقص کرتے ہیں
مہک زبیر...... کراچی

ہمیں صورت سے کیا مطلب ہم سیرت پر مرتے ہیں
اسے کہنا تمہارا حسن جب ڈھل جائے تو لوٹ آنا
عظمیٰ شاہد...... دہلی کالونی، کراچی

ہر جدائی کا سبب بے وفائی نہیں ہوتا
کچھ جدائی کا سبب اک دوسرے کی بھلائی بھی ہے
ثمن رحمان...... اکبر روڈ، صدر کراچی

شاعری کا شہزادہ ہوں قلم ہے میری رانی
الفاظ میرے غلام باقی اللہ کی مہربانی
اقرا ناز...... نواب شاہ

ہمارے بعد نہیں آئے گا اسے چاہت کا ایسا مزہ
وہ اوروں سے کہتا پھرے گا مجھے چاہو اس کی طرح
حور بانو...... لاہور

بہاروں نے بنا رکھا ہے ہر پھول کو ہمارا رقیب
ہواؤں کو اپنا حسن دکھانا اچھا نہیں
ماروی یاسمین...... سرگودھا

اس نے جب جب مجھے دل سے پکارا محسن
میں نے تب تب یہ بتایا کہ تمہارا محسن
لوگ صدیوں کی خطاؤں پہ بھی خوش دکھتے ہیں
ہمیں لمحوں کی وفاؤں نے اجاڑا محسن
حمنی اقبال...... منڈی فیض آباد

وہ تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پہ بھی لازم ہے میر
خاک ڈال، آگ لگا، نام نہ لے، یاد نہ کر
[illegible]...... جوڑہ

مت پوچھ تجھ سے بچھڑ کر محسن
آج تک کتنے اندھیروں میں کھویا ہوں
تو مجھ سے بچھڑ کر بھی خوش ہوگا
میں تجھے یاد کر کے رویا ہوں
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

اسے کہنا قسمت پہ اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا
ہم نے بارش میں بھی جلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں
سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

حیران ہوں میں کہ عرصہ قلیل میں
وہ شخص میری سوچ سے زیادہ بدل گیا
ثناء ریاض چوہدری...... بوسال سکھا

پھر میرے شہر سے گزرا وہ بادل کی طرح
دست گل پھیلا ہوا ہے میرے آنچل کی طرح
محسن عزیز حلیم...... کوٹھا کلاں

کچھ الگ تھا کہنے کا انداز ان کا
کہ سنا بھی کچھ نہیں کہا بھی کچھ نہیں
کچھ اس طرح بکھرے ان کے پیار میں ہم
کہ ٹوٹا بھی کچھ نہیں اور بچا بھی کچھ نہیں
ثروت عزیز نوشی...... لدھا سنگھ مہکل

عداوتیں تھیں، تغافل تھا، رنجشیں تھیں مگر
بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا، مگر بے وفائی نہ تھی

کچن کارنر

زہرہ جبین

پوٹلی سموسہ

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
سیاہ مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
پودینہ، ہری مرچیں	چار کھانے کے چمچ

سموسے کے لیے

میدہ	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	دو کھانے کے چمچ
اجوائن	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر فرائی کر لیں۔ قیمہ، لہسن، ادرک پیسٹ، نمک، کٹی لال مرچیں اور سیاہ مرچیں ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر پکائیں، آخر میں پودینہ، ہری مرچ، زیرہ ڈال کر مکس کر کے آمیزے کو ٹھنڈا کر لیں، میدے میں نمک، گھی، اجوائن ڈالیں اور مکس کر کے پانی سے سخت آٹا گوندھ لیں اور ڈھک کر رکھیں، گندھے ہوئے آٹے کی بڑی سی روٹی بیل لیں اور کٹر سے گول چھوٹے سائز کی پوریاں کاٹ لیں، اس پر قیمہ رکھیں اور پوٹلی کی شکل دے کر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کر کے افطاری پر چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

ہالہ سلیم...... کراچی

قیمہ کے پکوڑے

اجزاء:۔

قیمہ باریک پسا ہوا	آدھا کلو
تیل (تلنے کے لیے)	حسب ضرورت
لہسن (پسا ہوا)	بارہ جوئے
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
بیسن	ڈیڑھ پاؤ
دھنیا سوکھا	ایک چٹکی
گرم مسالہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

بیسن میں پانی ڈال کر خوب پھینٹیں اور گاڑھا کر لیں پھر اس میں نمک مرچ ملائیں قیمہ کو ابال لیں پھر اس میں پسے ہوئے مسالے ملا کر پیس لیں اب میں چھوٹے چھوٹے پکوڑوں جتنے گولے بنا کر بیسن میں ڈپ کر کے کھولتے ہوئے تیل میں تل کر نکال لیں۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ لطف اٹھائیں۔

سحر تبسم سحری...... مغل پورہ

عید سویاں پڈنگ

اجزاء:۔

سویاں (چورا کی ہوئی)	چوتھائی کپ
چینی	آدھا کپ
انڈے	تین عدد
دودھ	آدھا کلو
زعفران	چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
کھویا	آدھا کپ
بادام (کٹے ہوئے)	چوتھائی کپ

پستہ (کٹا ہوا)	چوتھائی کپ

ترکیب:۔
آدھا کپ تیل گرم کرلیں اور اس میں سویاں علیحدہ رکھ لیں دودھ گرم کریں اس میں چینی اور کھویا ڈال کر پکائیں، تھوڑا گاڑھا ہوجائے تو اس میں زعفران ڈالیں اور آگ سے ہٹالیں اس کے بعد سویاں گرم دودھ میں ڈال کر ہلکی آگ پر پکائیں انڈوں کو پھینٹ لیں بہت اچھی طرح سویوں میں جلدی جلدی مکس کریں کسی اسکوائر ڈش میں ڈالیں یا کیک پین میں اوپر کٹے بادام اور پستہ ڈال دیں پہلے اسے اوون میں آدھا گھنٹہ بیک کریں جب تیار ہوجائے تو اوون سے نکال کر مہمانوں کو پیش کریں اور داد پائیں۔
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کیلے کا میٹھا

اجزاء:۔

کیلے	چھ عدد پکے ہوئے
شکر	حسب ذائقہ
بادام (باریک کاٹ لیں)	بارہ عدد
کشمش کے دانے	بیس عدد
الائچی کے دانے (کوٹ لیں	چھ عدد
کھویا	ایک کپ

ترکیب:۔
شکر شیرہ (چاشنی) تیار کرلیں کیلے چھیل کر ایک ایک انچ کے قتلے کاٹ لیں کھوئے کو ہاتھوں سے مل کر باریک کریں کشمش کو گھی میں ہلکا سا تل کر کھوئے پر ڈال دیں فرائی پین میں گھی کڑکڑا کر اس میں کیلے کے قتلے لال کریں فرائی کیے ہوئے کیلے کو شیرے میں ڈال دیں اور اس پر کھویا پھیلا دیں بادام کی ہوائیاں اور الائچی کے کٹے ہوئے دانے اوپر سے ڈال دیں۔ آخر میں دو منٹ ہلکی آنچ پر رکھنے کے بعد اتارلیں مزیدار کیلے کا میٹھا تیار ہے۔
طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک، وزیرآباد

چائینز رائتہ

اجزاء:۔

شملہ مرچ	آدھی سلائس میں کٹی ہوئی
پیاز	ایک عدد سلائس میں کٹی ہوئی
بند گوبھی	ایک چوتھائی کپ کدوکش کی ہوئی
دہی	ڈیڑھ کپ
نمک اور کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔
دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں پھر اس میں شملہ مرچ پیاز بند گوبھی نمک اور کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں ٹھنڈا کرکے سرو کریں۔
محسن عزیز حلیم...... کوٹھا کلاں

انڈوں کا حلوہ

اجزاء:۔

انڈے	ایک درجن
چینی (پسی ہوئی)	ڈیڑھ کپ
دیسی گھی	آدھا کپ
کھویا	ڈیڑھ کپ
زرد رنگ	ایک چٹکی
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچ
بادام	گارنشنگ کے لیے

ترکیب:۔
پیالے میں انڈے، چینی، الائچی پاؤڈر اور زرد رنگ ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ کڑاہی میں گھی گرم کرکے پگھلالیں اور انڈوں کا مکسچر کا ڈال کر چمچ چلاتے رہیں اتنی دیر پکائیں کہ انڈے دانے دار ہوجائیں اس میں کھویا ڈال کر بھونیں کھویا مکس ہوجائے تو کیوڑہ ڈالیں اور سرونگ ڈش میں نکال کر بادام پستے سے گارنش کرکے گرم گرم سرو کریں۔
اقرا جٹ...... مٹھن آباد

نوڈلز

اجزاء:۔

نوڈلز	ایک پیکٹ
تیل	ایک چمچ

پیاز	آدھا چوپ کی ہوئی
شملہ مرچ	چوتھائی باریک کٹی ہوئی
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی)	دو یا تین چمچ
نمک	حسب ذائقہ
چاٹ مصالحہ	چار چھوٹے چمچ
چلی ساس	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ	آدھا کھانے کا چمچ
کیچپ	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں نوڈلز اور پانی ڈال کر ابال لیں اس میں ایک چٹکی نمک ڈال کر کچھ دیر ابال لیں پھر پانی سے نوڈلز نکال کر پلیٹ میں پھیلا دیں ایک فرائی پین میں ایک چمچ تیل ڈالیں اس میں پیاز شملہ مرچ، بند گوبھی ڈال کر کچھ دیر تک فرائی کرلیں پھر اس میں نمک چاٹ مصالحہ، کالی مرچ ڈال کر چمچ سے مکس کریں پھر آخر میں نوڈلز ڈال کر مکس کرلیں کچھ دیر بعد اس میں کیچپ اور چلی ساس ڈال کر چولہے سے فرائی پین اتار لیں گرما گرم نوڈلز نوش فرمائیں۔

گلشن چوہدری گل...... گجرات

بیف ویجی مکس بریانی

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
سبزیوں کا سالن	آدھا کپ
گوشت کا سالن	ایک کپ
چاٹ مصالحہ	ایک ٹی اسپون
ادرک کا پیسٹ	ایک ٹی اسپون
لہسن کا پیسٹ	ایک ٹی اسپون
لیموں	ایک عدد
لونگ	تین عدد
زیرہ	آدھائی اسپون
ٹماٹر	دو عدد
کالی مرچ	چار یا پانچ عدد
ہلدی	آدھائی اسپون
نمک مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

چاول ابال لیں لیکن زیادہ نہ گلائیں، ایک ساس پین میں تیل گرم کریں اور اس میں سارے مصالحہ جات ڈال کر فرائی کریں نمک مرچ بھی ڈال لیں اب اس بھنے ہوئے مصالحے میں گوشت اور سبزیوں کو شامل کردیں پھر لیموں کا رس شامل کر کے چاٹ مصالحہ چھڑکیں اور ایک منٹ بعد چاول ڈال دیں پانی کم سے کم رکھیں، ڈھک کر دم دے دیں گرم گرم بریانی تیار ہے۔

طیبہ سعید...... گوجرانوالہ

مزیدار آلو

اجزاء:۔

آلو (چھوٹے چھوٹے کاٹ لیں)	آدھا کلو
چکن بون لیس	۲۰۰ گرام
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چمچ
سفید زیرہ	دو چٹکی
میتھی دانہ	ایک چمچ
دہی	ایک کپ
نمک اور لال مرچ	حسب ضرورت
دار چینی پاؤڈر	ایک چمچ

ترکیب:۔

سب سے پہلے پیاز اور لہسن، ادرک پیسٹ میں آئل ڈال کر ہلکا براؤن کرلیں پھر اس میں چکن کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کر کے ڈالیں اور براؤن ہونے تک پکائیں پھر باقی مصالحہ جات ڈال کر بھونیں اس کے بعد آلو اور دہی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں آخر پر ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں آلو کی مزیدار ڈش تیار ہے۔

صباء شریف...... ضلع ساہیوال

آرائش حسن

حدیقہ احمد

کاسمیٹکس کی معلومات

ہر عورت خوب صورت اور منفرد نظر آنے کی خواہشمند ہوتی ہے اور خوبصورتی کے حصول کے لیے میک اپ کا سہارا لیتی ہے بہترین میک اپ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معیاری کاسمیٹکس استعمال کی جائیں۔اس حوالے سے بیوٹی کاسمیٹک کی معلومات ہر عورت کو تھوڑی بہت ضرور ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ اگر آپ ان مصنوعات اور ان کے استعمال کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں رکھیں گی تو ان کو درست طور پر استعمال نہیں کر پائیں گی زیر نظر فیچر میں ہم اہم بیوٹی کاسمیٹک کے بارے میں ہلکا سا تعارف بیان کر رہے ہیں جو یقیناً خواتین کی معلومات میں اچھا اضافہ ثابت ہوگا۔

کلینزنگ ملک: یہ بیوٹی محلول ہے اور بالکل دودھ کی طرح ہوتا ہے۔اسے روئی کے ساتھ چہرے پر لگایا جاتا ہے اس کے استعمال سے چہرے پر جمی ہوئی گرد اور دھواں وغیرہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور چونکہ جلد بالکل صاف وشفاف ہو جاتی ہے اس لیے چہرہ روشن و چمکدار ہو جاتا ہے۔کلینزنگ ملک روغنی جلد کے لیے زیادہ مفید ہے۔

کلینزنگ کریم: یہ کریم بھی چہرے کی صفائی کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔خشک جلد کی مالک خواتین اس کا زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ کلینزنگ کریم انگلیوں کے پوروں کی مدد سے لگائی جاتی ہے ہلکے ہلکے ہاتھوں سے لگانی چاہیے تاکہ جلد میں اچھی طرح جذب ہو جائے۔

موئسچرائزر: یہ وائٹ کریم کی طرح ہوتا ہے اور یہ کریم کے طور پر یا ٹیوب کی شکل میں بھی دستیاب ہے۔اسے انگلیوں کے پوروں کے ذریعے استعمال کرنا چاہیے۔اگر جلد خشک ہو اور اس پر سفید دھبے دکھائی دیتے ہوں تو اس کے استعمال سے یہ دھبے غائب ہو جاتے ہیں اس کی بنیاد میک اپ کو واضح کرنے کے لیے بہترین ہے۔خشک جلد کی حامل خواتین میک اپ کرنے سے دس منٹ قبل چہرے کو موئسچرائز کر لیں تو زیادہ بہتر نتائج حاصل کر سکتی ہیں۔

اسکن ٹانک: اس بیوٹی محلول کا استعمال مکسنگ ملک کے استعمال کے بعد روئی کے ذریعے ہوتا ہے۔اس کا بڑا کام مسامات کو میک اپ کے وقت بند کر دیتا ہے اس طرح کاسمیٹک کے کیمیکلز جلد کے اندر سرائیت نہیں کر پاتے یعنی جذب نہیں ہو جاتے ہیں اگر کاسمیٹک جلد کے اندر داخل ہو جائیں تو یہ جلد کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔یہ نارمل جلد پر استعمال کی جاتی ہے۔اس کا استعمال جلد کو نرم و ملائم اور چمکدار بنا دیتا ہے۔یہ کئی طرح کے رنگوں میں دستیاب ہوتی ہے۔

ایسٹرنجنٹ لوشن: یہ محلول کی شکل میں اور مختلف رنگوں میں دستیاب ہے۔یہ بھی جلد کے مسامات کو بند کرنے کا کام کرتا ہے۔ابتدائی طور پر اس کے لگانے سے ہلکی سی جلن محسوس ہوتی ہے۔یہ جلد سے سیاہ دھبوں کا خاتمہ کرتا ہے اور روغنی جلد کے لیے بہت موزوں خیال کیا جاتا ہے۔اسے روئی کے ذریعے استعمال کرنا چاہیے۔

کولڈ کریم یا نائٹ کریم: بہت زیادہ خشک جلد کی مالک خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے چہرے ہاتھوں اور ٹانگوں پر رات کو سونے سے پہلے کولڈ کریم سے مساج کریں خیال رہے کہ اسے سوتے وقت ہی لگایا جائے اور صبح اٹھنے کے بعد آپ کی جلد خشک نہیں رہے گی اور کافی حد تک نرم و ملائم ہو جائے گی۔یہ کریم قدرے کم خشک جلد کے لیے بھی مناسب ہوا کرتی ہے۔کریم کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر مالش کریں۔

نورشنگ کریم: یہ کریم بھی کولڈ کریم کی ایک صورت ہے۔جو جلد کو نرم کرتی ہے۔گھریلو کام کاج کرنے والی خواتین نورشنگ کریم ضرور استعمال کریں کیونکہ اسے استعمال کرنے سے کام کاج کے باوجود خواتین کی جلد نرم ہی رہتی ہے۔اس کا استعمال گرمیوں میں ہی ہو سکتا ہے انگلیوں کی پوروں کی مدد سے لگائی جاتی ہے۔

آئی کریم: یہ کریم کولڈ کریم کی نسبت ہلکی اور تھوڑی گاڑھی ہوتی ہے۔اس کا استعمال آنکھوں کے گرد پڑنے والے حلقوں اور دھبوں کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے۔یہ چھوٹے کنٹینر میں دستیاب ہوتی ہے۔ اگر آپ سلیقے سے اسے استعمال کریں تو ایک کنٹینر بہت دنوں تک چل سکتا ہے۔

فاؤنڈیشن: فاؤنڈیشن محلول کریم اور اسٹک تینوں صورتوں میں دستیاب ہے۔اس کا استعمال اس لیے ہوتا ہے کہ میک اپ سے پہلے یہ آپ کی جلد کو ہموار کرنے میں مدد دیتا ہے۔فاؤنڈیشن ہمیشہ اپنی جلد کی رنگت کی مناسبت سے لینا چاہیے یہ اسے انگلیوں کی پوروں کی مدد سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔آج کل بازار میں اس مقصد کے لیے فوم سے تیار کردہ بیوٹی بلینڈرز بھی دستیاب ہیں۔

فیس پاؤڈر: فیس پاؤڈر کا استعمال فاؤنڈیشن کے بعد کیا جاتا

ہے۔ پاؤڈر سفید' گلاب کا گلابی اور جلد کے رنگ کی مناسبت سے دستیاب ہوتا ہے اسے بہت ہلکے پن کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔ اس بات کو یقینی بنالیں کہ یہ فیس پاؤڈر فاؤنڈیشن کے رنگ سے میچ کرتا ہو۔

کمپیکٹ: ایک چھوٹا موز پاؤڈر کمپیکٹ کہلاتا ہے۔ گھر سے باہر جاتے ہوئے خواتین اسے اپنے پرس میں آسانی سے رکھ سکتی ہیں۔ یہ پھیلتا یا بکھرتا نہیں ہے آپ کہیں بھی ہوں بوقت ضرورت فوری طور پر اسے اپنے چہرے پر پف کرکے اپنے میک اپ کو تازہ کرسکتی ہیں لیکن یاد رہے کہ اس کے زیادہ استعمال سے آپ کے چہرے پر پاؤڈر کا نشان رہ سکتا ہے اس لیے اس کا استعمال کم کریں۔

روژ: یہ بہت عام نہیں ہے اس لیے یقیناً بہت سی خواتین کے لیے یہ نام نیا ہوگا۔ دراصل اس کا بنیادی مقصد آپ کے گالوں کو تندرستی کی چمک و سرخی عطا کرتا ہوتا ہے۔ یہ گلابی رنگ میں دستیاب ہے۔ اس گلابی رنگ میں ہلکی سی سرخی کی آمیزش ہوتی ہے۔ کریم اسٹک اور صابن کی ٹکیہ کی صورت میں دستیاب ہے کریم کو انگلیوں کی پوروں کی مدد سے لگایا جاتا ہے اور ٹکیہ کو پف کے ذریعے پف بھی روژ کے ساتھ بازار میں مل جاتا ہے اگر آپ دن کے وقت روژ لگا رہی ہیں تو ہلکا سا لگائیں اور اگر رات کا وقت ہو تو ذرا گہرا رنگ مناسب رہے گا۔

بلش آن: یہ ہلکے گلابی اور گہرے گلابی دونوں رنگوں میں پیکٹ کی صورت میں دستیاب ہے۔ بظاہر تو یہ روژ کی طرح ہوتا ہے لیکن روژ سے زیادہ چمک پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کا استعمال چہرے پر زیادہ بھلا لگتا ہے۔ اس کے شیڈز کو اپنی جلد کی مناسبت سے میچ کیا کریں یہ آپ کے چہرے کو گلابی رنگ سے سنوار دیتا ہے اور گالوں پر شفق کی لالی بکھیر دیتا ہے۔ اس کا استعمال پاؤڈر کے استعمال سے پہلے کرنا چاہیے۔

آئی شیڈو: یہ سبز' براؤن' نیلا' گرے اور سیاہ رنگوں میں دستیاب ہے۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو آپ کو سفید آئی شیڈ بھی مل سکتا ہے۔ کریم کی شکل کے آئی شیڈ کو انگلی کے پوروں کی مدد سے اور پاؤڈر کی شکل کے آئی شیڈ کو برش کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے۔ آئی شیڈو آنکھوں کو رنگ عطا کرتے ہیں اور قریب قریب قوس و قزح کے تمام رنگوں میں دستیاب ہیں۔ ایسے رنگ آج سے چند دہائیاں قبل جن کے استعمال کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ مردہ دلی کے ساتھ نیلے اور ہرے رنگ پر جمے رہنے کے بجائے زندگی سے بھرپور گلابی سنہری اور برونز سے آنکھوں کی خوبصورتی اجاگر کریں۔

آئی لائنر: یہ بھی آنکھوں کے میک اپ کا ضروری جز ہے۔ یہ بلو براؤن اور سیاہ رنگ کا کاسمیٹک پلکوں پر لائننگ کھینچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لوشن اور ٹکیہ دونوں صورتوں میں دستیاب ہے۔ آئی لائنر کی ٹکیہ کے لیے برش کا استعمال ہوتا ہے۔ مسکارا یہ بھی براؤن سیاہ اور بلو رنگ میں دستیاب ہے۔ آنکھوں کی پلکیں اس کی مدد سے گہری لمبی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کا استعمال برش کے ذریعے ہوتا ہے۔

یہ فوری طور پر پلکوں کو لمبا اور گھنا بنا کر دکھاتے ہیں۔ واٹر پروف مسکارا تمام دن آپ کو اس کے پھیلنے کی فکر سے دور رکھتا ہے۔

کاجل: یہ برصغیر کا بہت پرانا روایتی سنگھار ہے جو آنکھوں میں خوب صورتی پیدا کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے کاجل کو خواتین بڑے شوق سے استعمال کرتی ہیں یہ ٹیوب اور پنسل کی صورت میں دستیاب ہے۔ کاجل کو انگلی کے پور میں ہلکا سا لگا کر آنکھ میں لگاتے ہیں جبکہ اسے جست تانبے یا لکڑی کی سلائی سے بھی آنکھوں میں لگایا جاتا ہے اس کے مسلسل استعمال سے آنکھیں مستقل سیاہ دکھائی دیتی ہیں۔

ہینڈ لوشن: سرد موسم میں خشک جلد مزید خشک ہوکر بے رونق سی ہو جاتی ہے۔ ہاتھوں کی جلد کو خوب صورت اور نرم و ملائم بنانے کے لیے خاص طور پر سرد موسم میں ہینڈ لوشن استعمال کرتے ہیں۔ ویسے ہینڈ لوشن کا استعمال چہرے کی خشک اور پھٹی ہوئی جلد پر بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ سرد موسم میں جلد نرم و ملائم رہے۔

لپ اسٹک: لپ اسٹک کے مقابلے میں زیادہ گہرے رنگ کی لپ پنسل استعمال نہ کریں خصوصاً ہلکے رنگوں کے ساتھ گہرے شیڈ کی لپ پنسل استعمال کرنے سے گریز کریں۔ لپ پنسل کا شیڈ آپ کے ہونٹوں کے قدرتی رنگ سے مشابہ اور لپ اسٹک سے ہلکا ہو تو بہتر ہے۔ اگر آپ کے ہونٹ بڑے بڑے ہیں تو آپ پنسل استعمال نہ کریں بلکہ صرف ہلکے قدرتی شیڈ پر مشتمل لپ اسٹک پر گزارہ کریں۔

ہیئر اسپرے: بالوں کو مختلف انداز دینے کے لیے ہیئر اسپرے کیا جاتا ہے یہ بالوں کو مطلوبہ اسٹائل میں ڈھالنے کے کام آتا ہے اور باہر کی ہوا سے یہ ڈسٹرب بھی نہیں ہوتا لیکن اسپرے کا استعمال روزانہ نہیں کبھی کبھی کرنا چاہیے یعنی صرف ضرورت کے وقت کسی تقریب میں جانے کے لیے یا پھر دعوت وغیرہ میں شرکت کے لیے جائیں تو ہیئر اسپرے کا استعمال کریں بال سیٹ رہیں گے۔

عائشہ سلیم ......اورنگی ٹاؤن

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

سر بام ہجر دیا بجھا تو خبر ہوئی
سر شام کوئی جدا ہوا تو خبر ہوئی
مرا خوش خرام بلا کا تیز خرام تھا
مری زندگی سے چلا گیا تو خبر ہوئی
کوئی بات بن کے بگڑ گئی تو پتا چلا
مرے بے وفا نے کرم کیا تو خبر ہوئی
میرے ہم سفر کے شہر کی سمت ہی کوئی اور تھی
کہیں راستہ گم ہوا تو خبر ہوئی
مرے قصہ گو نے کہاں کہاں سے بڑھائی بات
مجھے داستان کا سرا ملا تو خبر ہوئی

شاعر: افتخار عارف
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

غزل

یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
ان میں کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں
تیری محفل کا بھرم رکھتے ہیں سو جاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیدار نظر آتے ہیں
میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں
دور تک نہ کوئی ستارہ ہے نہ کوئی جگنو
مرگ امید کے آثار نظر آتے ہیں
کل جنہیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونق بازار نظر آتے ہیں
حشر میں کون گواہی مری دے گا ساغر
سب تمہارے ہی طرف دار نظر آتے ہیں

شاعر: ساغر صدیقی
انتخاب: شازیہ ہاشم میواتی...... کھڈیاں خاص

غزل

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
بے وقت اگر جاؤں گا سب چونک پڑیں گے
اک عمر ہوئی دن میں کبھی گھر نہیں دیکھا
جس دن سے چلا ہوں مری منزل پہ نظر ہے
آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا
یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے مرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

شاعر: بشیر بدر
انتخاب: اقرا جٹ...... منچن آباد

غزل

روداد محبت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیداد مشیت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
اب اپنی حقیقت بھی ساغر بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

شاعر: ساغر صدیقی
انتخاب: جویریہ دھمی

حوصلہ

سنو جاناں میں تپتے صحراؤں میں ہزاروں میل
ننگے پاؤں چل سکتی ہوں
یہ من کے بھیگا، گیلا کاغذ...

ایک منٹ میں جل سکتی ہوں
سلگتی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو پی کر
بھری محفل میں مسکرا سکتی ہوں اپنا آپ مٹا سکتی ہوں
میں زمانے کی بے رحم نفرتوں کے تیر، دل میں سمو سکتی ہوں
نوکیلے کانٹوں پہ سو سکتی ہوں، میں وقت کے تیز ریلے میں بہہ کر
بے گور و کفن ہو سکتی ہوں سب سے چھپ کر رو سکتی ہوں
خود کو پاگل کہہ سکتی ہوں، ہر الزام دل پر سہہ سکتی ہوں
میں اپنی زخمی انگلیوں کی پوروں پر تمہارے ہجر کے
ایک ایک لمحے کو شمار کر کے
تمہارے لوٹنے کا انتظار کر سکتی ہوں، تمہاری محبت میں مر سکتی ہوں
میں دکھوں کے ہر دریا کو مسکرا کر پار کر سکتی ہوں
زندگی کی پل صراط پر سنبھل سنبھل کر گزر سکتی ہوں
جو تم سے مجھ کو ملے ہیں وہ غم
کتاب دل میں مقید کر کے بھلا سکتی ہوں
اپنا آپ گنوا سکتی ہوں جو تم پکارو خلوص دل سے
بھنور سے لوٹ کے آ سکتی ہوں
تم کو ٹوٹ کر چاہ سکتی ہوں
ہاں جاناں...... میں چاہوں تو سب کچھ کر سکتی ہوں
مگر...... بس ایک تمہاری بے رخی نہیں سہہ سکتی

شاعرہ: نازیہ کنول نازی
انتخاب: صائمہ سکندر سومرو

کنیز

ملوکیت کے محل کی گناہگار کنیز
وہ جرم کیا تھا کہ تجھ کو سزائے موت ملی
وہ راز کیا تھا کہ تعزیر پانے والے کے خلاف
تیری نگاہ نے بھڑکی تیری زباں نہ ہلی
وہ کون سا تھا گناہ عظیم جس کے سبب
ہر ایک جبر کو تو سہہ گئی بطیب دلی
یہی سنا ہے بس اتنا قصور تھا تیرا
کہ تو نے قصر کے کچھ بھید جانے تھے
تیری نظر نے وہ خلوت کدوں کے داغ گنے
جو خواجگی نے زر و سیم میں چھپانے تھے
تجھے یہ علم نہیں تھے کہ اس خطا کی سزا
ہزار طوق و سلاسل تھے تازیانے تھے
یہ رسم تازہ نہیں ہے اگر تیری لغزش
مزاج قصر نشیناں کو نا گوارا ہوئی
ہمیشہ اونچے محلات کے بھرم کے لیے
ہر ایک دور میں تزئین طوق و دار ہوئی
کبھی چنی گئی دیوار میں انار کلی
کبھی شکنتلا پتھراؤ کا شکار ہوئی
مگر یہ تخت، یہ سلطان، یہ بیگمات، یہ قصر
مورخین کی نظروں میں بے گناہ رہے
بفیض وقت اگر کوئی راز کھل بھی گیا
زمانے والے طرف دار کج کلاہ رہے
ستم کی آگ میں جلتے رہے عوام مگر
جہاں پناہ ہمیشہ جہاں پناہ رہے

شاعر: احمد فراز
انتخاب: جویریہ دھمی...... ڈونگہ بونگہ

غزل

روگ ایسے بھی غم یار سے لگ جاتے ہیں
در سے اٹھتے ہیں تو دیوار سے لگ جاتے ہیں
کترنیں غم کی جو گلیوں میں اڑتی پھرتی ہیں
گھر میں لے آؤ تو انبار سے لگ جاتے ہیں
عشق آغاز میں ہلکی سی خلش رکھتا ہے
بعد میں سیکڑوں آزار سے لگ جاتے ہیں
بے بسی بھی کبھی قربت کا سبب بنتی ہیں
رو نہ پائے تو گلے یار سے لگ جاتے ہیں
داغ دامن کے ہوں دل کے ہوں کہ چہرے کے فراز
کچھ نشان عمر کی رفتار سے لگ جاتے ہیں

شاعر: احمد فراز

انتخاب: سحر تبسم سحری

غزل

چراغِ ماہ لیے تجھ کو ڈھونڈتی گھر گھر
تمام رات میں یاقوت چن رہی تھی مگر
یہ کیا کہ تیری خوشبو کا صرف ذکر سنوں
تو عکسِ موجۂ گل ہے تو جسم و جاں میں اتر
ذرا یہ حبس کٹے کھل کے سانس لے پاؤں
کوئی ہوا تو رواں ہو صبا ہو یا صرصر
گئے دنوں کے تعاقب میں تتلیوں کی طرح
ترے خیال کے ہمراہ کر رہی ہوں سفر
ٹھہر گئے ہیں قدم، راستے بھی ختم ہوئے
مسافتیں رگ و پے میں اتر رہی ہیں مگر
میں سوچتی تھی تیرا قرب سکون دے گا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر
تیرا خیال، کہ تارِ عنکبوت تمام
میرا وجود کہ جیسے کوئی پرانا کھنڈر

شاعرہ: پروین شاکر

غزل

کبھی ان کا نام لینا کبھی ان کی بات کرنا
مرا ذوق ان کی چاہت مرا شوق ان پہ مرنا
وہ کسی کی جھیل آنکھیں وہ مری جنوں مزاجی
کبھی ڈوبنا ابھر کر کبھی ڈوب کر ابھرنا
ترے منچلوں کا جگ میں یہ عجب چلن رہا ہے
نہ کسی کی بات سننا، نہ کسی سے بات کرنا
شب غم نہ پوچھ کیسے ترے مبتلا پہ گزری
کبھی آہ بھر کے گرنا کبھی گر کے آہ بھرنا
وہ تری گلی کے تیور، وہ نظر نظر پہ پہرے
وہ مرا کسی بہانے تجھے دیکھتے گزرنا
کہاں میرے دل کی حسرت، کہاں میری نارسائی
کہاں تیرے گیسوؤں کا، ہوا کے دوش پر بکھرنا
چلے لاکھ چال دنیا ہو زمانہ لاکھ دشمن
جو تری پناہ میں ہو اسے کیا کسی سے ڈرنا
وہ کریں گے نا خدائی تو لگے گی پار کشتی
ہے نصیر ورنہ مشکل، ترا پار یوں اترنا

شاعر: پیر نصیر الدین نصیر

انتخاب: جویریہ ضیاء...... کراچی

غزل

وسعت درد کو محدود کیا کرتے ہیں
لوگ کیوں آگ میں خود اپنی جلا کرتے ہیں
منصفی کا مری دنیا میں ہے معیار الگ
جرم ثابت ہو تو مجرم کو رہا کرتے ہیں
تو نے سوغات جو دی تھی وہ ہے اب بھی مرے پاس
اشک کچھ اب بھی سر شام بہا کرتے ہیں
کیا ضروری ہے کہ ہر کام کی نیت ہو عیاں
ہاتھ اٹھاتے نہیں کچھ لوگ دعا کرتے ہیں
خامشی کو نہ کوئی ضعف عزائم سمجھے
ظلم ہوتا ہے تو کچھ لوگ سہا کرتے ہیں
گنگنا اٹھتے ہیں انور کبھی سناٹے بھی
گوش ہمراز سے پتھر بھی کہا کرتے ہیں

شاعر: انوار اللہ انور

انتخاب: ارم صابرہ...... تلہ گنگ

غزل

اس قدر غم ہے کہ اظہار نہیں کرسکتے
یہ وہ دریا ہے کہ جسے پار نہیں کرسکتے
آپ چاہیں تو کریں درد کو دل سے مشروط
ہم تو اس طرح کا بیوپار نہیں کرسکتے
جان جاتی ہے تو جائے مگر اے دشمن جاں
ہم کبھی تجھ پہ کوئی وار نہیں کرسکتے
جتنی رسوائی ملی آپ کی نسبت سے ملی
آپ اس بات سے انکار نہیں کرسکتے
دل کہیں کا نہ رہا ہم بھی کہیں کے نہ رہے
اور اسی بات کا اقرار نہیں کرسکتے
آپ کرسکتے ہیں خوشبو کو صبا سے محروم
اور کچھ صاحب کردار نہیں کرسکتے
ایک زنجیر سی پلکوں سے بندھی رہتی ہے

پھر بھی اک دشت کو گلزار نہیں کرسکتے
یہ گل درد ہے اس کو تو مہکنا ہے حضور
آپ خوشبو کو گرفتار نہیں کرسکتے
کار دنیا کے لیے کار محبت خاور
جن کو چنا ہے وہ پھر پیار نہیں کرسکتے

شاعر:ایوب خاور

عائش کشمالے.....رحیم یار خان

غزل

چراغِ راہ بجھا کیا ، کہ رہنما بھی گیا
ہَوا کے ساتھ مسافر کا نقشِ پا بھی گیا
میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آکے مرے شہر سے چلا بھی گیا
بہت عزیز سہی اس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل مرا دکھا بھی گیا
اب اُن دریچوں پہ گہرے دبیز پردے ہیں
وہ تاک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا
سب آئے میری عیادت کو، وہ بھی آیا
جو سب گئے تو مرا درد آشنا بھی گیا
یہ غربتیں مری آنکھوں میں کسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں، رت جگا بھی گیا

شاعر:پروین شاکر

انتخاب:سدرہ شاہین.....پیرووال

غزل

قرنِ اوّل کی روایت کا نگہدار حسین
بس کہ تھا لختِ دلِ حیدرِ کرار حسین
عرصۂ شام میں سی پارۂ قرآن حکیم
وادیٔ نجد میں اسلام کی للکار حسین
سر کٹانے چلا منشائے خداوند کے تحت
اپنے نانا کی شفاعت کا خریدار حسین
کوئی انساں کسی انساں کا پرستار نہ ہو
اس جہاں تاب حقیقت کا علمدار حسین
ابو سفیان کے پوتے کی جہانبانی میں
عزت خواجۂ گیہاں کا نگہدار حسین
کرۂ ارض پہ اسلام کی رحمت کا ظہور
عشق کی راہ میں تاریخ کا معمار حسین
جان اسلام پہ دینے کی بنا ڈال گیا
حق کی آواز، صداقت کا طرف دار حسین
دینِ قیم کے شہیدوں کا امامِ برحق
حشر تک ملتِ مرحوم کا سردار حسین
ہر زمانے کے مصائب کو ضرورت اس کی
ہر زمانے کے لیے دعوتِ ایثار حسین
کربلا اب بھی لہو رنگ چلی آتی ہے
دورِ حاضر کے یزیدوں سے دوچار حسین

شاعر:شورش کاشمیری

انتخاب:فضا.....بورے والہ

محبت

کیا ہے، کیا بولوں
بڑی دلکش، بڑی معصوم،
پاگل سی، بڑی پیاری
ہنساتی، گیت گاتی، مسکراتی ہے
محبت زندگانی ہے
نہیں کوئی دوسرا مطلب
محبت تم ہی ہو جاناں
یہی میری محبت ہے
محبت بس
محبت ہے

شاعر:شفیق الرحمٰن

انتخاب:شازیہ.....کراچی

خوش تحریر

ہماذوالفقار

حکمت قرآنی کا سلسلہ اور حقیقت و اقسام شرک

یہ قرآن پاک کی سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کی آیات ۱۲ تا ۱۹ کا (ترجمہ) ہے
"اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر کر اللہ کا اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کو اور جو کوئی کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے (بے نیاز ہے) اور وہ آپ ہی اپنی ذات میں محمود ہے) ستودہ صفات ہے۔ اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھائے رکھا اسے اس کی والدہ نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر اور اس کا دودھ چھڑاتا ہے دو سالوں میں کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا پھر میری ہی طرف لوٹنا ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پر اور پیروی کر اس کے راستے کی جس نے اپنا رخ میری طرف کرلیا ہو۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں بتلادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ اے میرے بچے خواہ وہ (یعنی نیکی یا بدی) رائی کے دانے کے ہم وزن ہو اور خواہ وہ کسی چٹان میں ہو خواہ آسمانوں میں ہو اور خواہ زمین میں ہو اللہ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ بہت باریک بین ہے بہت باخبر ہے۔ اے میرے بچے! نماز قائم رکھ نیکی اور بھلائی کا حکم دے بدی اور برائی سے روک اور پھر صبر کر اس پر کہ جو تجھ پر بیتے یقیناً یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اپنی گردن کو ٹیڑھا نہ کر (کج رخی اختیار نہ کر) لوگوں کے لیے اور زمین میں اکڑ کر مت چل اللہ کو مغرور لوگ اور شیخی خورے بالکل پسند نہیں۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ اس لیے کہ تمام آوازوں میں سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

شجاع الدین شیخ

رمضان المبارک میں معمولات نبوی ﷺ

حضور نبی اکرم ﷺ کے معمولات عبادت و ریاضت میں رمضان المبارک میں عام دنوں کی نسبت کافی اضافہ ہوجاتا۔ رمضان المبارک کا مہینہ ہی برکتوں اور سعادتوں والا مہینہ ہے۔ حضور ﷺ رمضان المبارک سے بہت زیادہ محبت فرماتے اور اس کے پانے کی اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ حضور نبی ﷺ اس مبارک مہینے کا خوش آمدید کہہ کر استقبال کرتے تھے جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ تم کس کا استقبال کررہے ہو اور تمہارا کون استقبال کررہا ہے؟ (یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمائے) اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا کوئی وحی اترنے والی ہے یا کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم رمضان کا استقبال کررہے ہو جس کی پہلی راتیں تمام اہل قبلہ کو معاف کردیا جاتا ہے حضور نبی ﷺ رمضان المبارک کا استقبال ماہ شعبان میں ہی روزوں کی کثرت سے فرماتے تھے جب رمضان المبارک شروع ہوتا تو حضور ﷺ کے معمولات عبادت و ریاضت میں عام دنوں کی

نسبت کافی اضافہ ہوجاتا' ذیل میں ہم رمضان المبارک میں حضور اکرم ﷺ کے چیدہ چیدہ معمولات بیان کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے معمولات رمضان پر عمل ہی ہماری کامیابی کا ذریعہ ہے اور انہی معمولات کی روشنی میں ہی ہم اس مہینے کی برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ یاب ہوسکتے ہیں رمضان المبارک کا چاند دیکھنے پر خصوصی دعا فرماتے جب حضور نبی ﷺ رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے یہ چاند خیر و برکت کا ہے میں اس ذات پر ایمان رکھتا ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا' سحری و افطاری کا معمول' حضور ﷺ روزے کا آغاز سحری کھانے سے فرمایا کرتے۔ آپ ﷺ نے امت کو تلقین فرمائی کہ سحری ضرور کھایا کرو خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو' حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سحری میں برکت ہے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے اہل کتاب اور مسلمانوں کے روزے کے درمیان فرق کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سحری سراپا برکت ہے اسے ترک نہ کیا کرو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا سحری کھانے والے پر اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں رمضان المبارک میں پابندی کے ساتھ سحر و افطاری بے شمار فوائد اور فیوض و برکات کی حامل ہے روحانی فیوض و برکات کے علاوہ سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا دن کو قیلولہ کرکے رات کی نماز کے لیے مدد حاصل کرو اور سحری کھا کر دن کے روزے کی قوت حاصل کرو۔

افطاری میں حضور اکثر اوقات کھجور سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے اگر وہ میسر نہ ہوتی تو پانی سے افطار لیتے تھے۔ قیام الیل حضور نبی ﷺ کا دوسرا مبارک معمول رمضان کی راتوں میں تواتر و کثرت کے ساتھ قیام' نماز' تراویح اور ذکر الٰہی میں محویت سے عبادت ہے۔ حضور ﷺ کا دوران رمضان ایک بار ختم قرآن معمول تھا اور آپ ﷺ نے امت کو بھی اسی اعتدال پر چلنے کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے۔

معمول اعتکاف رمضان المبارک میں حضور نبی ﷺ باقاعدگی کے ساتھ اعتکاف فرمایا کرتے تھے زیادہ تر آپ آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے کبھی کبھار آپ نے پہلے اور دوسرے عشرے میں بھی اعتکاف فرمایا لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ کو مطلع کردیا گیا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے اس کے بعد حضور نبی ﷺ نے ہمیشہ آخری عشرے میں ہی اعتکاف فرمایا۔

سعدیہ بشیر...... کھاریاں

اللہ سے محبت

اللہ سے محبت کا تعلق یوں بنالو کہ اسے اپنا جانو جیسے تمہاری گھڑی ہوتی ہے ہر دم' ہر لحہ' ٹک ٹک تمہارے ساتھ ساتھ۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق اس کے کاموں پر یقین اور مشکلوں میں صبر کا تعلق کوئی جوہڑ نہیں دریا ہے ہر وقت بہتا رہے گا ہر وقت چلتا رہے گا یہی آباد رکھے گا یہی شاداب رکھے گا ایسا یقین رکھنے والے لوگ کب بار بار ملتے ہیں کب ہر جگہ ملتے ہیں یہ اس گروہ انسانی سے تعلق رکھتے ہیں جو بہت کمیاب اور بہت نایاب ہوگیا ہے۔

اقتباس: دل پہ دستک اختر عباس
شازیہ ہاشم عرف ثمائل ہاشمی میواتی

قرض

- قرض سے موذی مرض کوئی نہیں کیونکہ قرض کمر توڑ دیتا ہے۔
- قرض زندہ کے لیے قبر ہے۔
- قرض رشتوں کے لیے قینچی ہے۔
- مقروض ایک ایسا مقتول ہے جو سانس لے رہا ہوتا ہے۔
- قرض حسنہ بھی ہنسنا بھلا دیتا ہے۔
- قبر پر قبر نہیں بنتی یعنی مقروض کو کوئی قرض نہیں دیتا۔

✿ جس کا ہو سودی یار اس کو دشمن کیا درکار۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

محبت

محبت اس جذبے کا نام ہے جس میں پاکیزگی پروان چڑھتی ہے محبت میں جب بے بسی کی انتہا ہوتی ہے تو عشق کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے محبت اگر تحریر کرنے کا نام ہوتی تو شاید سب لوگ اسے تحریر کر کے قید کر دیتے مگر محبت آزاد گھومتی ہے محبت کے بارے میں جتنا لکھو کم پڑ جاتا ہے محبت رب تعالیٰ سے ہو یا نبی کریم ﷺ سے محبت ماں باپ سے ہو یا رشتوں سے محبت دوستوں سے ہو یا کسی غیر سے یہ ہمیشہ نظر آتی ہے کبھی عمل کی صورت میں تو کبھی رویوں کی صورت میں۔ محبت سب سے پاکیزہ جذبے کا نام ہے جو ہر کسی کے دل میں پروان چڑھتا ہے۔

لیلیٰ رب نواز...... دو ھیوالی بھکر

تعلق

مقدر اور دل کی آپس میں کبھی نہیں بنی جو لوگ دل میں ہوتے ہیں وہ مقدر میں نہیں ہوتے اور جو مقدر میں ہوتے ہیں وہ دل میں نہیں ہوتے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

وقت

ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سب ٹھیک ہونے کے باوجود دل مسکرانا بھول جاتا ہے۔

سبق

زندگی میں لوگوں سے ایک ہی سبق ملا جن کو ہم جتنا خاص کرتے گئے ان کے لیے ہم اتنے ہی عام ہوتے گئے۔

ذکا زرگر...... جوڑہ

جینے کے گر

ایک صاحب نے دفتر سے فارغ ہو کر اپنی سیکرٹری کو ساتھ لیا اور ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے وہاں سے دونوں نے فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا اس کے بعد وہ سیکرٹری کے ساتھ اس کے گھر بھی چلے گئے رات گئے وہ سیکرٹری کے یہاں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اس سے ایک پینسل مانگ کر اپنے کان میں پھنسائی گھر پہنچے تو بیوی نے تاخیر کی وجہ پوچھی صاحب نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔

”جھوٹ، بکواس۔“ بیوی نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم دیر تک دفتر میں کام کر کے آ رہے ہو پینسل ابھی تک تمہارے کان میں لگی ہوئی ہے۔“

ارم کمال...... فیصل آباد

اقوال زریں

✦ مطلبی دوست کوئلے جیسا ہوتا ہے اگر کوئلہ گرم ہو تو ہاتھ جلا دیتا ہے اگر ٹھنڈا ہو تو ہاتھ کالے کر دیتا ہے۔

✦ سچا پیار کرنے والا دوست اگر روٹھ بھی جائے تو اسے بار بار مناؤ کیونکہ ہیروں کی مالا ٹوٹ کر بکھر بھی جائے تو ہیروں کی ہی رہتی ہے۔

عاصمہ بی...... طور جہلم

دل سے

انسان سب کچھ بھول سکتا ہے سوائے ان لمحوں کہ جب اسے اپنوں کی ضرورت تھی اور وہ دستیاب نہیں تھے۔

وقاص عمر...... حافظ آباد

غلطیاں لگ چکی ہیں۔

حسن خیال

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکات۔ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ آپ قاری بہنیں جس طرح ہر ماہ اب بھرپور تبصرہ کرتی ہیں اس سے ہمارے ساتھ مصنفین کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ بے شک "حجاب و آنچل" آپ کے اپنے پرچے ہیں اور انھیں آپ کی نگارشات ہی سجاتی سنوارتی ہیں امید ہے آئندہ بھی اسی طرح آپ سب شرکت کرتی رہیں گی۔ اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

شازیہ ہاشم میونتی...... اسلام پورہ کھٹیاں السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکات۔ ڈیئر جوہی آپی اینڈ حجاب اسٹاف اور پیارے پیارے حجاب ریڈرز......

ابتدائے سخن نوا اس رب دو جہاں کے نام سے شاز\
جو اپنے بندے کو بے حد و حساب دیتا ہے

آس و یاس اور امید و یقین کی کیفیت میں تبصرہ تاخیر سے بھیجا اور ظن غالب یہی تھا کہ اس دفعہ تبصرہ شاید شائع نہیں ہو مگر جزاک اللہ خیرا کثیرا آپا عزیزہ جوہی! اگر یہی حوصلہ افزائی جاری رہے تو پھر جلد ہی آپ میرا نام دنیائے ادب میں فروزاں دیکھیں گی۔ مگر ایک بات بتاؤں میرا شہرت سے دل گھبراتا ہے بہرحال عزیزم! یہ میرے دل کی حالت ہے جو میں نے آپ کو بتائی۔ ہائے پوسٹ جب "حجاب" رسالہ میرے گھر آیا تو میرے بھائی حافظ اظہار الحق نے چھین لیا اور کہا اس وقت دوں گا جب میرے ہاتھ میں پچاس یا ساٹھ روپے رکھیں گی۔ اب دیکھیں آپ میرے بھائی نے یہ تو زیادتی کی بہرحال حجاب رسالہ تو لینا تھا میں نے اسے پیسے دیئے پھر اس نے مجھے حجاب دیا۔ جزاک اللہ یا عزیزہ! مجھے انعامی رسالہ بھیجنے پر اور آپ کو بھی مبارک باد بہت زیادہ کیونکہ آپ نے ہی مجھے حجاب اسٹیشن کا ٹکٹ لیا دیا ہے جب بھی ملتا ہے میں اپنی منزل کو پالیتی ہوں۔ دعا کرتی رہیے گا کہ اللہ مجھے دنیا و آخرت میں سرخرو کرے۔ اب آتی ہوں حجاب کی طرف! جو مجھے یعنی حقیرہ بندی خدا کو میٹھی میٹھی نگاہوں سے تک رہا ہے کیونکہ میں نے اسے انعام کے طور پر پایا ہے۔ حسب دستور سب سے پہلے مدیرہ آپا سے بات چیت کرنا پڑی کیونکہ اذن تو انہیں سے ملنا تھا کہ آگے جاؤ۔ لہٰذا مدیرہ کی باتیں سو فیصد نہیں دو سو فیصد ٹھیک تھیں اور انہی باتوں سے میں نے ایک غزل بھی جو میرے ذہن کی سرزمین پر بہار کی طرح آئی اور میں نے قلم سیاہی سے ڈائری کے صفحات پر اتار لیا آپ بھی پڑھیے اور بتایئے گا کیسی ہے؟

خونی رشتوں سے منہ موڑنا یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے\
خود غرضی کی زندگی جینا یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے\
مہنگائی کا رونا روتے ہو فرائض سے بے خبر ہو\
اپنے حقوق لینا خوب جانتے ہو یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے\
نا اتفاقی و بدامنی نے کردیا ہے فضاء وطن کو زہر آلودہ\
امن و اتحاد کے خالی نعرے لگاتے ہو یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے\
غیروں کے سامنے بچھ بچھ جانا محبتیں لٹانا\
اپنوں سے دوری یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے\
نہیں پوچھتے اب تو حال رک کر سگے رشتوں سے

کہیں کچھ مانگ نہ لے یہ سفاکی نہیں تو پھر اور کیا ہے
اے پیاری مدیحہ آپ کی باتیں شاز نے بہت غور سے سنی ہیں
کیونکہ میں آپ کی بیٹی یہ حقیقت نہیں تو پھر اور کیا ہے

پھر حمد باری تعالیٰ سے دل کو ضیا نورانی بخشتے ہوئے اور روحہ چغتائی سے معذرت کرتے ہوئے کچھ حمدیہ اشعار ان کی حمد کے وزن پر لکھے جو پیش نظر ہیں۔

میرے عیبوں کو تو چھپاتا ہے اے ستار العیوب
میں بندہ گناہ گار تو غفار تیری توصیف کیا لکھوں
تو شہنشاہ ہے شہنشاہوں کا تو خدا ہے ناخداؤں کا
تجھے شہنشاہِ دو جہاں لکھوں، رب العالمین لکھوں
ترازو عزت و آبرو کے، ترازو ذلت و رسوائی کے
سب تیرے ہاتھ میں ہے، تجھے قادر مطلق لکھوں
قسمتوں کے دانوں کے ہار پروتا ہے تو یا الٰہی
اسرار باطن کو تو جانتا ہے، تجھے علیم بذات الصدور لکھوں

بڑی مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دل سے رب تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے روزِ محشر شفاعت مصطفیٰ ﷺ کی دعا کرتے ہوئے بڑی اور دل نے بے ساختہ کچھ اشعار کہے (قاضی مطیع اللہ سے معذرت کے ساتھ کہ ان کے الفاظ کو میں نے اشعار کا پیراہن دے دیا)

کوثر و تسنیم کی طہارت کا پتہ ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
آیات بینات کا پتہ ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
عشق کے ساگر میں غرغابی کا نام ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
میرے ہر جذبے کی سیرابی کا نام ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
روضۂ اقدس ﷺ پہ حیرانی کا نام ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
دست بستہ ان کی دربانی کا نام ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
لطفِ ختم المرسلین کا تذکرہ ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
سیرت الانبیاء کا تذکرہ ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ

"ذکراس پری وش" ماشاءاللہ کھٹریاں کی ریڈرز میں اضافہ ہوگیا ہے یعنی میں میری اسٹوڈنٹ نور الشال اور اب رشک حنا واہ بنی والا جیسے اپنے گھر میں روشنی بن کر آئی ایسے آپ کی زندگی روشنیوں بھری رہے اور شعر بھی زبردست، کبھی آنا ضرور میری طرف فائزہ شاہ گر یا آپ تو مجھ سے تقریباً چار سال چھوٹی ہو بہرحال عمروں کا کیا ہے؟ بات تو ساری ذہنی مماثلت اور خلوص کی ہے خاص طور پر تمہاری آمد دل کو بھائی اور ہاں آپ سے مل کر اچھا نہیں بہت اچھا لگا کیونکہ سید فیملی سے تعلق رکھتی ہو ناں آپ...... "اقتصام چوہان" نام پڑھا تو حیرت زدہ ہوگئی کہ لڑکیوں میں لڑکے کا کیا کام، بہرحال جب پڑھا تو اچھا لگا، مگر گانوں میں ہر بہن کا انٹرسٹ دیکھ کر ہر ماہ دل دکھ سے بھر جاتا ہے۔ آج ہمیں گانوں سے تو تفریح ملتی ہے غمگین دل مسرور ہو جاتا ہے ہائے ہم کتنے نادان ہیں سیرت صحابہؓ و صحابیاتؓ کو اٹھا کر دیکھیے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے اور ان کی زندگیوں پر نظر ڈالیے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ غم اور پریشانی میں نماز اور قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے اللہ ہم گناہ گاروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہؓ و صحابیاتؓ کے نقش قدم کا رہرو بنائے (آمین) اور مجھے آپ کی دوستی قبول ہے اور ابھی تو اقرا جٹ بھی کاسہ پھیلائے کھڑی ہے جلدی آ جاؤ اپنی محبت سے میرا کاسہ بھر دو (ہاہاہا) اقرا جٹ کوئی رسالہ نہ پڑھنا بلکہ اس کو چاٹنا آپ کا فرض لگتا ہے اور ہر رسالے میں تمہارا نام نظر آتا ہے۔ "کرن" میں آپ کا تعارف پڑھا اچھا لگا اور اب "حجاب" میں بھی بھیج دیا۔ او وے جینن فطرت کی مالک پیاری لڑکی، کچھ جینن بھی تو لیا کرو۔ اقرا ہر نماز میں مجھ ناچیز کو اتنشل یاد رکھا کرو کہ اللہ مجھے علم دین پر عمل کی توفیق دے اور حیات تو عمل عطا فرمائے۔ یہ میری التجا سمجھ لینا...... پیاری بہنا ماشاءاللہ تمہاری باتیں بہت اچھی لگیں۔ اقرا جاری ہوئی امان اللہ تو کہہ دوا گر نہیں کہنا تو نہ سہی ابھی میں نے

رح تحن کے پلیٹ فارم پر پہنچتا ہے جہاں سباس آپی پتہ نہیں کہاں کہاں سے لوگوں کو انوائٹ کرتی ہیں اور ان کی تو سیوا کرتی ہیں مگر ہماری کچھ بھی نہیں (یہ دیکھو سباس آپ! کٹی بچپن کا سہانا منظر آنکھوں میں سما گیا) ویسے "تیاّر سو ناٹس ڈیئر آپی!" نزہت آپ کی شاعری نے امپریس کیا اور اللہ رب العزت ان کی حج والی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور مجھے اور میرے والدین کو بھی حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف فرمائے (آمین) اور آخری شعر ماضی میں لے گیا کہ

میری پسند بھی کتنی عجیب ہے اے دوست
پرانے گیت، کھنڈر، چاندنی اور گلاب کے پھول

پھر اگلا صفحہ کھولا تو "میرے خواب زندہ ہیں" نظر آیا۔ ڈیئر نادیہ آپ کی تحریر یعنی ناول کی ہر قسط جاندار ہوتی ہے۔ شکر ہے مہرو بچ گئی۔ مگر یہ واقع اس کے دماغ پر بہت گہرا اثر چھوڑ گیا اور کائیش لالہ بھی کچھ حقیقت سے روشناس ہوئے اور فراز تو پھر ہے ناول کا ہیرو اور مجھے تو کچھ ایسا لگتا ہے کہ کائیش کا زندگی بھر کا تعلق یا تو مہرو سے جڑے گا یا پھر لالہ رخ سے۔ لے بابل تھوڑی سی ہمت کا مظاہرہ کرو اور اپنی دور جاتی محبت کو تھام لو یہ نہ ہو تم اس کے مصداق ہو جاؤ۔ "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔" احمر بھائی ترس آ رہا ہے تمہارے شکست زدہ چہرے پر پریشان نہ ہو زرینے نے جھوٹ بولا ہے بے فکر رہو اور حورین کو کیا مسئلہ ہے ڈیئر جلدی بتانا۔

"صراطِ مستقیم" فصیحہ آصف خان زبردست ثانیہ کو صراطِ مستقیم کی سمجھ آ گئی اور اسے ہدایت مل گئی مگر ایک بات اللہ ہدایت بھی ان کو دیتا ہے جن کے دل خوفِ خدا سے لرزتے ہوں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں اللہ پاک ہمیں بھی صراطِ مستقیم کا راہی بنائے اور دنیا و آخرت کی فلاح عطا فرمائے۔ ڈیئر فصیحہ اللہ آپ کو مزید ایسی تحریروں کے لیے قلمی جنبش عطا فرمائے۔ "محبت بھیگا جنگل" ڈیئر عابدہ اینڈ میری توقع کے عین مطابق ہوا محبتوں کی بارش میں جب خلوص و اعتماد کے قطرے بھی شامل ہو جائیں تو ایسی پھوار بارش میں بھیگنے کو بھی من چاہتا ہے۔ یہی تو وہ پھوار محبت ہے جس نے حیدر کے دل کو گندگی سے پاک کر کے دانیہ کے لیے دھڑکنا سکھایا، صہیب کے لیے مانو کا دل محبتوں کا مرکز بنا دیا۔ احمر کو خوب صورت اظہارِ محبت کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہاں یہی تو محبت ہے جو انسان کو انسانیت سے جوڑ کر خالق سے ملا دیتی ہے۔ محبت ہی تو ہے جو صدیق اکبر کو بعد از انبیا افضل البشر قرار دیتی ہے۔ محبت ہی تو ہے جو بلال کا مقام ایسا بناتی ہے جو چلتے مدینہ کی گلیوں میں ہیں اور آواز قدم جنت سے آتی ہے۔ واہ محبت تیرے بھی کیا رنگ ہیں۔ محبت کہیں تو سمیہ کے دو ٹکڑے کروا دیتی ہے تو کہیں ابو جندل کو باپ کی زنجیروں میں جکڑنے پر مجبور کرتی ہے۔ جو خباب کو سولی پر لٹکنے پر مجبور کرتی ہے محبت ہی تو ہے جو کمسن معاذ سے ابو جہل جیسے ذلیل کو مرواتی ہے محبت ہی تو ہے کہ میں آپ کے ماہنامہ "حجاب" کے صفحات کے لیے اپنے قلم کی سیاہی کو ختم کر رہی ہوں (ہاہاہاہا...... جوہی آپی پلیز اسمائیل) مسکرانا صدقہ ہے ڈیئر میں تو پھر آپ کی محفل میں مہمان ہوں آپ کو مسکرا کر دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک تو مہمان کے اکرام کا دوسرا مسکرا کر...... ڈیئر یہ تو مجازی محبت ہے یہ تو دنیا کی محبت ہے، محبتوں کا حصول خلوص و وفا سے ملا کرتا ہے، کیونکہ نیت اچھی تو انجام اچھا۔ "عشق دی بازی" تھا شکر آ نئی ریحانہ آفتاب، کمال قسط تھی اس دفعہ بھی، ویسے مجھے سبحان اور عیشال کی جوڑی بہت اچھی لگتی ہے۔ سبحان اور شاہ زر، شمعوں کی محبت بے مثال ہے، ایسی محبت بھائیوں میں ہو تو جھگڑے ہی ختم نہ لیں لگتا ہے اب منزہ کے حوالے سے حقیقت کا پردہ چاک ہونے لگا ہے۔ ویسے بھی

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کاغذ کے پھولوں سے

"عادی" سدرہ فریال قسم سے آپ کی تحریر پڑھ کر بہت مزہ آیا اور نور پر بہت ہنسی آئی۔ نور کے بابا ویری نائس، بہت کیا بیٹی کی محبت اور پسند کو اسے بتائے بغیر ایک جائز رشتے میں پرو دیا اور مریم بہت اچھی لگی واقعی ہی بہنوں کو ایسا ہونا چاہیے۔ منفرد موضوع منفرد انداز میں لکھی گئی اچھوتی تحریر دل کو بھا گئی۔ یعنی "مہکِ سحر گاہی" ایک بات بتاؤں میری امی ایسی ساس ہیں جو سارا کام خود کرتی ہیں اور بھائی کے بچوں کو بھی خوب پیار کرتی ہیں۔ "جرم محبت" تو ین تیری عقل پر پتھر پڑ گئے جب سجاد کچھ کما تا ہی نہیں، کم از کم اپنی دادی کی بات مان لیتی۔ بڑوں کی بات واقعی ہی ماننے والی ہوتی ہے اگر نہ مانی جائے تو کوئی نہ کوئی نقصان ہو جاتا ہے۔ جیسے تو ین کے ساتھ ہوا۔ "تب آرزو تیری چاہ میں" ڈیئر رائٹر اس رواج کا دماغ ٹھیک کرو کیوں رشتے خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے اچھا بھلا زنا نشہ اور عرش کے درمیان تعلقات گج پیمانے پر استوار ہو رہے تھے مگر یہ فساد ان پتہ نہیں کہاں سے آ گئی۔ اب جلد از جلد پُرسکون ماحول لا کر زرق اور زنا نشہ دونوں، بہن بھائی کو ملا دو۔ "قہر" واؤ سنبل خان زبردست لکھا آج کل ایسا ہی ہوتا ہے، دوسروں کی بیٹیوں پر تو نظر رکھتے ہیں مگر جب اپنی بہن بیٹی کی بات آتی ہے تو ان کی غیرت بلبلا اٹھتی ہے۔ ایمان

بہت خوب ایک سبق سکھایا عدیل کو اور اپنے بھائیوں کی عزت پر حرف بھی نہ آنے دیا۔ "محبت گزیدہ" چلو شکر ہے کہ ثریا کی بھی نیا پار لگی اور وہ بھی زویا..... دیکھو کیا ہوتا ہے اب؟ "خواب و خیال تیرے" سمیہ عثمان نے اچھا لکھا بس اتنا کہوں گی۔

کبھی یاد آئے تو پوچھنا ذرا اپنی خلوتِ شام سے
کسے عشق تھا تیری ذات سے
کسے پیار تھا ترے نام سے
ذرا یاد کر کہ کون تھا جو تجھے بھی عزیز تھا
وہ جو بھی اٹھا تیرے نام سے
وہ جو مر مٹا تیرے نام پر

"آخری کنارہ" چلو کشتی کو کنارہ بھی ایسا ملا کہ ڈوبنے کا ڈر نہ رہا اس لیے تو کہتے ہیں اللہ کے ذکر کو کبھی نہ بھولو مگر انسان دولت و دنیا کی ہوس میں اللہ کو بھلا دیتا ہے مگر سکون صرف ذکر اللہ سے ملتا ہے بقول شاعر۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

"میری ہمدم میری دوست" خدیجہ جلال تیری دوست بہت خوش قسمت جس کو جنت البقیع میں جگہ ملی۔ جیسا میں نے دیکھا "وطن عزیز" سے پروین شاکر کی محبت دیکھ کر دل آبدیدہ ہو گیا اور دل سے دعا کی یا اللہ میرے عزیز وطن پاکستان کی حفاظت فرما آمین۔

اے خدائے لم یزل
اے رب ذوالجلال
کیسا وقت آن پڑا ہے میرے سوہنے دیس پر
کیسے ظلمتوں کے بادل چھا گئے ہیں اس پاک دھرتی پر
میرے رب میرے وطن کا امن کیوں درہم برہم ہے
کیوں انسانی تن ارزاں ہے
اے رب ذوالجلال
میرے سوہنے دیس کو
دہشت گردی سے نجات دلا
عداوتوں کے نشاں مٹا
تعصب اور نفرتوں سے جان چھڑا دے
اے رب میرے وطن کو محفوظ رکھنا
دکھ کی آندھی سے
غم کے سائے مایوسی کے اندھیرے سے
اے خدا رحیم و کریم
ہمارے اس چمن کے لیے
اس وطن کے لیے
اے اللہ! جنہوں نے ایمان کا سودا کیا
چند سکوں کے عوض اپنا ضمیر بیچ کر
انہیں ہدایت عطا کر
یاالٰہی میرے وطن کی حفاظت کرنا

"بزم سخن" کے تمام اشعار اچھے تھے، "کچن کارنر" "مادر اطلحہ" جلدی سے مٹن اسٹیم تیار رکھیں ہوسکتا ہے میں خواب میں آ جاؤں آپ کے گھر اور پھر آپ شرمندہ ہوں جلدی سے بنالیں "آرائش حسین" میں ہاتھوں کی حفاظت کے حوالے سے پڑھا۔ عالم انتخاب میں پروین افضل، صبا ایشل، مادر اطلحہ کا انتخاب زبردست تھا اور نزہت جبیں آپا! وقاص عمر کی نظم "شاخ امید" بھی اور میرا انتخاب ساغر صدیقی کی غزل تھی۔ شوخی تحریر لاجواب، ڈاکٹر اسرار بہت زبردست شوخی تحریر لکھ کر بھیجتے ہیں "حسن خیال" میں "سودائے محمد سردار" مبارک ہو زبردست یعنی آپ آنٹی کوثر خالد ہی ہیں۔ آپ ہر ماہ حاضری دیا کریں آنٹی آپ مجھے بہت پسند ہیں۔ ساہم نور انصاری، مدیحہ نورین مہک سحر تبسم میرے تبصرہ پسند کرنے پر جزاک اللہ اور ماہم نور میں اپنے اصل نام سے ہی لکھتی ہوں۔ آنٹی پروین افضل شاہین جزاک اللہ آپ کی محبت ہی کافی ہے میرے لیے۔ "دوست کا پیغام آئے" اچھا سلسلہ ہے حذا امثال، تبیلہ ناز، سعدیہ سحر، عائشہ ہی مسکان، میزاب، اقرا جٹ، آنٹی پروین، مادر اطلحہ، کوثر خالد، مجم نجم اور حجاب اسٹاف اینڈ آنچل خوش رہو خوشیاں بانٹوں ایک شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

اچھا جی فی امان اللہ میرے لیے دعا کرنا میرا سر درد ٹھیک ہوجائے تاکہ میں آسانی سے لکھ سکوں۔

☆ ڈیئر شازیہ اس بار بھی آپ کا تبصرہ انعام کا حق دار ٹھہرا مبارک ہو اسی طرح ہر ماہ شامل محفل رہا کریں اور تمام مصنفین کی تحریروں پر بھرپور تبصرہ کیا کریں۔ آپ کی آمد کا ہمارے ساتھ مصنفین کو بھی انتظار رہتا ہے۔ جگہ کی کمی کے باعث آپ کی نظمیں شامل نہیں کرسکے۔

اقرا جٹ...... منچن آباد پیاری جوہی اینڈ ڈیئر ریڈرز و رائٹرز السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ امید ہے تمام قارئین خیریت سے ہوں گے (زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اچھے کاموں میں لگائیں اسے) سرورق دلہن سے دلہن سا سجا ہوا تھا (تھوڑے لائٹ سرورق سجایا کریں یونیک سی سمپل سی ماڈل ہو سعدیہ خان، نجل علی، مائرہ خان وغیرہ کو بھی لائیں) بات چیت آنی مدیرہ سلام قبول کریں آپ کی ساری باتیں سو فیصد درست ہیں مہنگائی واقعی آسمانوں سے باتیں کررہی ہے مگر ڈائجسٹ کے صفحات چاہے کم کردیں مگر مہنگا نہیں کریں ورنہ میرے بھائی صاحب نے آنچل وحجاب کی چھٹی کرادینی ہے پہلے ہی بڑی منتوں سے لا کردیتا ہے (احسان ہوگا) حمد و نعت الفاظ نہیں تعریف کے لیے۔

ذرہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں
کرنیں ملیں کرم کی تو حمد و ثنا لکھوں
دل میں کھب گئے یہ الفاظ
تیری خدائی دیکھ کر اے خدا
دل سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا
نعت (جناب الطاف صاحب)
نعت سرکار کی پڑھتا ہوں میں
بس اسی بات سے گھر میں میرے رحمت ہوگی

میری فیورٹ نعت ہے ایک ایک لفظ دل وروح کو اسیر کرتا ہے ذکر اس پری وش کا رشک حنا فنٹاسٹک (ویلکم کیپ اٹ اپ) فائزہ شاہ اللہ آپ کی وش پوری کرے (مجھے سافٹ ویئر انجینئر بننے کا شوق ہے ویب ڈیزائننگ، ویب ڈویلپمنٹ، گرافک ڈیزائننگ وغیرہ وغیرہ) انعام چوہان ونڈر فل (ویلکم آنچل وحجاب نگر) ابتسام تو سنا ہوا ہے مگر انعسام (نام کا مطلب پتا نہیں انعسام چوہان) اقرا جٹ (واہ واہ بے ہوش نہ ہوجاؤں میرا تعارف؟) رخ سخن نزہت محبوب کا انٹرویو زبردست دہار انٹرز کونٹس آنچل وحجاب اسٹاف اور آرمی والوں کے انٹرویو کریں جیسا کہ کیپٹن، کرنل، میجر، بریگیڈیئر وغیرہ) کسی ایک آدھ ڈاکٹر اور انجینئر کا انٹرویو بھی پلیز دے دیں) افسانے "صراط مستقیم" فصیحہ آصف خان ویلڈن بہت اچھا افسانہ لکھا ثانیہ کو وقت پر سمجھ آگئی دنیا و آخرت دونوں سنور گئیں۔ "اشک سحر گاہی" سحر رانا زبردست آج کل ہمارے ارد گرد یہ سب عام ہے ایک اچھا سبق دیا اپنی تحریر میں جمیلہ عالیہ کے لیے فرشتہ ثابت ہوئیں۔ "جرم محبت" نورین کے ساتھ اچھا نہیں ہوا ایسے مرد دنیا میں ابھی بھی ہیں حمیرا قریشی لاجواب لکھا۔ "تھپڑ" سنبل ونڈر فل ایمان جیسا مضبوط کردار ہر لڑکی کا ہونا چاہیے محبت کا ہونا غلط نہیں محبت کو غلط طریقے سے پانا غلط ہے۔

یہ محبت ہی ہے

پہنچا دیتی ہے

جو درویشی کے عہدے پہ آرٹیکل "آخری کنارہ" نورین مسکان لاجواب لکھا "میری ہمدم میری دوست" خدیجہ جلال سبحان اللہ۔ "محبت بھٹکتا جنگل" عابدہ سبین ونڈرفل جوائنٹ فیملی سسٹم (آئی لو) ناکس فیملی تھی آخر مہیب اور مالو کو بل ہی گئی محبت نہ ملے تو جان لیوا بن جائے تو نتاشہ منال اور احمر ونڈرفل کپل احمر کی سوچ اچھی لگی حیدر اور عافیہ بیسٹ کپل۔ "محبت گزیدہ" قرۃ العین سکندر بہت اعلیٰ لکھ رہی ہیں ذکیہ پھر سے رنگ میں کوئی بھنگ نہ ڈال دے اور کرن میڈم اف دھماکہ کرے گی جب پتا لگے گا ریحان اور زیبا کو ساتھ کردیں اور زویا اور زریاب کو نا تو معصوم کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ طارق کی بے حسی سے بچا کر رکھیں شدت سے انتظار ہے اگلی قسط کا۔ "خواب وخیال تیرے" سمیہ عثمان آخر دلبر کو نازلی مل ہی گئی خوشی ہوئی ضروری تو نہیں سب جاب کرنے والی لڑکیاں ایک سی ہوں ویلڈن۔ "عادی" سدرہ فریال نور کا مریم کے لیے قربانی دینا دل کو بھا گیا مریم نے بہت اچھا کیا۔ سدرہ فریال زبردست۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی یہ کیا ماریہ بھی فراز کی محبت میں گرفتار ہونے لگی ہے لالہ اور فراز کا کپل بیسٹ لگتا ہے کامیش کو اب سونیا کو چھوڑ دینا چاہیے بس مہرو اور کامیش کو ایک کردیں ہاسل پیارز نتاشہ سے کرتا ہے مگر منگنی عنایہ سے عجیب ہے حورین کی طبیعت مہرو کی وجہ سے ایسی ہورہی ہے۔ ساحرہ سنگدل ماں نیکسٹ قسط کا شدت سے انتظار ابرام بھی مسلم ہوگا اب۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" نائلہ جی عرش کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے بس مزید کسی آزمائش کے بغیر زنا نشہ اور عرش کو ملادیں وہاج نے جلد بازی میں سب غلط کردیا شفران وہی ہے جس نے رجاب کے چہرے کو خراب کیا اعتبار جاب بدلہ لے گی۔ شہرام اچھے ہیں مگر اتنا غصہ۔ "عشق دی بازی" حجاب کی جان ہے یہ ناول ریحانہ آفتاب آپ کو ہمارا فیملی بیک گراؤنڈ رقم کررہی ہیں شاہ زر شمعون کو شنائیہ سے محبت ہوگئی ہے عیشال کی جان سبحان میں ہے اور سبحان کی عیشال میں بس ان کو الگ مت کریے گا اور ایچی وغیرہ بھی چوہدری جہانگیر کی بیٹیاں ہی ہیں ایشال جاہ بگڑا منڈا اور اکے لیے مشکلیں کھڑی کردے گا ہر کردار بہت مضبوط ہے ریحانہ جی زبردست ہر ایک کردار دوسرے سے جڑا ہوا ہے بس اسی طرح صفحہ قرطاس پر انمول موتی اترتی جائیں سب کی فیورٹ کہانی بنے گی "عشق دی بازی" "مستقل سلسلے" "جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر جیسا واقعی کوئی نہیں ہوسکتا۔ "بزم سخن" سمیہ عثمان مجھ سے کیا دشمنی بھئی؟ فصیحہ آصف' سباس گل آپی حمیرا قریشی ارم کما اسلام ہو۔ گل مینا اینڈ حسینہ انجم زہرہ مجم انجم کرن شہزادی علیشہ کنول' سائرہ' پروین افضل آپی سزا بلوچ کیسی ہیں۔ شازیہ اختر' جویریہ مائرہ جٹ سب کے اشعار بہت اچھے تھے شازیہ خان' زکا زرگر (سب کدھر غائب کردیا؟) ناز بلوچ' شاہ' ثنا' شاہ ریاض' عینی غلو' ایس شہزادی' زیب ثرہ' لبنیٰ شکیلا سیدہ لوبا سجاد' سمیہ کنول' طاہرہ منور (دوستی قبول آپ کی بکے دوست گن پوائنٹ پر ہاہاہاہا) رابعہ مبارک مدیحہ نورین مہک فیس بک پرنسز ہاہاہاہا) روبینہ کوثر سب کے اشعار قابل تعریف تھے ہمیں کوئی یاد کرے نہ کرے ہم سب کو کرتے ہیں کیوں بھئی؟ تم لوگوں کی طرح بے وفا تو نہیں ہاہاہاہا (اک آنچل اسٹاف کو ہی ہم پر رحم نہیں آتا اتنی محبت سے لکھتے ہیں اور پھر بھی ردی کی ٹوکری نصیب میں آتی حق ہائے رے قسمت) کچن کارنر سب نے چٹا پٹا بنایا ہوا تھا مگر کسی نے بھی پکا کر لانے کی زحمت نہیں کی ہاہاہاہا۔ صبا ایشل جی کیا ہماری دعوت کررہی ہیں آپ اب تک جتنی ڈشز آپ بتا چکی ہیں بس وہی بنالیں ہم راضی ہیں (مطلب ساری آنچل قارئین ہاہاہا) "آرائش حسن"

حسن کی بات ہو تو

نام تو حضرت یوسف

عالم میں انتخاب نزہت آپی کیسی دشمنی مجھ نادان سے پروین آپی' صبا ایشل جی' مدیحہ نورین' مادرا طلحہ' (ویلڈن) کوثر خالد (سوائے محمد سردار) وقاص عمر بھائی (لاجواب انتخاب) شازیہ ہاشم میوانی (جون ایلیا ویسے ہی پسند ہے) ماہ نور انصاری سب کے انتخاب کمال کے تھے بہت پسند آئے۔ "شوخی تحریر" ڈاکٹر اسرار احمد (ماشاء اللہ) پروین آپی (ہاہاہاہا) طاہرہ منور' ثنا علیشہ نور (زبردست) مدیحہ نورین مہک' ملائکہ صاحبہ ونڈرفل' وقاص عمر بھائی (اے ون) خدیجہ ایمان ہاہاہا کمال' سباس گل آپی (زبردست) بنت حوا (ہاہا تھینک تھی کوئی) طیبہ خاور سلطان (ویلڈن کیسی ہیں آپ) حمیرا قریشی زبردست۔ مجم انجم اعوان (کیسی ہیں آپ دونوں پرنسز زبردست) فصیحہ' سائرہ جٹ (غزل ویلڈن) عاصمہ عبدالمالک زبردست۔ علیشہ نور ماشاء اللہ حسن خیال فیورٹ سلسلہ سوائے محمد سردار (یعنی سرداراں بی بی؟) تو یک ٹیم مبارک ہو انعام کی فائنٹ بتادیں آنی انعام کیا ملا؟ واقعی تبصرہ کمال ولاجواب تھا آنی' گھر یلا سوہن حلوہ ہوتی ہے تو ساری سردیاں ہمارے گھر میں بہت بنتا ہے اگر آنچل والی سب مل کر آگئیں تو کم پڑ جائے گا اس لیے بس چپکے سے مجھے رس گلے بھجوادیں (ہاہاہاہا نو مائنڈ) نعت لکھنے والی بات پر میں آپ

کے ساتھ ہوں۔ ڈھیروں دعائیں آپ کی خوشیوں اور کامیابیوں کے لیے شازیہ ہاشم میواتی زبردست تبصرہ مبارک ہو ہاتھ کو کیا ہوا میدان مارنا آپ کے لیے چڑیا مارنے کے مترادف ہے مدیحہ نورین مہک (زبردست تبصرہ) ماہم نور انصاری (لازوال) جویریہ ذکی (ویلڈن تبصرہ اچھا کیا دعا کیا مانگی تھی؟ کان میں گھس کر بتا دیتیں اگر سیکرٹ تھا تو ہاہاہا ویسے ڈھیروں دعائیں کر ڈالی آپ کے لیے) سحر تبسم جی بے مثال تبصرہ پروین آپی (کیا ہوا ہے آپ کو اتنا چھوٹا تبصرہ؟ بھرپور جی جان سے تبصرہ کریں نیکسٹ ورنہ ہم ناراض آپ سے) ہومیو کارنر زبردست سلسلہ ہے فرحت اشرف ثلالا اسلم کدھر غائب ہیں آپ اقرا امتنان فائزہ بھٹی رقیہ ناز حافظہ اقرا اشرفی (کمال) سب کیسی ہو؟ ٹوٹکے مفید لگے پورا حجاب پڑھ ڈالا اور بھرپور تبصرہ بھی کر ڈالا اب اگر جو آپی جگہ نہ دی تو مجھے آپ سے بالکل نہیں بولنا (یکی مچی) گرمیاں زور پکڑنے لگیں ہیں ڈاکٹر مریم بڑی بے وفا ہو بہلا کی ہی دے دو یا ماہ رمضان کی آمد آمد ہے مقدس مہینے میں اچھے اچھے کام کرے گا سب ایڈوانس میں سب کو ماہ رمضان کی مبارک باد۔ روزے داروں صبح صادق سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر پھونک لیں اور پھر چہرے پر پھیر لیں روزہ بالکل نہیں لگے گا۔ (مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں ہمیشہ ریکوسٹ ہے)

زندگی کی حسین شاہراہ پر
اگر
میرے ہاتھوں میں
ہاتھ تیرا ہو اے حجاب
تو
زندگی جنت لگے مجھے

اللہ تعالیٰ آنچل و حجاب اور پاکستان کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین اسی کے ساتھ اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار سدرہ جبار کے سرورق سے سجا حجاب میرے ہاتھوں میں ہے سرورق واقعی خوب صورت رنگوں سے سجا ہمیں بہت پسند آیا اس پر کہوں گی۔

تم زمانے کے ہو ہمارے سوا
ہم کسی کے نہیں تمہارے سوا
تمہیں یقین دلائیں تو کس طرح آخر
ہمارا تو کوئی نہیں تمہارے سوا

حمد و نعت پڑھ کر اپنی روح کو شاد کیا بات چیت پڑھ کر بہت خوش ہوئی کہ آئندہ دونوں شمارے رمضان اور عید کے ہوں گے۔ ذکر اس پری وش کا میں چاروں بہنوں نے اپنے اپنے تعارف خوب صورت انداز میں پیش کیے۔ رس سخن میں نزہت آپی کا انٹرویو مجھ سے زیادہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے دلچسپی سے پڑھا کیونکہ وہ ریڈیو لسنر ہیں اور ریڈیو کے حوالے سے کوئی بھی تحریر یا انٹرویو مس نہیں کرتے کہانیاں میں آخر میں پڑھتی ہوں اس لیے ان پر تبصرہ نہیں کر سکتی بزم سخن میں فصیحہ آصف خان سباس گل ارم کمال نجم انجم اعوان نشرہ بلوچ ذکا زرگر سیدہ لوبا سجاد کچن کارنر میں صبا بشل عائشہ سلیم عالم میں انتخاب میں مدیحہ نورین مہک وقاص عمر شوخی تحریر میں علیہ نور خدیجہ ایمان حمیرا قریشی حسن خیال میں سوائے محمد سردار مدیحہ نورین مہک جویریہ ذکی چھائے رہے اس سارے شمارے میں مجھے میری نند فریدہ جاوید فری کی کوئی غزل کوئی تحریر نظر نہیں آئی کیا وجہ ہے آپی آپ اپنی حاضری ضرور لگوایا کریں دوست کا پیغام آئے بہت تھوڑے پیغام تھے آپ سے گزارش ہے کہ جیسے آنچل کا سلسلہ دوست کا پیغام آئے حجاب میں شروع کر دیا گیا ہے ایسے ہی آنچل کا ایک اور مقبول سلسلہ ہم سے پوچھیے بھی حجاب میں شروع کر دیں امید ہے میری یہ تجویز تمام آنچل حجاب پڑھنے والی بہنیں پسند فرمائیں گی۔

لیلیٰ دب نواز...... وحیوالی ہکی۔ السلام علیکم کیسے ہیں سب ٹھیک ہیں میرے خیال میں تو فٹ ہی ہوں گے اب آتے ہیں حمد و نعت کی طرف تو حمد و نعت کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے ذکر اس پری وش کا میں سب سسٹرز کو جاننے کا موقع ملتا ہے بہت انجوائے کرتی ہوں میں سب کے کھٹے میٹھے تعارف پڑھ کر اب آتے ہیں "عشق دی بازی" کی طرف جس کا شدت سے انتظار رہتا ہے میرے خیال میں ماورا انوشا اور صیال تینوں بہنیں ہیں لیکن بیشال کون ہے وہ جہانگیر کی بیٹا تو نہیں لگتا تو پھر آخر وہ کون ہے یہ سوال ابھی باقی ہے اور کیا جھوری جہانگیر

اور منزہ کی علیحدگی میں چوہدری حشمت کا ہاتھ ہے کیونکہ اسے اکثر چوہدری جہانگیر کے لیے فکر مند ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور سوال تو یہ بھی اٹھتا ہے کہ شاید مشال ہی منزہ کی بیٹی ہو اور انوشا اور آفتی میں بچی کی بیٹیاں ہوں اس سے منزہ کا کیا رشتہ ہے بہت سارے سوال تجسس میں مبتلا کرتے ہیں لیکن ان سوالات کے جوابوں کے لیے ابھی بہت سارا انتظار باقی ہے۔ "میرے خواب زندہ ہیں" میں کائنش شاہ اور ملالہ رخ ہی کی جوڑی بنے گی اور بہت بیسٹ جوڑی بنے گی فراز اور ماریہ تو خیر پہلے سے ہی مل چکے ہیں اب باری آتی ہے مہرو کی تو اس کے ہیرو کا انتظار رہے گا اور مجھے لگتا ہے مہر دھورتن کی بیٹی اور باسل کی بہن ہے خیر یہ تو وقت بتائے گا باسل زرتاشہ کے لیے سیریس ہوا تو اس کی منگنی ہی کروا لی نادیہ فاطمہ رضوی ارے باسل اور زرینا کتنے چھتے خیر جیسے بھی ملوایئے گا ملوانا ضرور اور سونیا کو کم از کم اب تو نکال دیں کائنش کی زندگی سے مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی اور جمکو لین کا ماضی کیا ہے۔ کیا پھر کسی پاکستانی مرد کی بے وفائی کا شکار ایک عورت ہے۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" زرکاش مجھے بالکل پسند نہیں ہے معاج کے ساتھ بالکل اچھا نہیں ہو رہا زرق اور حجاب لاڈی بیسٹ اور باقی سب سلسلے بھی بیسٹ ہیں اب تک کے لیے اتنا کافی ہے۔ اللہ حافظ سب اپنا خیال رکھنا۔

وقاص عمر...... حافظ آباد۔ السلام علیکم کیسے ہو آپ؟ سب پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کر رہا ہوں آنچل بہت پسند آیا تمام سلسلے وار ناول ناولٹ مکمل ناول بہت پسند آئے میں آنچل و حجاب شوق سے پڑھتا ہوں افسانے بھی تمام اچھے لگے۔ سرورق ماشاءاللہ بہت جاذب نظر ہے سرورق میں اس طرح کی تبدیلیاں ہوتی رہنی چاہیے آپ کی شفقت اور خلوص کا حصار اتنا مضبوط ہے کہ ادب کے قرینے میں کمی کا خوف رہتا ہے آپ جس جانفشانی اور دل کی عمیق گہرائیوں سے حجاب کا مطالعہ کر کے قلم قبیلہ کے دوستوں اور بہنوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں آپ کا یہ جذبہ قابل ستائش ہے۔ حنا ارشد اقرا اجث ناہم نور انصاری صباذ کا زرگر قائزہ بھٹی میری نگارشات پسند فرمانے پر آپ سب کا شکریہ۔ پلیز آپی نئی مصنفات کو صرف ایک دو افسانوں تک محدود رکھیں میں جانتا ہوں کہ آپ سب کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں مگر بہت سی نئی مصنفات اس کا درست استعمال نہیں کر رہی جس سے حجاب کا معیار متاثر ہو رہا ہے۔ کوثر خالد حنا ارشد نورین مسکان سرور شبنم کنول کرن جمز ارم کمال قائزہ بھٹی اقرا اجث سیدہ مائرہ منور بشریٰ کنول تانیہ انصاری شازیہ اختر شازی ناہم نور انصاری لیلیٰ رب نواز سعدیہ نواز سیاس گل عائشہ رحمان ہنی اکیبہ احمد ملالہ اسلم نور الشال شہزادی آپ سب بہت زبردست لکھتی ہیں اللہ پاک مزید کامیابیوں سے نوازے آمین سدرہ معانی ہری پور اللہ پاک آپ کی امی جان کی مغفرت فرمائے آمین باقی باتیں آئندہ اجازت اللہ حافظ۔

ریحانہ آفتاب...... کراچی۔ آنچل و حجاب گروپ کے روح رواں اور قارئین السلام علیکم! بڑے عجیب سے احساسات سے دوچار ہوں ان سطر کو رقم کرتے کہ کبھی میں بھی اسی طرح مستقل سلسلوں اور تبصروں کی دنیا کی باسی تھی آج ایک بار پھر اس سلسلے کے لیے قلم اٹھایا تو دو سال نگاہوں میں فلم کی طرح چل پڑے خوش گوار اور میٹھی یادیں آج جس لیے آپ سب کے روبرو آئی ہوں وہ ماہ جنوری سے آپ کے سنگ "عشق دی بازی" کی بساط ہے۔ معتبر قارئین! تبصرہ یا گزرے شمارے پہ آپ کے خیالات ہم مصنفین کے لیے بہت انمول ہوتے ہیں رائٹر نیا ہو یا پرانا اپنی تحریر سے متعلق آپ کی رائے جاننا بے حد ضروری خیال کرتا ہے تاکہ آنے والی تحریر میں بہتری پیدا کر سکے ایڈیٹر ہر ماہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شمارے پہ جامع تبصرہ کریں لیکن افسوس کہ ہم اس پلیٹ فارم پہ دوستی نبھانے اور "تم میری تعریف کرو میں تمہاری" کے رنگ زیادہ دیکھتے ہیں افسانوی رنگ اور دوستی نبھاتے تبصرے سے پرہیز کریں کہ اس کے لیے پیغامات کے الگ سے سلسلے ہیں مدیران، رائٹرز اور مستقل سلسلوں کو دیکھنے والے ہر ماہ پرچے کو خوب سے خوب تر کرنے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں آپ کے لفظ اس میں نئی روح پھونک دیتے ہیں اس سلسلے کو کامیاب کرنے کے لیے انعامات تک کی پیشکش ہے اس کے باوجود لکھا ہوتا ہے ابھی پہ اشارہ نہیں پڑھا ہمیں ہر چیز کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے اس کی اصل روح کے ساتھ نا کہ اسے توڑ مروڑ کر صرف اپنے مفاد کے لیے استعمال کریں۔ امید ہے آپ قاری اب اس بات کا خیال رکھ کر ہمیں خوشی دیں گے۔ جنوری میں آپ سب سے "ملاقات" رہی۔ دوستوں نے پسند کیا بے حد شکریہ۔ گل مہر حسینہ مدیحہ نورین مہک نگہت غفار طیبہ عنصر مغل شازیہ ہاشم سیمابی سائرہ رضا کوثر خالد اور اقرا اجث آپ سب کی پسندیدگی اور آراء کی ہر ماہ منتظر رہتی ہوں بے حد شکریہ آپ سب کے قیمتی لمحات کا جن سے وقت نکال کر آپ سب تعریف و تنقید کے لیے وقت نکالتی ہیں اور دعا کسی بھی بہانے کے ہر تحریر پہ تبصرہ کر کے حق دوستی ادا نہیں کرتے۔ کوثر خالد میں بالکل نہیں بھولی ڈیئر کہ کبھی میں بھی اس دشت کی سیاح تھی نئی نئی تجربہ کار آپ جیسی تھی پھر مصنفہ کا ٹیگ لگ گیا۔ میں ان نئی لڑکیوں کے لیے کہہ رہی تھی جو نئی نئی رائٹر بنتی ہیں اور سینئرز کی عزت بھول جاتی ہیں کئی ایک نے مجھ سے اصلاح لی [illegible] تحریریں چیک کرائیں میں نے مقدور بھر کوشش کی (احسان نہیں جتا رہی بتا رہی ہوں [illegible]

لکھنے کے بعد وہ "مصنفین" آپ سے باہر ہیں میں کل بھی طفل مکتب تھی اور آج بھی ہوں اقرا وجٹ! در حقیقت آپ کی بے لوث بے ساختہ محبت نے ہی "حسن خیال" میں انٹری پہ مجبور کیا آپ کی محبت آپ کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ شاہ زر شمعون کا کردار آپ کے والد جیسا ہے جان کر خوشی ہوئی کہ مردہ کردار لکھنے میں مجھے خود مزہ نہیں آتا وہی کردار لکھنے کی کوشش کرتی ہوں جو ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے نظر آئیں ماورائی نا لگیں آپ کو لفظ عشق سے محبت ہے عشق ہے اسی طرح مجھے...... میرے دونوں سلسلے وار ناولز "عشق دی بازی" "عشق پہ ہی ہیں آپ کی پسند نا پسند مجھ جیسی ہے خوشی ہوئی جان کے آپ کو بھی مخالفت کا سامنا ہے اگر آپ کا دل مطمئن ہے کہ جس راہ کا انتخاب آپ نے کیا ہے وہ آپ کے نام و نسب کو اوپر لے جائے گا تو اپنا سفر خاموشی سے جاری رکھیں! ایک دن وقت و حالات آپ کے تابع ہو جائیں گے ہاں سفر میں آپ کو بہت دشواری کا سامنا رہے گا کئی محاذ پہ آپ ٹوٹ بھی جائیں گی قدم بھی لڑکھڑائیں گے لیکن اپنی بقا کے لیے سفر جاری رکھیں کہ آپ کا سکون محبت اسی میں پوشیدہ ہے اور ایک دن مخالفت کرنے والے موافقت پہ مجبور ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ آپ نے دل کھول کر تعریف کی دل سے شکریہ۔ دیگر قارئین سے پھر التجا کہ جب تبصرے کے لیے قلم اٹھائیں تو تمام تحریروں پہ اپنی رائے ضرور دیں خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں۔

سحر تبسم سحری...... محلہ مغل پورہ آنچل و حجاب رائٹرز السلام علیکم امید ہے کہ خیر خیریت سے ہوں گے اور حجاب پڑھ رہے ہوں گے اس ماہ کا حجاب بہت زیادہ انتظار کا بعد آخر بارہ تاریخ کو نصیب ہوا ٹائٹل پہ ماشاء اللہ ماڈل بہت پیاری لگ رہی تھی جیولری میک اپ خاص کر بہت اچھا تھا سب سے پہلے قیصر آنٹی کی "بات چیت" پڑھی واقعی آج کل کے دور میں مہنگائی کا واویلا مچا رکھا ہے اپنوں سے دوری دوسروں سے مقابلہ بازی جھوٹ فریب تو جیسے معمولی بات ہے ہم تو آپ کی باتوں سے سو فیصد اتفاق کرتے ہیں اگلے ماہ رمضان ہوگا تو آپ سب کو مبارک ہو اس کے بعد "وحید چغتائی کی حمد پڑھی سبحان اللہ بے شک اس کی ذات ہی سب سے پاک ہے الطاف صاحب کی نعت حضور ﷺ کی شان میں لکھی آنکھیں نم کر گئیں اس کے بعد "ذکر اس پری وش کا" میں اقرا وجٹ اور رشک حنا کا تعارف لاجواب تھا سب سے پہلے اس کہانی کو پڑھا جس کا بے صبری سے انتظار تھا "عشق دی بازی" شکر ہے کہ سبحان آفندی کو کچھ نہیں ہوا عیشال تم میری طرح ہو میں بھی تمہاری جیسی ہی ہوں اسی لیے تمہارا کردار خاص توجہ سے پڑھتی ہوں اس کے بعد "میرے خواب زندہ ہیں" یہ قسط بھی اچھی تھی مجھے مہرو اور ماریہ اچھی لگتی ہیں۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" آخر یہ زنانشہ ہے کیا چیز پلیز دونوں کو پھر سے پہلے جیسا کر دیں۔ "محبت بھیگتا جنگل" اس کہانی کا پہلا حصہ پڑھ کر مجھے کچھ خاص نہ لگی تھی لیکن دوسرا حصہ پڑھ کر ساری شکایتیں دور ہو گئیں صہیب اور ماہ نور کا کردار تو کہانی کی جان تھا آخر دونوں مل گئے پیپی اینڈنگ ہوگئی بہت مبارک ہو عابدہ سبین کو اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مکمل ناول "خواب و خیال تیرے" اور "عادی" بھی اچھی تحریر تھی۔ (افسانوں میں) "صراط مستقیم" اور "تعبیر" ٹاپ پر رہے باقی اشک سحر گاہی اور جرم محبت بھی پسند آئی آرٹیکل میں میری ہمدم میری دوست بہت اچھا تھا ویلڈن خدیجہ جلال جی (حسن خیال) بہت بہت شکریہ مجھے جگہ دینے کا میرا اور میری امی کا مان رکھنے کا واقعی بہت خوش ہوئیں اور حجاب کی مزید ترقی کے لیے دعا کی "سودائے محمد سردار" کا تبصرہ لاجواب تھا شوخی تحریر میں پروین افضل ندیحہ مہک بنت حوا مجم انجم تہمینہ مائرہ اور وقاص عمر نے لاجواب لکھا (عالم میں انتخاب میں) پروین افضل ندیحہ مہک کوثر خالد اور ماورا کا انتخاب پسند آیا۔ (بزم سخن) میں سباس گل ارم کمال گل مینا جویریہ شزا بلوچ ثناء سمیہ کنول اور سیدہ لوبا سجاد کے اشعار لاجواب تھے (کچن کارنر میں) انجم بتول ماورا طلحہ صبا ایشل کی ریسپی لاجواب تھی اگلے ماہ تک کے لیے خدا حافظ میری دل سے دعا ہے کہ آنچل اور حجاب ترقی کے اتنی منازل طے کرکے کہ اسے سجانے والوں کی تمام محنت وصول ہو جائے آمین اگلے ماہ ملاقات ہوگی کیسا لگا تبصرہ بتایئے گا ضرور۔

صبیحہ نورین مہک...... گجرات السلام علیکم اہل حجاب کیسے مزاج ہیں آپ سب کے ہم پر تو اللہ کا کرم ہے شکر ہے اس ذات کا جس حال میں رکھے اس دفعہ حجاب ملا تو کچھ دیر سے مگر جب ملا تو بڑی خوشی ہوئی ٹائٹل پر خوب صورت سی ماڈل بہت ہی پیاری لگ رہی تھی جیولری تو بہت ہی نفیس تھی۔ حمد میں خدا تعالیٰ کی صفات بہت ہی اعلیٰ طریقے سے بیان کی گئیں ماشاء اللہ نعت میں بے شک درست کہا گیا سرکار ﷺ کے نام سے ہی ہمارے گھروں میں رحمت ہے۔ ذکر اس پری وش کا سب نے اپنے بارے میں خوب لکھا اور پیاری اقرا وجٹ کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی رخ سخن میں سباس گل کی محنت کو سلام کہ اتنے اچھے لوگوں کے بارے میں ہمیں بتاتی ہیں۔ شوخی تحریر میں پروین افضل بنت حوا مجم انجم اعوان کے انتخاب کمال کے تھے۔ عالم میں انتخاب میں کوثر خالد اور طلحہ صبا ایشال کے انتخاب زبردست تھے آرائش حسن میں بہت کچھ جانا شکریہ حدیقہ احمد کچن کارنر میں ساری ڈشز کی تراکیب پڑھی اور پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ بزم سخن میں ارم کمال عینی غزل ایس ابن شہزادی کے اشعار پسند آئے رفاقت جاوید نے پروین شاکر کے متعلق مزید آگاہ کیا جان کر بہت اچھا لگا جذبوں کی ترجمان

شاعرہ "میری ہمدم میری دوست" کیا خوب موضوع تھا کیا خوب لکھا زبردست خدیجہ جلال اللہ مزید کامیابیاں دے آمین "آخری کنارہ" نورین مسکان بہت اچھا لکھا بے حد خوب صورت کمال کا لکھا خوش رہو ہمیشہ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف "تھپیڑ" ایمان کا پختہ کردار اس افسانے کی جان تھا اور عدیل جیسے نام نہاد غیرت کے متوالے ایسے ہی ہوتے ہیں ایمان نے اپنی اس نام نہاد محبت کے لیے اپنوں کی محبت و عصمت داؤ پر نہیں لگائی۔ "وشمیل خان" اتنا اچھا لکھنے پر مبارک باد پیاری بہنا۔ "جرم محبت" کبھی کبھی محبت اندھی ہونے کے ساتھ ساتھ گونگی بہری بھی ہو جاتی ہے اور عقل مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے نورین کی محبت نے اسے جس دوراہے پر لا کھڑا کیا وہاں سے اس کے لیے نا تو واپسی کا کوئی راستہ تھا نہ پچھتانے کا کوئی فائدہ "حمیرا قریشی" بہت اچھا لکھا آپ نے "اشک سحر گاہی" پہلے تو یہ بات کہ تحریر کا نام ہی بہت انوکھا ہے عاتکہ بے چاری گھن چکر بن کر رہ گئی۔ جمیلہ بیگم نے عاتکہ کی ساس کو جس اچھے طریقے سے سمجھایا کاش ایسی عورت ہر محلے میں موجود ہو نسرین رانا اتنا اچھا لکھنے پر مبارک باد وصول کیجیے۔ صراط مستقیم ایک سبق آموز افسانہ ثانیہ کا یوں خود کو بدلنا بہت اچھا لگا اور اس کی زندگی میں ڈاکٹر احمد صالح کا آنا بھی خوشگوار موڑ تھا۔ فصیحہ آصف مبارک باد "خواب و خیال تیرے" ہائے دلبر تو لٹتے لٹتے بچ گیا شکر ہے اسے نازی مل گئی سمجھ نہیں آئی اگر دلشاد دلبر سے محبت کرتی تھی تو نازی کو راستے سے ہٹانے کے بعد شجاعت سے شادی کیوں کی۔ نازی کی معصومیت اور دلبر کی محبت ایک ہو گئے اینڈ پہ گڈ۔ "عادی" آئے ہائے سدرہ فریال کیا بچپن یاد کروا دیا میرا آپ نے میں بھی کبھی مٹی کی اور کبھی تختی پہ لگانے والی مٹی کی عادی تھی بڑا مزہ آتا تھا اور بخت نور کی ساری عادتیں پڑھ کر بہت مزہ آیا اور اینڈ پہ مریم کا سرپرائز کمال کا تھا ارمغان جیسے لوگ ہونے چاہیے معاشرے میں کھری محبت کرنے والے "محبت بھٹکتا جنگل" عابدہ سبین جب بھی لکھتی ہیں کمال کا لکھتی ہیں اللہ ان کے قلم کو مزید کامیابیاں عطا کرے آمین۔ مدحت نے جو حیدر کے ساتھ کیا اس کا بدلہ وہ دانیہ سے لینا چاہ رہا تھا مگر دانیہ نے ضبط کا دامن نہیں چھوڑا اور آخر کار مانو کے سمجھانے پر حیدر کو عقل آ گئی اور احمر اور منال کے درمیان کی غلط فہمیاں بھی دور ہو گئیں اور سب سے زیادہ مجھے تو مانو کی فکر تھی شکر ہے وہ اور صہیب ایک ہو گئے سیمرا کتنی اچھی تھی اور مانو اس کے حق میں اس سے بھی زیادہ اچھی تھی خیر اینڈ بہت زبردست تھا بہت پسند آیا مجھے اس کہانی کا اینڈ سلسلے وار ناول پڑھنے کا تائم نہیں ہے سو اتنا ہی تبصرہ کافی ہے باقی تمام پڑھنے والوں کو بہت سارا اسلام اور دعائیں خوش رہیے اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھیے گا مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے

نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے

☆ ڈیئر مدیحہ! خواب وخیال تیرے میں دلشاد محبت کے بجائے ان سے دلبر کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔

سودائے محمد سردار...... فیصل آباد السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

بزم قارئین سدا جگمگاتی رہے
حسن خیال جو ہی دکھاتی رہے
کبھی جویریہ وہی آ کر ملے
نذیر نجمہ کبھی ملنے آتی رہے

"بات چیت" قیصرہ جی سب دیتے ہوں گے مہنگائی کا رونا اور طلب کرتے ہوں گے سہولتیں مگر جناب ہم تو اپنی الگ دنیا میں ٹھاٹ سے رہتے ہیں البتہ 2017ء سے رسالوں کا خرچ بچوں پر ڈال دیا ہے اور اب مزید کتابیں شائع کرانے کے لیے ہم دعا کر رہے ہیں کہ ایسا کیا کام کروں کہ میری ذاتی آمدن ہو۔ آج حجاب کا انعام بھی ابھی مل گیا ہے یا ایھا الذین امنو پہلی فرصت میں پڑھیں گے شیخوپورہ سے اثر انصاری ڈھیروں کتب بھجواتے ہیں پڑھنے کے لیے اور ہم اکثر کام چھوڑ کر پڑھتے ہیں رات کو سونا جو ہوتا ہے کیونکہ خواب میں یہ آیت سنائی گئی وجعلنا نو مکم سباتا البتہ کبھی کبھی پھر بھی جاگتے ہیں اللہ سے معافی مانگ کر پڑھنے کا شوق ہی شدید ہے ہم نے قرآن کا منظوم خلاصہ بھی لکھا ہے تبصرہ کے لیے گیا ہے۔ حمد و نعت جی بالکل نعتیں سرکار کی پڑھتی ہوں میں بس اسی بات سے گھر میں میرے رحمت ہو گی۔ پری وش بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہو خاص طور پر اقرا تمہاری نمازوں کی پابندی پر رشک آیا شاعری تو ہمیں اتنی پسند ہے دل کرتا ہے ہر بات ہی شعر ہو جائے۔ انٹرویوز بہت محبوب واقعی حضرت واصف علی واصف دور حاضر میں سب کے آگے نظر آتے ہیں جس زندگی میں اللہ اور نبی ﷺ کا ساتھ ہو وہاں پریشان نہیں ہو سکتی بلکہ انسان ہر قسم کے حالات سے گزر کر سرخرو ہوتا ہے "میرے خواب زندہ ہیں" ثانیہ ناصر کی صورت جی جناب میرے گھر سے تو وہ کئی بار

بھاگ گئی مگر ہم نے اسے اسکول بھجوا کر ہی چھوڑا آخر دو نفل پڑھے اس کی خاطر ہر جنگ سے گزر کر سوا سر دار بن ہی گئی ماشاءاللہ "عشق دی بازی" ہارنہ جانا اسے دیکھا۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" "رسوائیاں ہزار ہیں ہم سے دور ہی رہنا جناب "محبت بھیگتا جنگل" "گل گلزار ہوا۔ "محبت گزیدہ" "آگے آگے دیکھیے۔ "خواب وخیال تیرے" "سچے جذبے جیت ہی جاتے ہیں۔ "عادی" "کہانی آف دا منتھ" انفرادیت سے بھرپور خوب صورت دلچسپ تحریروں اور مختصر جملوں کی البتہ فریال صاحبہ کی عادت بھول گئی۔ "صراط مستقیم" "یاد موت ہر برائی کا موثر علاج ہے۔" "اشک سحر گاہی" "کاش کہ ہی لکھو ہماری تقدیر میں کہ مرتے دم تک کام کام اور بس کام کریں "تجرم محبت" "جو کرے بھگتے بھی" "دھپڑ" ایک میری طرف سے بھی لگا دو۔ اللہ ہمیں کچھ نہ دے بس صرف ہدایت دے بیچ میں تو شروع سے کچھ نہیں مانگتی کیونکہ میری نظر مریضوں اور موت پر ہی رہی۔ "آخری کنارہ" نورین مبارک ہو میں اگر لکھوں تو ایسی ہی کہانی لکھوں شاباش کیپ اٹ ایسے ہی بیان کرو آغاز اور انجام تفصیل گناہ جان کر کان ضرور گنہگار کرنے ہیں "مری ہمدم مری دوست" "قابل رشک" ہم بھی جائیں کبھی سنانے کے لیے جب تک نہیں جاتے وہ ملتے آتے رہیں "جیسا میں نے دیکھا" "چمن چمن نگر نگر پروین شاکر کا اثر اثر" "بزم سخن" ہمارا غائب تھا "عالم میں انتخاب" ارے جو ہم بھیجتے ہیں وہ آپ گم کر دیتے ہیں۔ اب جو بھیجوں وہی لگا دیجیے گا۔ "خوشبو تحریر" "مہکتی ہوئی" "آغوش ماں" "اب کوئی نہیں بھیجتا؟ ازدواج مطہرات کی جگہ بھی کوئی سلسلہ دوبارہ نہیں آیا؟ ہونا چاہیے۔ "حسن خیال" تو کمال ہی کمال ہوتا ہے مگر کم خط ہوتے ہیں "دوست کا پیغام" کہیں خوشی کہیں غم تبھی رہے تا عمر انیلا طالب آپ کی ممانی کے لیے ڈھیروں دعائیں اگلا قرآن آج شروع کر رہی ہوں ان سب کے نام جو فوت ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے سب پرانوں کو بھی ثواب برابر ہی ملے گا علان اسلم تمہیں کھلکھلاتے دیکھ کر دل خوش ہوا تمہارے نام شادی کا تحفہ نظم کی صورت۔

علان جیو ہزاروں سال
خوشیاں پاؤ بہت کمال
پاپا لیمی ہر رہیں سنگ
سب سے آئی کرے سوال
ہر رشتہ تم خوب نبھانا
روٹھے کیوں کوئی کس کی مجال؟
پھول اور کلیاں تم پر واری
واری تم پر سارے سال
سدا کوثر ہر تسنیم
رحمت پاؤ رہو نہال
ہر تسنیم کی نائل نعت کے دو شعروں کے ساتھ اجازت
دیوانگی میں ہوش پسند نار بھی نہیں
زمانے میں چلن اپنا دشوار بھی نہیں
اک پل میں ان ﷺ کے در پر حاضر ہیں ہم ہوئے
بے شک کہ آقا ﷺ جیسی رفتار بھی نہیں

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہمارے ملک کو دشمن کی بری نظروں سے بچائے اور ملک سے محبت اور وفا کرنے والے حکمران عطا فرمائے ساتھ ہی ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے آمین۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

نازیہ کنول نازی اور فاخرہ گل کے نام

السلام علیکم! نازیہ اور فاخرہ بجو مجھے آپ دونوں بہت پسند ہیں لیکن آپ دونوں سے ایک شکایت ہے کہ آپ دونوں ہمارے ننھے سے حجاب پر دھیان نہیں دیتے مجھے آپ دونوں کا شدت سے انتظار ہے پلیز اپنی اس معصوم قاری کی پکار سن کر جلدی آئیں اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین بس ذرا جلدی سے آجائے مجھے امید ہے کہ میری فرمائش رد نہیں کی جائے گی ذرا مسکرا میرے گمشدہ اور شب سحر کی پہلی بارش لاجواب تحریر تھی آپ دونوں بہت اچھا لکھتی ہیں اور اللہ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی توفیق دے آمین۔

مشکل راستوں میں بھی آسان سفر لگتا ہے
یہ مجھے میری ماں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے
اک مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

ماما! آپ میری سب سے اچھی دوست ہو سکتی ہو آپ مجھے سب سے زیادہ پیاری ہو آپ نے میری ہر خواہش کو پورا کیا ہے کبھی پاپا کی کمی محسوس نہیں ہونے دی آپ نے پاپا اور ماما دونوں بن کر دکھایا ہے آئی لو یو نہ کبھی آپ نے دوسری ماؤں کی طرح میرے ڈائجسٹ پڑھنے پر اعتراض کیا بلکہ بہت عمدہ ڈائجسٹ (آنچل و حجاب) خود مجھے پڑھنے کو کہا میں اکثر غلطی کر جاتی ہوں مگر آپ نے مجھے ڈانٹا تک نہیں مائیں تو سب کی پیاری ہوتی ہیں مگر آپ نے ایک مثالی ماں کر دکھایا ہے۔

سحر تبسم سحری...... مغل پورہ

حجاب فرینڈز کے نام

السلام علیکم ڈیئر حجاب فرینڈز اینڈ آل پاکستان امید کرتی ہوں سب ٹھیک ٹھاک ہوں گی کرن شہزادی' سمیرا سواتی' طیبہ خاور' تمنا بلوچ' رقیہ ناز' صبا ایشل اینڈ نورین انجم آپ سب کیسی ہیں کرن شہزادی میں نے دوستی کا پیغام بھیجا تھا مگر افسوس شائع نہ ہوا لیکن خیر اب بول دیتی ہوں مجھے آپ سے دوستی کرنی ہے جواب کی منتظر رہوں گی مشی خان مدیحہ نورین مہک' گل مینا اینڈ حسینہ' کرن ملک اور اس کے علاوہ اگر کچھ نام رہ گئے ہیں تو معذرت چاہتی ہوں ان سب کو بہت بہت سلام اور ڈھیروں دعائیں زندگی رہی تو پھر حاضر ہوں گے۔

علیشبہ نور...... بھیر کنڈ

حنا ارشد کے نام دعائے دل

میرے دل کی کتاب تیرے نام
سارے ہی گلاب تیرے نام
تو نے دکھ کے صحرا پار کیے
آنسوؤں کے چناب تیرے نام
تو نے شعور کی فصلیں کاٹی ہیں
میرے کل آداب تیرے نام
تیرے لفظوں نے کھلنا سیکھا
غزلوں کے آب تیرے نام
ستاروں کی جھلمل ہو تم
چندے ماہتاب تیرے نام
ہوں نور سویرے قسمت میں
الفت کے باب تیرے نام
تجھے خوابوں کی تعبیر ملے
در سیماب تیرے نام
تیرا پل پل جنت میں گزرے
دعائے نایاب تیرے نام

سودائے محمد سردار...... فیصل آباد

سب دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب پہلی بار شرکت کر رہی ہوں تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دے دیں ارے بے وفا

دوستوں تم لوگوں نے تو یاد کرنا ہی چھوڑ دیا ماریہ جناب کیسی
ہو اور پڑھائی کیسی جا رہی ہے انیلا تم آج کل کیا کر رہی ہو
اور نازیہ شادی مبارک ہو تمہیں بہت جلدی تھی ناں شادی
کرنے کی ارے بری بات ناراض نہیں ہوتے میں تو
ویسے ہی ارے ڈائجسٹ پڑھتے تو ایک سال ہی ہوا ہے
اور اب لکھنے کا دل چاہا تو لکھ بھی لیا اس میں اتنا حیران
ہونے والی کون سی بات ہے اپنی شبانہ سے رسالے لے
لیتی ہوں اچھا اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے فی امان
اللہ۔

بشریٰ نواز..... ودھیوالی بھکر

صبا احمد خان، وقاص عمر اینڈ حجاب فرینڈز کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں آپ سب امید ہے خیریت سے
ہوں گے میں آج پہلی بار حجاب میں لکھ رہی ہوں امید ہے
جگہ دی جائے گی اور میرا حوصلہ بڑھایا جائے گا حجاب کو
بہت پہلے پڑھنا شروع کیا اور ابھی بھی پڑھ رہی ہوں اس
میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا میں لکھنے اور بات کرنے کے لیے
بہت ڈرپوک ہوں آج بھی اگر حجاب میں لکھنے کی جرأت
کر رہی ہوں تو وقاص عمر کی وجہ سے انہوں نے میری
شاعری دیکھی مجھے ہمت اور حوصلہ دیا مجھ میں آگے پڑھنے
کا جذبہ پیدا کیا وقاص عمر آپ لکھنے پڑھنے کے معاملے
میں قدم قدم پر میری رہنمائی فرما رہے ہیں جس کے لیے
میں آپ کی بہت مشکور ہوں اور آپ کی پھوپو جان خورشید
بی بی کی وفات پر بہت افسوس ہوا اللہ پاک ان کے
درجات بلند فرمائے آمین اور جس طرح آپ حنا ارشد کی
مدد کر رہے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں
اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے حنا ارشد آپ کو بہت بہت
مبارکباد میں بہت جلد آپ کی کتاب منگواؤں گی۔ صبا احمد
خان آپ کا ناول محبت تیری خاطر پڑھا بہت پسند آیا اللہ
پاک آپ کو مزید علم عطا کرے وقاص عمر کی نظم آ دسمبر دل
کو چھو گئی بہت اچھا لکھتے ہیں آپ نزہت جبین ضیاء، حنا
ارشد، نورین مسکان، لیلیٰ رب نواز، عشنا کوثر سردار، فاخرہ گل،
نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، نگہت عبداللہ آپ سب
کو سلام۔ کسی کا خواب ہے کہ میں رائٹر بنوں سب دعا کرنا
میں بن پاؤں میں ہوسٹ بن پاؤں آخر میں وقاص عمر کا
ایک بار پھر بہت بہت شکریہ کہ مجھے ہمت حوصلہ لکھنے کا
جذبہ دیا اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

ہما طاہر..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب میرے خیال میں تو
فٹ فاٹ ہی ہوں گے پہلے تو جتنے بھی لوگوں کی سالگرہ
ہے بہت بہت مبارک ہو اس کے بعد جتنے لوگوں کے
ایگزامز ہو رہے ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب
لوگوں کو کامیابیاں عطا فرمائے' آمین۔ ساتھ میں مجھ
غریب کے لیے بھی کہہ دینا شاید قبولیت کی گھڑی ہو اور
میری بگڑی بن جائے۔ حنا ارشد آپ سے بات کر کے
مجھے بہت اچھا لگا آپ نے بہت متاثر کیا ہے مجھے "خواب
سے خواب تک" کے لیے اور ڈھیروں مبارکباد آپ کو اور
وقاص عمر کو وقاص عمر ایک اچھے انسان ہیں ہر کسی کو اہمیت
دینے والے اور ایسے لوگ آج کل کے دور میں کم ہی پائے
جاتے ہیں اور ان کی شاعری بھی بہت اچھی ہوتی ہے اور
سب سے آخر میں اپنی بہن سادیہ (چڑیل) کو برتھ ڈے
وش کروں گی ہیپی برتھ ڈے ایڈوانس میں اب تک کے
لیے کافی ہے آئندہ پھر ملاقات ہو گی اللہ حافظ۔

لیلیٰ رب نواز..... ودھیوالی بھکر

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

جلے ہوئے حصوں کو سکون پہنچانے والی تدابیر

حادثہ کہیں بھی اور کسی بھی جگہ پیش آسکتا ہے، خاص طور پر جب آپ باورچی خانے میں کھانا پکا رہی ہوتی ہیں۔ باورچی خانے میں ہاتھ پیروں کا جل جانا عام سی بات ہے۔ ذیل میں چند گھریلو ترکیبیں دی جا رہی ہیں، جن کے ذریعے سے آپ پانی یا تیل کی جلن دور کر کے سکون حاصل کر سکتی ہیں۔ جلنے کے بعد فوراً ذیل میں دی گئی چیزوں کو استعمال کرنا چاہیے۔

شہد:

شہد دافع عفونت (ANTISEPTIC) ہے اور زخموں کو مندمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جل جانے کی صورت میں شہد کو متاثرہ حصے پر اچھی طرح سے لگالیں، جلن دور ہو جائے گی۔

سرکہ:

سرکہ تقریباً ہر گھر میں ہوتا ہے۔ جسم کا کوئی حصہ جل جانے کی صورت میں سرکے میں پانی ملا کر پتلا کرلیں اور پھر متاثرہ حصے پر لگا لیجیے۔ اسے براہ راست نہ لگائیے، بلکہ صاف کپڑے کو پانی ملے سرکے میں ڈبو کر متاثرہ حصے پر لپیٹ لیجیے۔ اگر جلن دور نہ ہو تو تھوڑی دیر بعد کپڑے کو دوبارہ سرکے میں ڈبوئیں اور متاثرہ جگہ پر رکھ کر نرمی سے دبائیں۔

گھیکوار:

جل جانے پر گھیکوار (ایلوویرا) کا گودا براہ راست متاثرہ جگہ پر لگالیں۔ گھیکوار جتنا تازہ ہوگا، اتنا ہی زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔ گھیکوار کا گودا جسم کے جلے ہوئے حصوں کو جلد مندمل کر دیتا ہے۔

لیونڈر کا پتلا تیل:

اسطوخودوس (لیونڈر) کی بھینی خوشبو کی بنا پر اسے گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا تیل جلی ہوئی جگہ پر لگانے سے آرام آجاتا ہے۔ اگر لیونڈر کے تیل میں گھیکوار کا گودا، وٹامن سی اور ای بھی شامل کر لیا جائے تو یہ آمیزہ زیادہ فائدہ مند ہو جاتا ہے۔ اسے دن میں کئی بار لگایا جا سکتا ہے۔

کیلے کا چھلکا:

کیلے کا چھلکا اس جگہ پر رکھ دیں، جہاں جلن ہو رہی ہو اور جب تک وہ سیاہ نہ ہو جائے، اسے نہ ہٹائیں۔ یہ جلی ہوئی جگہ کو تیزی سے مندمل کر دیتا ہے۔

دہی:

جلی ہوئی جگہ پر دہی لگانے سے ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اسے فوراً نہیں لگانا چاہیے، بلکہ ۳۰ منٹ کے بعد لگانا چاہیے۔ جسم کا زیادہ حصہ جل جانے کی صورت میں متاثرہ فرد کو فوراً کسی قریبی اسپتال لے جانا چاہیے۔

کچھ گھریلو ٹوٹکے

استری صاف کرنے کا طریقہ:

بجلی کی استری کو اگر زنگ لگ جائے تو اخباری کاغذ پر نمک بچھا کر اس پر رگڑنے سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

کپڑے دھونے کیلئے:

کپڑے دھونے سے پہلے ان کے بٹن زپ وغیرہ بند کر دیں تاکہ وہ آپس میں نہ الجھیں۔ کپڑوں کو بے رنگ ہونے سے بچانے کے لیے انہیں الٹا کر کے دھوئیں اور سکھائیں۔ پہلی بار گہرے رنگ کے کپڑے دھوتے وقت ٹھنڈے پانی میں نمک ملالیں اس سے کپڑوں کا رنگ پکا ہوتا ہے۔ گہرے رنگ کے کپڑے جو کئی بار دھلے ہوں ان میں چمک لانے کے لیے بھی یہ عمل موزوں ہے۔

ہیضہ:

لیموں اور پیاز کا رس ملا کر پینے سے ہیضے میں افاقہ ہوتا

ہے۔ پودینے کا رس پینے سے ہیضہ ختم ہوجاتا ہے۔ جائفل کا جوشاندہ پینے اور لونگ پانی میں اُبال کر پینے سے سینے میں لگنے والی پیاس ختم ہوجاتی ہے پیاز کے رس میں چٹکی بھر ہینگ ملا کر آدھے گھنٹے بعد پی لینے سے ہیضے میں شفا ملتی ہے۔

کلونجی سے موٹاپے کا یقینی علاج

موٹاپا دور کرنے کے لیے نیم گرم پانی میں کلونجی کا باریک سفوف کرکے اسی کے برابر کالی مرچیں ملالیں اور اس کے ساتھ شہد اور ایک لیموں کا رس صبح نہار منہ پئیں۔ کلونجی زائد چربی کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ شوگر کنٹرول کرنے میں بھی مددگار ہے۔

بوتلوں کی صفائی:

بوتلوں کی صفائی کے لیے بوتل میں تھوڑا سا واشنگ پاؤڈر اور ایک انڈے کا چھلکا چُورا کر بوتل کے منہ میں ڈال دیں اور بوتل کو ہلائیں۔ پھر یہ سب اُلٹ کر باہر نکال دیں اور دھو کر صاف کرلیں۔

سفید کپڑوں کی پیلاہٹ دور کرنا:

سفید کپڑوں کی پیلاہٹ دور کرنے کے لیے کپڑوں کو دھونے کے بعد پانی میں تھوڑا سا لیموں نچوڑلیں اب اسی میں کپڑے کھنگالیں اور نچوڑ کر سکھائیں، جب ریشمی سفید کپڑے کھنگالیں تو سفید سرکہ یا نمک ملالیں اور سائے میں خشک کریں۔

مائیکروویو میں نہ رکھنے والی چیزیں

انڈے:

مائکروویو میں انڈے رکھ کر اُبالنے کی کوشش نہ کریں، اس لیے کہ مائکروویو سے نکلنے والی حدت سے انڈے بے حد سخت ہوجاتے ہیں اور کبھی کبھار پھٹ بھی جاتے ہیں، اس لیے کہ انڈوں میں پیدا ہونے والی بھاپ ان سے باہر نہیں نکل پاتی تو وہ پھٹ جاتے ہیں۔

گوشت:

ڈیپ فریزر سے گوشت کا بڑا ٹکڑا نکال کر مائکروویو میں نہ رکھیں، اس لیے کہ گوشت کے نرم و ملائم کنارے تو پکنا شروع ہوجائیں گے، جب کہ درمیانی حصہ بدستور کچا رہے گا۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ گوشت کو فریزر سے نکالنے کے بعد اسے تقریباً ایک گھنٹے کے لیے کسی برتن میں رکھ دیں، تاکہ اس کی ٹھنڈک ختم ہوجائے اس کے بعد اسے پکنے کے لیے مائکروویو میں رکھیں۔

اسٹیل کے برتن:

اگر آپ نے کافی یا چائے اسٹیل کے مگ میں بنانے کے لیے مائکروویو میں رکھ دی تو وہ نہیں پک پائے گی، اس لیے کہ مائکروویو سے نکلنے والی گرمی سے اسٹیل کا مگ گرم ہونا شروع ہوجائے گا۔ یاد رکھیے کہ اسٹیل یا ایلومینیم کے برتن مائکروویو میں کبھی نہ رکھیں، اس لیے کہ یہ خراب ہوجاتے ہیں۔

پلاسٹک کے برتن:

پلاسٹک کے برتن گرمی سے پگھل سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کم درجہ حرارت پر ان میں سے مضر صحت اجزا نکل کر کھانے میں شامل ہوجاتے ہیں۔ جب پلاسٹک کے برتنوں کی کئی اقسام کو چیک کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے پچانوے فیصد میں ایسے کیمیائی مادے شامل تھے، جو صحت کے لیے مضر تھے۔ چنانچہ آپ انھیں مائکروویو میں نہ رکھیں۔ خواتین بچوں کے دودھ کی بوتل گرم کرنے کے لیے مائکروویو میں رکھ دیتی ہیں، جو غلط ہے۔ مائکروویو میں جو غذائیں رکھی جاتی ہیں، ان میں وہ برقی مقناطیسی شعاعیں شامل ہوجاتی ہیں، جو مائکروویو چلانے پر اس میں سے خارج ہوتی ہیں، اس لیے مائکروویو میں مذکورہ چیزیں رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔